حضرت علی علیہ السلام کی سیاسی، سماجی، مذہبی و سائنسی پیشین گوئیاں
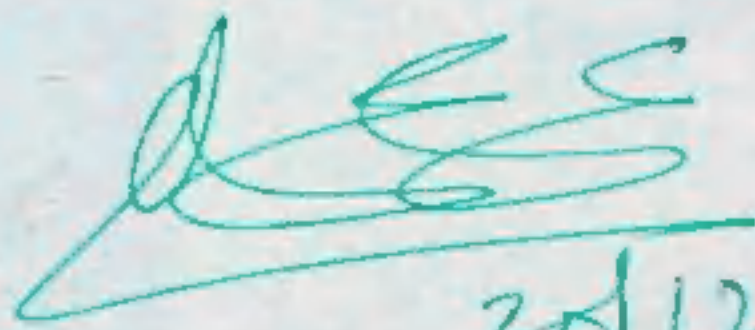
نہج البلاغہ کی پیشین گوئیاں

ڈاکٹر عباس علی نقوی (معراج الافاضل)
سابق میڈیکل آفیسر، یوپی ہیلتھ سروسز

برائے مطالعہ

محترم جناب عزیز حیدر صاحب

[signature]

20/12/20

التماس سورہ فاتحہ برائے

ڈاکٹر زریں عابدی

بنت محمد مہدی

عکس مصنف

ڈاکٹر عباس علی نقوی المرتضےٰ ٹرسٹ
مانچسٹر (انگلینڈ) میں عشرہ محرم کی مجلس خطاب
کرتے ہوئے۔

نہج البلاغہ کی پیشین گوئیاں

حضرت علیؑ کی

سیاسی، سماجی، مذہبی اور سائنسی پیشین گوئیاں

از قلم:

خطیب اسلام **ڈاکٹر عباس علی نقوی** (معراج الافاضل)

ناشر:

ادارۂ تفہیم اسلام (رجسٹرڈ)

32-D, HUSAINI HALL, Noor Nagar Ext., New Delhi-25

نہج البلاغہ کی پیشین گوئیاں

مصنف : ڈاکٹر عباس علی نقوی

سن اشاعت : جنوری، ۲۰۲۰ء

تعداد : ۵۰۰

قیمت : 250/روپے

کمپوزنگ : محمد کونین حیدر

ناشر : **ادارۂ تفہیم اسلام (رجسٹرڈ)**

پتہ : D-32، حسینی ہال، نور نگر ایکسٹینشن، جامعہ نگر، نئی دہلی-25

انتساب

شہید مودت

حضرت حجر بن عدی

اور ان کے ساتھیوں کے نام

(جن کا ذِکر اس کتاب میں بھی ہے۔)

اور

اُن سب کے نام

جو محبتِ اہلبیتؑ کے جرم میں آج بھی

تلواروں کے سامنے قتل گاہوں میں کھڑے ہیں۔

مگر.........

سر جھکائے ہوئے نہیں

سر اُٹھائے ہوئے۔

علیؑ والوں کے سر اللہ کے سوا کسی کے سامنے نہیں جھکتے۔

”وہ شخصیات جنھوں نے قلم پکڑنا سکھایا“

مرحوم و مغفور حکیم سید ذاکر حسین نقوی، مرحومہ سیدہ شمیم فاطمہ نقوی، مرحوم مولانا سید عزیز الحسن نقوی، مرحوم پروفیسر سید مقصود حسین نقوی، مرحوم مولانا سید ظہیر الحسن نقوی، مرحومہ پروفیسر سیدہ عالیہ نقوی، مرحومہ سید سہیل فاطمہ نقوی، مرحومہ سیدہ خوشنودی فاطمہ۔۔۔۔ مرحوم سید محمد علی نقوی، مرحوم سید نیّر حسن زیدی۔۔۔۔۔۔

ان کے لئے بلند درجات اور سورۂ فاتحہ کی گزارش ہے۔

فہرست

عرضِ ناشر

''ادارۂ تفہیمِ اسلام'' کی گرانقدر خدمات سے آپ ناواقف نہیں ہیں۔
ادارہ کے قیام کے وقت جن اغراض ومقاصد کو پیشِ نظر رکھا گیا تھا، ان میں سے ایک بہت اہم مقصد پرانی کتابیں، جو اَب دستیاب نہیں ہیں اور نئی کتابیں جو موضوعات کے لحاظ سے بہت مفید ہوں، کی اشاعت بھی تھا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ہم نے گذشتہ چند سالوں میں چند کتابیں نثر ونظم میں شائع کیں۔ لیکن سچ بات یہ ہے کہ یہ تعداد کام کی اہمیت کے حساب سے کچھ بھی نہیں۔ اس سلسلہ میں پیشرفت خاطر خواہ نہ ہونے کا مالی سبب بھی تھا اور چند اور دشواریاں بھی۔ لیکن اب اِدھر عرصہ سے ہماری کوشش تھی کی دیگر پروگراموں کی طرح ادارہ کے شعبہ اشاعت کی خدمات کو بھی مہمیز کیا جائے اور کسی اچھی کتاب کی اشاعت کی جائے، اتفاقاً اپنے ہی وقت میں خطیب اسلام ڈاکٹر عباس علی نقوی صاحب کی کتاب ''نہج البلاغہ میں پیشین گوئیاں'' ہمارے علم میں آئی۔ اپنے موضوع کے اعتبار سے یہ انتہائی اہم کتاب ہے، کیونکہ حضرت علیؑ نے ۱۴۰۰ سال پہلے، آنے والے وقت اور حالات کے بارے میں کچھ خبریں دی ہیں، ان خبروں کو ہم نے پورا ہوتے دیکھا ہے، اور پورا ہوتے ہوئے دیکھ رہے ہیں یہ اپنے آپ میں تبلیغِ دین

کا ایک بہت ہی موثر طریقہ ہے۔ جب قارئین یہ دیکھیں گے کہ ۱۴۰۰ رسو سال قبل حضرت علیؑ نے جو کچھ آنے والے وقت کے بارے میں فرمایا، جس جس کے لئے فرمایا، بعینہ بالکل ویسا ہی ہوا، تو ظاہر ہے امام عالی مقام کی ان پیشین گوئیوں سے ان کا ایمان فزوں ہوگا اور قرآن کی اصطلاح میں ''اطمینانِ قلب'' جس کا حضرت ابراہیمؑ نے ذکر کیا تھا، حاصل ہوگا۔

انشاء اللہ یقین ہے کہ اس کتاب سے بھرپور استفادہ کیا جائے گا۔

ڈاکٹر اسد رضا زیدی

خازن ''ادارہ تفہیمِ اسلام''،

نئی دہلی

on the fight, the battle became fiercer than ever.

He called out to them;

"follow me, ye companions of the Prophet. The gates of heaven are open. The Houris, richly adorned, are ready to receive us. Let us conquer and meet Mohammed(SAW) and his companions in paradise."

حضرت عمار کے ان جملوں سے ان کے جذبۂ و جوشِ جہاد کا خوب اندازہ ہو رہا ہے۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے ہاشم بن مرقال کو علمدار لشکر بنا کر کمان حضرت عمار کے سپرد کی۔ زبردست جنگ کا آغاز ہوا۔ عمار جس طرف نکل جاتے، اصحابِ رسول کا پورا گروہ ان کے ساتھ ہو جاتا۔ زبردست تیغ زنی کے درمیان حضرت عمار کو عمرو عاص نظر آیا تو آپ نے اسے مخاطب کیا؛

''تو نے مصر کی حکومت کے لئے اپنا دین بیچ ڈالا۔ تو نے پہلے بھی ہمیشہ اسلام کے خلاف ہی تلوار چلائی ہے۔''

عمرو عاص نے کہا ہم تو خون عثمان کا قصاص لے رہے ہیں۔ حضرت عمار نے چیخ کر کہا؛

''وائے ہو تجھ پر! تجھے خونِ عثمان سے کیا واسطہ۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ قدم اللہ کی راہ میں نہیں۔۔۔۔۔۔۔ میں نے اس سے پہلے تین مرتبہ رسالت مآبؐ کے ہمراہ تجھ سے جنگ کی ہے، اور جس عقیدہ سے پہلے جنگ کی تھی، آج بھی اسی عقیدہ پر قائم رہ کر جنگ کر رہا ہوں۔ اے عاص کے بیٹے! دنیا فانی ہے اور آخرت کی زندگی دائم ہے۔۔۔۔۔۔ کیا تو نے رسول خدا سے نہیں سنا کہ میرے لئے فرمایا تھا کہ عمار، تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔''

عمرو عاص کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہ تھا، اس لئے وہ سامنے سے ہٹ گیا اور عمار لشکرِ شام پر ٹوٹ پڑے۔ رن اتنا زور کا پڑا کہ ہاشم مرقال اور عمار ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ عمار بے خوف شامی لشکر کے جھنڈ میں گھس جاتے اور زبردست تیغ زنی کرتے ہوئے معاویہ کے خیمہ کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ جب عمار کافی آگے بڑھ آئے تو معاویہ نے چیخ کر کہا'' آگے بڑھ کر ان کو روکو'' چنانچہ معاویہ کے خصوصی محافظ دستے آگے بڑھے اور عمار کے ساتھ جنگ کرنے لگے۔ اسی درمیان حضرت عمار زخمی ہو گئے۔ زخمی حالت میں پلٹے تو ایک غلام نے جس کا نام راشد تھا، پیاس کی شدت سے نڈھال ہوتے ہوئے عمار کو دودھ میں پانی ملا کر پیش کیا۔ آپ نے نوش فرمایا اور پھر خود کلامی کے انداز میں گویا ہوئے؛

'' اللہ اور اس کے رسولؐ کی ہر بات سچ ہے۔ میں آج اپنے دوستوں سے ملاقات کروں گا۔ اپنے سردار حضرت محمد مصطفیؐ اور تمام ساتھیوں سے۔ رسولؐ نے فرمایا تھا کہ اس دنیا میں تیری آخری خوراک پانی ملا ہوا دودھ ہوگا۔'' (تاریخ ابوالفداء، جلد اوّل)

دودھ پی کر ذرا جسم میں توانائی محسوس ہوئی تو پھر اسی جوش سے اسی زخمی حالت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور دشمن کی صفوں پر ٹوٹ پڑے۔ اسی درمیان ابوغادیہ فزاری نے سینہ پر نیزہ مارا جس سے شدید زخمی ہو کر زمین پر گرے اور فوراً ہی ابن جون سکسکی ملعون نے اسی زخمی حالت میں تلوار سے سر قلم کر دیا۔ اِنا للہ و انا الیہ راجعون۔

عمار کی خبرِ شہادت دونوں طرف کے لشکروں میں جنگل کی آگ سے زیادہ تیزی سے پھیلی۔ حضرت علیؑ کی آنکھوں سے تو آنسو نکل پڑے اور میت پر آ کر آپ نے چند اشعار پڑھے، جن میں بے ثباتی دنیا کا تذکرہ تھا، دنیا سے بیزاری کا اظہار اور عمار کی شہادت پر سخت غم اور بے چینی کا اظہار تھا۔ پھر یہ گرانقدر الفاظ بیان فرمائے'' جو

آج عمار کی شہادت پر غمزدہ نہیں، اس کا گویا اسلام سے کچھ تعلق نہیں۔'' اس کے بعد اسی حالت میں اور انھیں کپڑوں میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور عمار سپرد خاک کر دیئے گئے۔

عمار تو شہید ہو گئے، مگر میدانِ کارزار میں نیا موڑ پیدا ہو گیا۔ کل جن لوگوں کو کسی طرح بہلا پھسلا کر عمرو عاص نے اپنے قابو میں کیا تھا اور یہ یقین دلایا تھا کہ آخر میں عمار ہمارے ساتھ ہی شامل ہو جائیں گے، ان کی نظروں پر سے پردے اٹھ گئے۔ شامی لشکر میں بہت سے ایسے تھے جن لوگوں نے یہ حدیث سن رکھی تھی کہ عمار باغی گروہ کے ہاتھوں قتل ہوں گے۔ ذوالکلاع حمیری کو بھی یہ حدیث پتہ تھی اور اس نے عمرو عاص سے اس پر گفتگو بھی کی تھی۔ عمرو عاص نے اسے اسی اطمینان پر رکھا تھا کہ عمار تو ہماری طرف ہی پلٹیں گے، مگر یہ منظر دیکھنے سے پہلے ہی ذوالکلاع میدان میں کام آ چکا تھا۔ عمرو عاص کے لئے یہ بہت سکون کی صورت حال تھی۔ چنانچہ اس نے اپنی پرائیویٹ محفل میں یہ بات کہی؛

''پتہ نہیں کہ میں عمار کے قتل سے زیادہ خوش ہوں یا ذوالکلاع کے خاتمہ سے۔۔۔۔۔۔ اگر ذوی الکلاع کی زندگی میں عمار قتل ہو جاتے تو وہ شامیوں کو لے کر علیؑ کے لشکر میں چلا جاتا۔'' (تاریخ کامل، جلد ۳)

شہادت عمار نے عام بے چینی پیدا کر دی۔ خزیمہ ابن ثابت انصاری جیسے صحابی بھی شہادت عمار سے پہلے کنفیوژن میں تھے، اور اپنی تلوار روکے ہوئے تھے۔ مگر شہادتِ عمار نے مطلع صاف کر دیا اور خزیمہ یہ کہہ کر جنگ کے میدان میں کود پڑے کہ ''اب اس میں شک کی قطعاً گنجائش نہیں ہے کہ معاویہ باغی ہے۔'' اور اس قدر زبردست جنگ کی کہ لڑتے لڑتے شہید ہوئے اور پھر ان کی لاش ہی میدان سے واپس آئی۔

خود عمرو عاص کا بیٹا عبداللہ اپنے باپ سے کہنے لگا کہ کیا ہم نے اس کو قتل نہیں کیا کہ جس کے لئے پیغمبرؐ نے فرمایا تھا کہ ''تجھے باغی گروہ قتل کرے گا۔'' عمرو عاص

نے جو لشکر کی بگڑتی ہوئی صورت حال دیکھی تو وہ مشورے کے لئے معاویہ کے پاس آیا اور بولا کہ لشکر میں عام بے چینی ہے۔عمار جاتے جاتے ہمارا کام بگاڑ گئے ہیں۔کیا کیا جائے۔معاویہ نے فوراً اس شہادت کی تاویل پیش کی۔اس نے عمرو عاص اور دیگر سرداروں سے کہا کہ ''کیا ہم نے عمار کو قتل کیا؟ عمار کے قاتل علی ہیں، جو انھیں میدان میں لے کر آئے اور انھیں قتل کرایا۔''

یہ عجیب وغریب تاویل تھی۔اس حساب سے تو جتنے شامی مارے گئے سب کے قاتل خود معاویہ تھے۔مگر جب انسان کا دماغ غور وفکر سے آزاد ہو جاتا ہے تو اللہ تعالٰی توفیقات کو سلب کر لیتا ہے۔اتنی واضح علامت کے بعد بھی معاویہ کی تاویل کو لوگوں نے مانا۔اس کے لئے باقاعدہ معاویہ کی طرف سے لشکر میں لوگ معین کر دیئے گئے جو ہر طرف کہتے پھرے کہ عمار کے قاتل علی ہیں۔حضرت علیؑ نے جب معاویہ کی یہ تاویل سنی تو آپ نے فرمایا کہ اس فارمولے سے تو حضرت حمزہؑ کے قاتل خود رسول اللہ ہیں کہ جو انھیں میدان میں لائے اور نتیجہ میں حمزہ شہید ہوئے۔اس صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے Dr.Weils کہتے ہیں:

> " with these words he(Ammar) flung and fought until he succumbed to his wounds.this not only roused the troops of Ali to vengeance, but also produced a depressing effect upon the Syrians."

الغرض عمار کی شہادت سے جنھوں نے کنارہ کیا تو کیا، یا جو ہدایت پا کر حضرت علیؑ سے آملے، وہ تو کم ہی نفر تھے، باقی تو معاویہ کی تھپکی سے پھر مطمئن ہو گئے، اور میدانِ کارزار پھر زبردست طریقے سے گرم ہُوا۔حضرت عمار کی شہادت نے حضرت علیؑ کو گہرا صدمہ پہنچایا، چنانچہ تدفین سے فارغ ہو کر حضرت علیؑ نے ۱۲۰۰۰ / سپاہیوں کو لے کر اتنا زبردست حملہ کیا کہ دشمن کی فوج سے فریاد کی آوازیں بلند ہو گئیں

اور معاویہ کی نظروں میں ناکامی پھر گئی۔ (تاریخ ابوالفداء)

انگریز مؤرخ واشنگٹن ارونگ اس صورت حال کو اس طرح پیش کرتے ہیں:

''بہادر عمار کی موت سے زیادہ کسی کا صدمہ نہیں کیا گیا۔علی اپنے معمولی اعتدال کو بھول گئے اور اپنے پرانے جنرل کا حال دیکھ کر بارہ ہزار سواروں کے ساتھ اس غضب کا حملہ کیا کہ دشمن کی صفیں درہم برہم ہوگئیں۔''

Dr. Weils لکھتے ہیں:

"On the morning of the 28th July, the Syrians were so hopelessly pressed that Muawia despaired victory."

اس انتہائی خوفناک اور خونریز جنگ سے پھر حضرت علیؑ کو انتہائی صدمہ ہوا اور آپ نے پھر چاہا کہ معاویہ بذات خود کسی طرح مقابلے پر آجائے، تاکہ کسی طرح دوسرے لوگوں کی جان بچے، جنھیں معاویہ ڈھال کی طرح استعمال کر رہا ہے۔ چنانچہ آپ نے پھر شامی لشکر میں جا کر معاویہ کو طلب کیا اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ دونوں طرف کا لشکر ہٹا کر دونوں سردار آپس میں تلوار چلالیں، مگر معاویہ کو تو اپنا سر اپنے جسم سے اتروانا نہیں تھا، اس لئے انھوں نے اس مرتبہ بھی کوئی جواب نہیں دیا اور آخر کار جنگ پوری شدت سے جاری رہی۔

مؤرخ ابوالفداء تحریر کرتے ہیں:

''علی نے عالی ہمتی سے مسلمانوں کو خونریزی سے بچانے کے لئے معاویہ کو طلب کیا مگر کانپتے ہوئے دشمن نے انکار کردیا۔''

(تاریخ ابوالفداء، جلد اوّل)

محمد صادق حُسین صاحب، مصنف ''جنگ جمل'' اور ''جنگ صفین'' اپنے

رسالے ''جنگ صفین'' میں ''معاویہ کا پیغام'' کے عنوان سے تحریر کرتے ہیں:

''قریب قریب ۳ر مہینے کی پے در پے اور متواتر شکستوں سے افواج شام کے نوادر شجاع اور نامی پہلوان کام آچکے تھے اور افواج کی کثرت افراد کی قلت سے بدل گئی تھی۔ ان واقعات کو پیش نظر رکھ کر اس ناگزیر نتیجہ پر پہنچ جانا کہ یہ تمہید شکست مستقبلِ قریب میں ہزیمتِ مستقل سے مبدّل ہو جائے گی، شاید ہر متجسس ذہن کے لئے ممکن ہے۔ طالب جاہ و حکومت معاویہ تھوڑے سے غور وفکر کے بعد اس نتیجہ پر بآسانی پہنچ سکتے تھے اور پہنچے۔ عمار یاسر کی شہادت سے متاثر ہو کر امیر المومنین کے لشکر نے ان کی قوت کو جو غیر معمولی نقصان پہنچایا وہ بھی ان کے پیش نظر تھا۔ اس آخری معرکے نے انھیں کمزور سے کمزور تر کر دیا، یعنی ان کی شکست کا زمانہ اور قریب آ گیا۔ اس یقینی شکست سے مخلصی کے صرف دو طریقے ہو سکتے تھے۔ یا تو کسی طرح جنگ ملتوی ہو جائے تا کہ آثارِ شکست میں مبتلا فوج اصلاح پذیر اور تازہ دم ہو جائے اور وہ اپنی قوت اور اپنے تسلط کے لئے از سرِ نو جنگ کر سکے۔ (یا مسلمانوں کا خون بہا سکے) لیکن اگر اندرونی تدابیر کے باوجود یہ کوشش بارآور نہ ہوئی تو شام کی حکومت کے بھی لالے پڑ جائیں گے۔ اس لئے اپنی موجودہ حالت کو باقی رکھنا از بس ضروری اور لازمی ہے۔ اگر شام کی حکومت رہ گئی تو علی سے دوبارہ جنگ کا بھی امکان ہوگا۔ اور اگر یہ سلسلہ ہی منقطع ہو گیا تو گویا جڑ کٹ گئی نخلِ آرزو کی، اس لئے امارتِ شام پر برقرار رہنا مقابلتاً بہت ضروری تھا۔ ان مصالح کو مدنظر رکھ کر معاویہ نے حضرت امیر المومنین کو ایک تحریر روانہ کی، جس کا ماحصل یہ تھا کہ عامۃ المسلمین کی خوں ریزی پریشان کن ہے اور اب قوت آزمائی کا خاتمہ ہونا چاہیے۔ اس لئے

مناسب یہی ہے کہ آپ مجھے اپنی بیعت پر مجبور نہ کریں اور امارتِ شام پر متصرّف رہنے دیں۔

معاویہ ابن ابی سفیان کا یہ خط درحقیقت ان کی شکست کا تحریری اعتراف ہے۔ پُرغرور اور متکبّر انسان فطرتاً دوسرے ذرائع کی طرف جب ہی توجہ کرتا ہے جب اس کے استعمال کردہ ذرائع عاجز اور ناقص ثابت ہوں۔''

صادق صاحب آگے ''حضرت علیؑ کا جواب'' میں تحریر کرتے ہیں:

''جناب امیر المومنین نے اپنے گرامی نامہ میں معاویہ کی پیش کردہ تجاویز کو منظور کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ کا جواب خواہ معیارِ عقل پر کسا جائے اور خواہ محکِ سیاست پر، بہر طور معقول ثابت ہوتا ہے۔ اگر آپ معاویہ کو امارتِ شام پر (ابتدا) متصرف رہنے دے سکتے تو نہ انکار کی صورت پیدا ہوتی اور نہ انکار کے بعد یہ جنگ ہوتی۔ اس جنگ کے بعد معاویہ کی ابتدائی خواہش کو مان لینا (حالانکہ اس جنگ سے پہلے اور جنگ کے بغیر بھی یہ ممکن تھا) اس جنگ کو تحصیلِ حاصل اور عبث ثابت کرتا تھا۔ پھر یہ کہ آج معاویہ کو بلا بیعت حکومتِ شام پر متصرف رہنے دیا جاتا تو کل خالد کے لئے عراق کا صوبہ چھوڑنا پڑتا اور پرسوں زید کے لئے خراسان کا۔ اس طرح مدتِ محدود کے اندر خلافتِ اسلام کا شیرازہ منتشر ہو جاتا۔ موجودہ حکومتوں کا سویرا ہو جائے اگر وہ اپنے ہر باغی گورنر کی خودمختاری تسلیم کر لیں۔''

(''جنگِ صفین'' ۔ محمد صادق حسین ۔ علیگ)

مذکورہ بالا تبصرہ گرانقدر ہے۔ سچ یہی ہے کہ اگر معاویہ کو اسی طرح چھوڑ دینے کی کوئی گنجائش تھی تو اس قدر خوفناک جنگ کے میدان میں قدم رکھا ہی کیوں گیا؟

اگر بغیر بیعت کے معاویہ جنگ کے بعد چھوڑے جا سکتے ہیں تو مسلمانوں کا اس قدر خون بہنے سے پہلے کیوں نہیں چھوڑ دیئے گئے۔ معاویہ تو اپنے سامنے شکست دیکھ کر ''قصاصِ خونِ عثمان'' بھول گئے اور جنگ سے کنارہ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن علی تو علی تھے۔ وہ اپنے اصولوں سے کبھی دست بردار نہیں ہو سکتے تھے۔ معاویہ اگر جنگ سے پہلے غلط تھے، تو جنگ کے بعد اور زیادہ غلط تھے۔ یہ مشورہ تو حضرت علیؑ کو پہلے ہی دیا گیا تھا کہ معاویہ کو نہ چھیڑیں۔ ان کو شام پر قابض رہنے دیں۔ لیکن حضرت علیؑ کا مطمحِ نظر محض حکومت نہیں تھا، بلکہ اسلامی حکومت تھا۔ انھیں اسلامی حکومت میں بگاڑ دی گئی چیزوں کی اصلاح کرنی تھی اور معاویہ جیسا حکمراں انکے نزدیک ایک لمحہ کے لئے بھی اسلامی حکومت کا جز بننے کے لائق نہ تھا۔ میری اس بات کی تصدیق حضرت علیؑ کے اس جواب سے ہوتی ہے جو آپ نے ایک شامی سردار کو اس وقت دیا جب اُس نے آپ کے سامنے آ کر کہا:

> ''ابوالحسن! آپ ایمان میں سابق، ہجرت میں سابق اور اسلامی غزوات میں بھی آپ پیش پیش رہے ہیں۔ اس خونریزی کو روکیے۔ ہم عراق آپ کے لئے چھوڑ دیتے ہیں اور آپ شام کا علاقہ ہمارے لئے چھوڑ دیں۔''
>
> حضرت نے فرمایا:
>
> ''اے شخص! میں نے اس چیز کو اچھی طرح جانچا، پرکھا ہے، میرے لئے جنگ کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔ یا ان چیزوں کا انکار کر دوں جو اللہ نے اپنے پیغمبرؐ پر نازل کی ہیں۔ اللہ اپنے دوستوں سے یہ امر پسند نہیں کرتا کہ زمین میں اس کے احکام کی خلاف ورزی ہو اور وہ چپ سادھے بیٹھے رہیں۔ نہ نیکی کا حکم دیں، اور نہ برائی سے منع کریں۔ اس بنا پر جہنم میں پابجولاں ہونے سے جنگ کی سختیاں مجھے سہل نظر آئیں۔''
>
> (علامہ مفتی جعفر ''سیرتِ امیر المومنین'' بحوالہ اخبار الطوال)

اس شامی اور حضرت علیؑ کے مکالمہ سے خوب اچھی روشنی دونوں کے نقطہ ہائے نظر پر پڑ رہی ہے۔ شامی کی گفتگو سے ظاہر ہے کہ صرف حکومت کا بٹوارہ کر رہا ہے، اور بس وہی اس کے لئے اوّل و آخر ہے۔ جبکہ حضرت علیؑ کی گفتگو سے ظاہر ہو رہا ہے کہ معاویہ سے جنگ نہ کرنا اور اسے آزاد چھوڑ دینا گویا اور احکامِ شریعت سے انکار کر دینے کے مترادف ہے۔ اور قرآن کے خلاف عمل علیؑ کسی قیمت پر گوارہ نہیں کر سکتے۔

عرب کا عام دستور یہی تھا کہ غروبِ آفتاب سے قبل ہی جنگ موقوف ہو جایا کرتی تھی اور زخمیوں کا علاج، مرنے والوں کی تدفین اور پورے دن کی جنگ کا حساب کیا جاتا تھا۔ پورے دن شدید جنگ چلتی رہی، یہاں تک کہ سورج غروب کی منزلوں کی طرف بڑھنے لگا۔ مگر جنگ جاری رہی۔ حضرت علیؑ کی تلوار لہو میں ڈوبی ہوئی اور پورے جسم پر خون تھا۔ دونوں طرف کا بھاری نقصان ہوا مگر شامی لشکر کے قدم اکھڑنے لگے تھے۔ عدی بن حاتم کی گفتگو سے حالات کا اندازہ ہوتا ہے۔ علامہ مفتی جعفر صاحب ''سیرتِ امیر المومنین'' میں رقم فرماتے ہیں:

> ''اس گھمسان کی جنگ میں علم برداروں کے قدم اکھڑ گئے اور صفیں درہم برہم ہو گئیں۔ عدی بن حاتم جب لڑتے ہوئے ان صفوں کے قریب آئے جہاں حضرتؑ کو چھوڑ کر گئے تھے، تو آپ کو وہاں موجود نہ پایا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ آپ اُس سمت ہیں جدھر جنگ ہو رہی ہے۔ عدی وہاں پر آئے۔ حضرت کو دیکھا تو کہا ''یا امیر المومنین آپ زندہ ہیں تو ہر مصیبت آسان ہے۔ میں کُشتوں کے کٹے ہوئے اعضاء کو روندتا ہوا آپ تک پہنچا ہوں۔ آج تو نہ ہمارا کوئی سردار باقی رہا اور نہ ان کا کوئی سردار بچا ہے۔'' (سیرتِ امیر المومنین)

اس گفتگو سے اندازہ ہوتا ہے کہ میدان کی صورت حال کیا تھی۔ عدی بن حاتم کی زبانی ''میں کشتوں کے کٹے ہوئے اعضاء کو روندتا ہوا آپ تک پہنچا ہوں'' یہ

جملہ بتارہاہے کہ میدان میں ہر طرف لاشیں بکھری پڑی تھیں اور اتنا بھی ممکن نہ تھا کہ کوئی آدمی اپنا پاؤں بچا کر نکل سکے، جبکہ دونوں طرف کے بڑے بڑے سردار بھی کام آچکے ہیں۔ حضرت علیؓ معاویہ کے خیمے کی طرف رخ کئے ہوئے تھے اور شامی فوجیں جو اُن کے اور معاویہ کے خیمے کے درمیان حائل تھیں، بے ترتیب ہو کر بکھرتی جارہی تھیں۔ امیر معاویہ نے جو یہ صورتِ حال دیکھی تو وہ اپنے حالات سے قطعی ناامید ہو گئے۔ انھوں نے اپنے پیر گھوڑے کی رکابوں میں رکھ دیے تاکہ میدان سے نکل جائیں۔ بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ انھوں نے روم کا خیال کر رکھا تھا اور اسی لئے پہلے سے تحفہ وتحائف کے ذریعہ بادشاہِ روم سے حالات سازگار کر لئے تھے۔ لیکن جب کچھ لوگوں نے بھاگتی ہوئی فوجوں کو للکارا اور میدان میں کچھ بہتری ہوئی تو انھوں نے فرار کا ارادہ ترک کیا۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ عمرو عاص نے ان کو اس ارادے سے باز رکھا اور اس طرح انھوں نے فرار ہونے کا خیال چھوڑ دیا۔

یہ جنگ کا نواں دن تھا، جو اَب غروبِ آفتاب کے ساتھ ختم ہوا چاہتا تھا، مگر جنگ اپنے شباب پر تھی اور آخرکار آفتاب نے تو اندھیرے کی چادر اوڑھ لی مگر جنگ نے دم نہیں توڑا۔ دونوں طرف سے پوری شدت کے ساتھ حملے ہو رہے تھے۔ یہ صفین کی آخری جنگ تھی اور صفین کی یہ رات ''لیلۃ الہریر'' کے نام سے جانی جاتی ہے۔

اس رات جنگ رک نہ سکی۔ تمام رات جنگ جاری رہی۔ حضرت علیؓ جب کسی کو قتل کرتے تو نعرۂ تکبیر بلند کرتے تھے۔ اس شب آپ کی ۵۲۳ تکبیروں کی آواز شمار کی گئی (روضۃ الصفاء) حضرت علیؓ کی آوازِ تکبیر کے ساتھ عراقی فوج میں ایک اور جوش بھر جاتا اور وہ جان توڑ کر حملہ کرتے۔ ان مسلسل اور شدید حملوں نے لشکرِ شام سے صدائیں بلند کرادیں اور انھیں بن نہ پڑا کہ کس طرح جنگ سے پناہ لیں۔ وہ عراقی لشکر سے یہ کہتے ہوئے سنے جارہے تھے کہ اب جنگ بند کرو اور کئی ہزار کے لشکر میں سے جو عشرِ عشیر بچے ہیں ان پر رحم کرو۔ امیر معاویہ کبھی تو روم کی طرف روانہ ہونے

عظمتِ نہج البلاغہ

سید محمد احمد نقوی شکارپوری، اٹلانٹا، امریکہ

نہج البلاغہ عکس ہے قرآن کی آیات کا
پیغمبرِؐ اسلام سے پائی ہوئی سوغات کا

اِک ذہنِ کامل اِس میں ہے قلبِ منور اِس میں ہے
چشمِ بصیرت کے لئے عرفاں ہے موجودات کا

علم و فراست اور عمل کی وہ مثالیں اِس میں ہیں
جن سے بدل سکتا ہے رُخ بگڑے ہوئے حالات کا

طرزِ حکومت اور شریعت کا نفاذِ باہمی
اک نسخۂ بے مثل ہے اِن بے بہا صفحات کا

ہر خطبہ اور ہر ایک خط اِس مُنفرِد تصنیف کا
نقشِ جلی ہے سربسر مولا علیؑ کی ذات کا

عباس علی نقوی تمھیں حاصل ہو شہرِ علم سے
اِدراک اِس سے بھی سوا پُر نور تصنیفات کا

کا منصوبہ بنا رہے تھے، تو کبھی فتحِ مکہ کے فارمولے پر عمل کرنے کا خیال کرتے کہ جس طرح ان کے باپ ابوسفیان نے سرتن پر قائم رکھنے کیلئے حضرت عباس کا سہارا لے کر آنحضرتؐ سے پناہ مانگی تھی، وہ بھی حضرت ابن عباس کے ذریعہ پناہ مانگیں۔ (روضۃ الصفاء، جلد ۲) مگر حالات میں ذرا بہتری نہیں ہو رہی تھی۔ صبح کا انتظار تھا کہ دن نکلے تو کوئی صورت بھی نکلے۔ صبح ہوئی مگر جنگ اور شدت پکڑ گئی۔ کچھ ہی دیر میں مالک اشتر معاویہ کے خیمے تک پہنچ جاتے تھے، اس خوفناک صورتِ حال نے امیر معاویہ کے پیٹ میں پانی بھر دیا۔ حضرت علیؑ نے اپنے مکتوب نمبر ۱۰ میں اسی صورتِ حال کی طرف اشارہ فرمایا تھا کہ تم زیادہ وزن لدے اونٹ کی طرح بلبلا اٹھو گے۔

''پرچمِ قرآن''

معاویہ نے انتہائی مضطرب ہو کر عمرو عاص سے کہا کہ اب کیا کیا جائے۔ یہ تو کچھ ہی دیر میں جنگ تمام ہوا چاہتی ہے۔ عمرو عاص نے کہا اس وقت کے لئے میں نے ایک ترکیب سوچ رکھی ہے۔ یہ ترکیب علی کے لشکر میں پھوٹ ڈالے گی۔ ابھی ہم ایک مطالبہ علی کے سامنے پیش کریں گے۔ اگر وہ مان لیں گے تو بھی ان کے لشکر میں بغاوت ہوگی، اور اگر مسترد کریں تو بھی ان کا لشکر پھوٹ کا شکار ہو جائے گا اور ہماری جانیں سلامت رہیں گی۔ معاویہ نے کہا بھلا ایسی کیا ترکیب ہو سکتی ہے جو اس وقت اس فاتح لشکر میں پھوٹ ڈال دے؟ عمرو عاص نے کہا ''قرآن''۔ معاویہ نے حیرت سے کہا قرآن کس طرح ان میں پھوٹ ڈالے گا۔ عمرو عاص نے کہا قرآن کو نیزوں پر بلند کرا دو اور ہر طرف سے آواز اٹھے کہ کتاب خدا کی طرف آؤ، یہ ہمارا فیصلہ کر دے گی۔ (روضۃ الصفاء، جلد ۲)

چنانچہ تھوڑی ہی دیر میں قرآن نیزوں پر بلند نظر آنے لگے۔ اس زمانے میں قرآن ہاتھوں سے لکھا جاتا تھا۔ تعداد اتنی کثیر نہیں ہوتی تھی، اس لئے بعض مؤرخین

کا بیان ہے کہ عمرو عاص کے کہنے پر قرآن کے ساتھ ساتھ جزدانوں میں قرآن کے سائز کے پتھر بھی بھر کر بلند کئے گئے۔ یہ جمعہ کا دن تھا، دوپہر کا وقت تھا، ۱۰ ربیع الثانی تھی اور ۳۹ھ۔

چنانچہ شام کے باقی ماندہ سپاہیوں نے اچانک پانچ سو نیزوں پر قرآن بلند کر کے "پرچمِ قرآن" بلند کر دیا اور ہر طرف سے شور بلند ہوا کہ "ہمارا تمھارا فیصلہ قرآن کرے گا۔" (ابن خلدون، جلد ۲)

یہ ترکیب بہت ہی ٹھکانے پر بیٹھی۔ فوراً ہی حضرت علیؓ کا لشکر دو گروپوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک گروپ یہ سب دیکھ کر بھی برسرِ پیکار رہا، کیونکہ خود حضرت علیؓ نے ہاتھ نہیں روکا تھا۔ جب کہ دوسرا گروپ فوراً ہی ہاتھ روک کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے حضرت علیؓ سے اس معاملہ پر گفتگو کرنے کے بعد فیصلہ کرنا بھی مناسب نہ سمجھا، بلکہ فوراً ہی حضرت علیؓ کو بھی روکنے کے درپے ہو گیا۔ اکثریت اسی گروپ کی تھی۔ حضرت علیؓ کے لئے یہ صورت حال بڑی ہی دردناک تھی۔ فتح گھر کے دروازے پر کھڑی دستک دے رہی تھی۔ جنگ کو روک دینا ان شہیدوں کے خون کو ضائع کر دینا تھا جو تین مہینہ سے لگاتار اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر رہے تھے، اور صورتِ حال کو وہیں پہنچا دینا تھا جہاں جنگ سے پہلے کھڑے تھے۔ آپ نے اپنی انتہائی جستجو کرتے ہوئے فرمایا:

> "میں ان لوگوں کو خوب پہچانتا ہوں۔ قرآن اور حکم قرآن سے ان کا کوئی واسطہ نہیں۔ معاویہ اور حبیب ابن مسلمہ اور ابن ابی سرح نہ تو دین سے کوئی تعلق رکھتے ہیں اور نہ قرآن سے۔ میں ان کو بچپن سے لے کر اس وقت تک پہچانتا رہا ہوں بچپنا ان کا بدترین بچپنا تھا اور اب بڑے ہو گئے تو بدترین انسان ہیں۔ اب کیونکہ ان کی شکست اور تمھاری فتح یقینی ہو گئی ہے، اس لئے وہ اس حیلے سے اپنی جانوں کو بچانا چاہتے ہیں۔ تم ان کی باتوں میں نہ آؤ اور نہ ان کے مکر کے جال میں پھنسو۔ یہ تم

کو کھلا ہوا دھوکہ دے رہے ہیں۔''

انتہائی حلم کے ساتھ آپ نے اپنے متعلق بھی یہ الفاظ ادا کئے:

''عالمِ اسلام میں یقیناً اپنی خصوصیات کی بناء پر میں سب سے پہلا آدمی ہوں جو کتابِ خدا کی دعوت پر لبیک کہے۔ لیکن مجھے معلوم ہے یہ دعوت سچائی کے ساتھ نہیں ہے، اس لئے میں اس سے دھوکہ نہیں کھا سکتا اور میں ان سے جنگ کروں گا یہاں تک کہ آخری فیصلہ ہو جائے۔''

(روضۃ الصفاء، جلد ۲)

فوج کا سردار جنگ روکنے کے حق میں نہیں ہے۔ وہ اپنی پوری طاقت سے یہ باور کرانے کی کوشش کر رہا ہے کہ دھوکہ دیا جا رہا ہے۔ وہ فریق مخالف کے بچپنے سے لے کر اب تک کے کردار کا حوالہ بھی دے رہا ہے۔ فوج کا کام اپنے سردار کے حکم پر عمل کرنا ہوتا ہے۔ حکمت عملی اور پالیسی حکمراں کا حق ہوتا ہے۔ وہ جب جنگ ضروری سمجھے تو فوج کا کام اس کے حکم پر لڑنا ہوتا ہے اور وہ جب جنگ روکنا چاہے تو فوج کا کام اس کے حکم پر عمل کرتے ہوئے جنگ روکنا ہوتا ہے۔ مگر حضرت علیؑ کے لشکر کا حال ہی دوسرا نظر آیا۔ وہ اپنے حکمراں سے زیادہ معاویہ کے مفادات کا تحفظ کرتے ہوئے نظر آئے۔ حالانکہ فریق مخالف کے قرآن کے ساتھ خلوص کو سمجھنے لئے اتنا بھی کافی تھا کہ جو لوگ نیزوں میں قرآن کو پیوست کئے ہوئے ہوں، وہ کتنا قرآن کا احترام کر رہے ہوں گے۔ جن لوگوں کی تلواروں نے سیکڑوں کی تعداد میں اسی صفین میں حافظان قرآن کو قتل کر ڈالا ہو، وہ کتنا قرآن کا پاس کرتے ہوں گے۔ کیا حضرت علیؑ نے ان لوگوں کو اسی طرح قرآن کی طرف آنے کی دعوت نہیں دی تھی؟ کیا اسی صفین کے میدان میں انھیں لوگوں نے حضرت علیؑ کے نوجوان قاصد کے دونوں ہاتھ قلم نہیں کئے تھے جن میں وہ قرآن لے کر یہ کہتے ہوئے ان کی طرف گئے تھے کہ ''لوگو! علیؑ تمہیں قرآن کی طرف بلاتے ہیں۔''

پھر اب قرآن کی کون سی تکریم کا احساس اچانک جاگ گیا تھا؟ کیا یہ صرف تلوار کی مار سے بچنے کے لئے قرآن کو ڈھال نہیں بنالیا گیا تھا؟ مگر حضرت علیؓ کے لشکر کا عجب حال تھا۔ وہ سردار کے پیچھے نہیں، سردار کے آگے چلنا چاہتے تھے۔ حضرت علیؓ کی اس انتہائی مخلصانہ گفتگو کے جواب میں اس باغی گروہ نے جواب دیا:

> ''اگر آپ نے کتاب خدا کے فیصلہ کو منظور نہ کیا تو ہم آپ کو ابھی دشمن کے حوالے کر دیں گے، یا وہ سلوک کریں گے جو اس کے قبل عثمان کے ساتھ ہو چکا ہے۔'' (ابن خلدون، جلد ۲)

ذرا غور کریں، کیا یہ وہی لشکر ہے جو ابھی ''لیلۃ الہریر'' میں جان توڑ کر لڑا ہے۔ کیا ایک فوج کا، سردارِ لشکر سے گفتگو کا یہی طریقہ ہے؟ کیا اس گفتگو میں معاویہ کے مفادات کا تحفظ نہیں ہے؟ اس حد تک تحفظ کہ حضرت علیؓ کو یرغمال بنالیا گیا ہے اور آپ کو معاویہ کے حوالے یا قتل کر دینے کی دھمکیاں دی جارہی ہیں؟

مؤرخ ڈاکٹر احسان اللہ عباسی نے اپنی ''تاریخ اسلام'' میں ایک جگہ تحریر کیا ہے کہ ''لوگ حضرت حُسین کو زیادہ مظلوم سمجھتے ہیں، میرے نزدیک حضرت علیؓ کے مصائب حضرت حسین سے زیادہ ہیں۔'' کم از کم کربلا کے اصحاب اور حضرت علیؓ کے صفین کے اصحاب کی اس گفتگو میں تو حضرت علیؓ حضرت حسینؓ سے زیادہ مظلوم نظر آتے ہیں۔ کربلا کے اصحاب اپنے سردار کے ساتھ لوہے کی دیوار بنے کھڑے تھے اور صفین کے اصحاب لوہے کی دیوار کو گرا دینے کے درپے تھے۔

حضرت علیؓ نے دل برداشتہ ہو کر فرمایا: ''اگر تمھیں میری اطاعت کرنا ہے تو جنگ کرو اور اگر میری نافرمانی کرنا ہے تو جو چاہے کرو'' ان لوگوں نے کہا ''تو پھر آدمی بھیجئے مالک اشتر کے پاس اور انھیں جنگ سے منع کیجئے۔'' (روضۃ الصفاء، جلد ۲، ابوالفداء، جلد ۱)

انگریز مورخ واشنگٹن ارونگ کا یہ بیان سنیئے:

> ''مالک اشتر شامیوں کو دباتے ہوئے خیموں کے قریب لئے جارہے

تھے کہ قرآن اور نیزے کے اتصال کو دیکھ کر علی کے سپاہیوں نے تلواریں
پھینک دیں، علی نے پکار کر کہا کہ یہ فریب ہے اور ان کو لڑائی پر آمادہ کیا،
لیکن انھوں نے انکار کیا۔ اشتر بلائے گئے، جس وقت کہ ان کی تلوار سے
خون ٹپک رہا تھا اور وہ کہتے جا رہے تھے کہ مجھے شاندار فتح سے روکا گیا۔''

مالک اشتر کے لئے یہ ایک یقینا بڑا صدمہ تھا۔ وہ کچھ ہی دیر میں معاویہ کے خیمے تک پہنچنے والے تھے۔ پہلی مرتبہ میں تو انھوں نے قاصد کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ بس اب کچھ دیر کی بات ہے، فتح کر کے لوٹتا ہوں۔ دراصل ایک طرف تو وہ تازہ ترین صورت حال کی سنگینی سے ناواقف تھے، اور دوسری طرف فتح بالکل قریب کھڑی تھی۔ قاصد جب یہ پیغام لے کر پلٹا تو بلوائیوں نے شور و غوغا بلند کیا۔ حضرت علیؑ نے کہا کیا میں نے تمھارے سامنے قاصد نہیں بھیجا؟ کیا میں نے الگ سے قاصد سے کچھ کہا ہے؟ آخر کار حضرت علیؑ نے دوبارہ قاصد کو اپنا عمامہ دے کر بھیجا کہ اگر علی کو خیریت سے دیکھنا چاہتے ہو تو واپس آؤ۔۔۔۔۔۔۔ اس صورت حال سے مالک اشتر حیران رہ گئے۔ وہ فوراً واپس ہوئے اور قریب تھا کہ بلوائیوں سے الجھ جاتے مگر حضرت علیؑ نے صبر کی تلقین کی۔

غرض دیکھتے ہی دیکھتے قرآن کی ڈھال نے معاویہ کی یقینی شکست کو ملتوی کر دیا۔ اس سے غالب مغلوب ہو گیا اور جو پردۂ شب میں فرار کی تیاری اور جنگ کے التوا کی درخواستیں کر رہا تھا، اسے انتہائی راحت اور فراغت نصیب ہو گئی۔

حضرت علی کے دل پر اپنے لشکر کی اس بے اعتنائی سے کیا عالم ہوا ہو گا، اس کا اندزہ کیا ہی جا سکتا ہے۔ معاویہ کے سپرد کر دینے کی دھمکی اور عثمان کے سے حال کو پہنچانے کی دھمکی، رونگٹے کھڑے کر دینے والی ہے۔ شاید دنیا کا پہلا لشکر ہے جو اپنے امیر سے اس انداز میں گفتگو کر رہا ہو۔ مالک اشتر کو اور باقی حضرت علیؑ کے مخلص ساتھیوں کو زندگی بھر اس حادثہ کا قلق رہا۔

جنگ تو ملتوی ہوگئی۔ اب اشعث ابن قیس جو کہ باغی گروہ کا سردار تھا، اس نے حضرت علیؑ سے کہا "آپ کہیں تو میں معاویہ کے پاس جاؤں اور اس سے اس کا منشاء معلوم کروں" آپ نے (بے رغبتی سے) کہا جو چاہے کرو۔ اشعث نے جا کر دریافت کیا کہ کس لئے تم نے قرآن بلند کرائے ہیں؟ معاویہ نے کہا اس لئے کہ ہم اور تم دونوں فریق قرآن کے فیصلے پر متفق ہو جائیں۔ تم اپنی طرف سے ایک نمائندہ کو منتخب کرو، اور ہم اپنی طرف سے ایک نمائندہ کو جس پر ہم کو اعتبار ہو۔ دونوں طرف سے یہ عہد لیا جائے کہ وہ کتاب خدا پر عمل کریں اور اس کے خلاف فیصلہ نہ کریں۔ پھر جس بات پر وہ دونوں متفق ہوں اس پر ہم دونوں فریق کاربند ہوں۔ اشعث بن قیس نے کہا کہ بہت اچھا ہے اور حامی بھر کر لشکر امیر المومنین میں لوٹ آیا۔" (ابن خلدون، جلد ۲)

اس طرح اشعث پہلے جنگ رکوا کر، پھر تحکیم کے زہریلے بیج بو کر واپس آ گیا۔ یہ ہے جنگ صفین کی وہ مختصر روداد جس نے تاریخ اسلام کو کاری ضربیں لگائیں۔

یہ بھی اپنے آپ میں ایک انتہائی حیرت میں ڈالنے والا عنوان ہے کہ آخر حضرت علیؑ کے لشکر میں اچانک ایک دم اور اس قدر بدلاؤ کیسے آ گیا؟ ایسے جیسے کسی نے اچانک مغرب کی طرف سے مشرق کی طرف رخ کر لیا ہو.........یہ تحقیق کا موضوع ہے۔ بعض مورخین کی تحقیق ہے اور بالکل صحیح تحقیق ہے کہ اس بدلاؤ کے لئے حضرت علیؑ کے لشکر والوں کو بھاری رشوتیں دی گئی تھیں۔ وہ حضرت علیؑ کے ساتھ کھڑے ہو کر معاویہ کے لئے جنگ لڑ رہے تھے۔ چنانچہ صاحبِ روضۃ الصفاء تحریر کرتے ہیں کہ:

"بعض مورخین کا خیال ہے کہ اشعث ابن قیس کو امیر شام کی طرف سے مال کثیر بطور رشوت نذر کیا گیا تھا۔" (روضۃ الصفاء، جلد ۲)

عالی جناب صادق حسین صاحب رشوت کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ:

"اُس نے امیر المومنین کے مقصد کی پامالی میں بہت زیادہ حصہ لیا۔ بعد

کے واقعات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہر موقع پر امیر المومنینؑ کے مقاد کی کامیابی میں یہی شخص سدِ راہ ثابت ہوا ہے۔" (جنگ صفین۔ صفحہ ۵۲)

اب اس جنگ صفین کی روداد کو پڑھ کر آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ دوبارہ پھر سے خطبہ نمبر ۳۴ کا وہ اقتباس پڑھیں جو میں نے اوپر رقم کیا، اور جس کے ذیل میں یہ گفتگو کی ہے۔ خطبہ کے الفاظ کو پڑھیے۔۔۔۔ کیا اس میں حضرت علی نے لفظ لفظ ان حالات کی پیشین گوئی نہیں فرمادی ہے جو جنگ صفین میں پیش آنے والے ہیں۔

جنگ صفین کے بعد تحکیم کی دردناک روداد بھی ہے، جسے عموماً جنگ صفین کے ساتھ ہی بیان کیا جاتا ہے، کیونکہ یہ جنگ صفین کا ہی ایک جز ہے۔ لیکن کیونکہ ہمارا مقصد فقط پیشین گوئیوں پر گفتگو ہے، اس لئے صرف جنگ صفین کے میدان تک، اس سے متعلق پیشین گوئی کے ذیل میں بیان کیا۔ تحکیم کی گفتگو انشاء اللہ اس سے متعلق جگہ پر ہوگی۔

اب میں گفتگو کو اپنی اس تحریر پر ختم کرتا ہوں کہ صفین کا معاملہ بگاڑنے میں حضرت علی کے لشکر کا زبردست ہاتھ رہا۔ جو لوگ صفین کے بگڑے ہوئے معاملات کو حضرت علی کی سیاسی سوجھ بوجھ کی کمی پر محمول کرتے ہیں، ان کو آنکھیں کھول کر حالات کا جائزہ لینا اور حضرت علی کے اور معاویہ کے کرداروں کو سمجھ کو زبان کھولنی چاہیے۔ اگر حضرت علیؑ کو معاویہ جیسا لشکر اور اس کے جیسے ساتھی ملتے تو نتائج پہلے ہی دن الٹ گئے ہوتے۔ مگر حضرت علیؑ کو معاویہ جیسے ساتھی پانے کے لئے معاویہ جیسا بننا پڑتا جو رسولؐ کے پروردہ کے لئے ممکن نہ تھا۔ ایسے خیال کے لوگوں کے لئے خود معاویہ کا یہ قول نقل کردینا کافی ہے جو کہ وہ اپنی کامیابی اور حضرت علیؑ کی ناکامی کا تجزیہ بیان کرتے ہوئے اکثر کہا کرتے تھے:

"میں اپنی راز کی باتوں کو اکثر مخفی رکھتا تھا، علی مخفی نہیں رکھتے تھے، میرے سپاہی میرے مطیع تھے اور علی کے سپاہی انتہائی خراب اور بہت ہی مخالفت کرنے والے تھے۔"

مشہور مورّخ استاد عباس محمود العقاد اس معاملے میں یوں رقم کرتے ہیں:

''کامیابی وناکامی کے ان اسباب کے ساتھ ایک حقیقت اور شامل کر لینا ضروری ہے اور وہ یہ کہ اگر معاویہ علی کی جگہ ہوتے اور ان کو بھی انھیں حالات کا سامنا کرنا ہوتا، جن حالات سے امیر المومنین کو گزرنا پڑا تو ان کی پسپائی وہزیمت لازمی ویقینی تھی۔ حضرت علیؑ کی اصل مصیبت لشکر والوں کی خیانت اور مخالفت کرنے کی بدترین عادت تھی۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت علیؑ کا راز طشت از بام ہو جاتا تھا اور معاویہ کا راز مخفی رہتا تھا کیونکہ شام والے معاویہ کی آنکھیں بند کر کے اطاعت کرتے، معاویہ کے جو منصوبے ہوتے وہ ان کے دل میں مخفی ہوتے۔ نہ کوئی ان سے پوچھتا، نہ انھیں کسی کو بتانے کی ضرورت ہوتی۔ اور علی کی بات اس وقت تک مانی ہی نہ جاتی، جب تک لشکر والے آپ کے دلی منصوبے نہ پوچھ لیتے اور اپنے اجتہاد سے کام لے کر حرام وحلال کا فیصلہ نہ کر لیتے۔ اگر کہیں ایسا ہوتا کہ معاویہ کے لشکر والے اہل عراق کی طرح نافرمان ہوتے اور انھیں ایسے لشکر سے مقابلہ کرنا پڑتا جو اپنے سردار کا فرمانبردار ہوتا تو وہ اُتنی کامیابی کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے تھے، جتنا علی کو نصیب ہوئی، چاہے وہ ہزار چالاکیاں کرتے، دوستوں کو کتنی ہی رشوتیں دیتے اور مخالفین کے ساتھ کتنے ہی مکروفریب کرتے۔''

(عبقریۃ الامام۔ عباس محمود العقاد)

شاہد زعیم فاطمی لکھتے ہیں:

''امیر معاویہ نے اقتدار پر قبضہ جمانے کے لئے ان تمام قیود کو توڑا جو اُن پر مذہب کی طرف سے عائد ہوتی تھیں اور ان حدود سے ہمیشہ تجاوز کیا جو اسلام نے معیّن کی تھیں۔'' (سیدنا حضرت علیؑ کے سیاسی حریف، صفحہ ۷۴)

کچھ اور آگے چل کر لکھتے ہیں:

''تمام کتب تاریخ وسیر اس پر متفق ہیں امیر معاویہ نے حضرت علیؑ ابن ابی طالب کے مقابلہ میں ہر وہ حربہ استعمال کیا جو شرافت و اخلاق کی رُو سے قطعاً ناروا تھا اور جس کی توقع ایک مسلمان اور صحابیٔ رسول تو کجا، ایک شریف آدمی سے بھی ہرگز نہیں ہو سکتی۔''

پھر لکھتے ہیں:

''امیر معاویہ نے زمامِ حکومت پر قبضہ کرنے کے لئے ہر وہ حربہ استعمال کیا جو اسلامی ضابطۂ اخلاق کی رُو سے قطعاً ناروا اور نامناسب تھا اور ان کے مقابلے میں حضرت علیؑ کی ناکامی کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ کہیں کسی موقع پر بھی حدود اللہ سے تجاوز نہیں ہوتے تھے۔ اور انھوں نے ضابطۂ اخلاق و آداب کو کسی مرحلہ پر بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا، جیسا کہ ایک موقع پر انھوں نے خود فرمایا ''اگر مجھے دین کا پاس نہ ہوتا تو میں عرب کا سب سے بڑا سیاست داں ہوتا۔'' (صفحہ ۷۵)

ایک اور جگہ اس طرح نتیجہ اخذ کرتے ہیں:

''معاویہ کامیاب رہا اور حضرت علیؑ بظاہر ناکام ہو گئے۔ معاویہ کے مقابلے میں علیؑ ابن ابی طالب کی شکست ہی علی کی عظمت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔'' (صفحہ ۷۴)

شیعہ محقق علامہ علی حیدر صاحب قبلہ کی یہ تحریر صاف آئینہ ہے:

''رہ گئی یہ بات کہ علیؑ ناکام کیوں رہے؟ تو اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ علی میں تدبّر کی کمی تھی، یا سیاست سے ناواقف تھے اور طریقۂ جہانبانی سے نابلد تھے، بلکہ اس کے حقیقی اسباب وہ حالات تھے جو ان کے پیش رَو اپنے

اپنے دورِ حکومت میں پیدا کر گئے تھے، وہ پالیسی تھی جس نے رفتہ رفتہ مسلمانوں کی فطرتیں مسخ کر کے رکھ دیں، وہ بتایا ہوا پروگرام تھا جس نے اللہ کی عبادت کرنے والے مسلمانوں کو سیم و زر کی پرستش کا خوگر بنا دیا تھا۔'' (''حضرت امیر المومنین'' حصۂ رابعہ، ص ۴۵۴)

''غور کرلیں کہ وہ کیسا زمانہ ہوگا کہ جب علی و معاویہ کا مقابلہ ہونے لگا، اور ایسے بہت سے لوگ تھے جو اپنے مقاصد کے حصول کے لئے معاویہ کو علی پر ترجیح دینے لگے تھے۔ علی کے لئے یہ بہت بڑا کام تھا کہ ان ظاہری مسلمانوں کو ازسرِ نو مسلمان بنائیں۔ اس ایک امر میں جناب رسول خدا کو کتنی مشکلات پیش آئیں اور پھر بھی سب صحیح مسلمان نہ بن سکے، منافقوں کی موجودگی اس پر دلالت کر رہی ہے۔ حضرت علیؑ کے لئے یہی ایک مشکل بہت بڑی ہوگئی۔ آپ نے بہت لیکچر دیئے، بہت تقاریر کیں، بہت خطبے بیان فرمائے۔ کسی نے سنا اور بہتوں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ آخر وہ لوگ بھی تو مسلمان ہی تھے جنھوں نے خود وجاہت دنیوی اور حصول حکومت کے لئے کوشش کی، اور ان میں سے کسی بات کا خیال نہ کیا۔ حضرت علیؑ ہیں کہ خوفِ خدا اور خیالِ موت ہی سے ڈرے جاتے ہیں، اس ڈر ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ معاویہ شام پر قابض ہوگیا اب ان کو ستائے جا رہا ہے۔ (لوگ یہ کہتے تھے کہ) ہم تو معاویہ کی طرف جاتے ہیں۔ حضرت عمر کہہ بھی گئے تھے کہ معاویہ میرے دل کے مطابق ہے۔ جب کبھی مسلمانوں میں لڑائی ہو تو تم معاویہ کی طرف چلے جانا۔ حضرت عمر ایسا بندوبست کر ہی گئے تھے کہ معاویہ آخر کار خلافت پر قابض ہو جائے، تو ہم ادھر ہی جاتے ہیں۔'' (ایضاً، صفحہ ۴۵۶)

اور تحریر کے آخر میں سُنّی مصنف پیام شاہجہاں پوری کی اس گرانقدر تحریر

قطعات

نتیجۂ فکر: احسنؔ شکارپوری

ظلمِ داعش ہو کہ ایجادات ہوں سائنس کی
ایٹمی ہتھیار ہوں یا قتل و غارت بے حساب
خبریں اِن سب کی ہمیں نہج البلاغہ میں ملیں
اِن سے ہی عباسؔ نقوی نے مرتّب کی کتاب

مولائے کائنات کئی صدیوں پیشتر
دورِ رواں کی کرچکے پیشین گوئیاں
نہج البلاغہ پڑھ لے یقیں جس کو بھی نہیں
علمِ علیؑ میں تھیں یہ بلندی یہ پستیاں

پر ایک نظر ضروری ہے:

''اس میں شک نہیں کہ حضرت علی معاویہ کے مقابلے میں اس اعتبار سے ضرور ناکام رہے کہ وہ شام و مصر ان سے واپس نہ لے سکے (ان دو صوبوں کے علاوہ سارا عالمِ اسلام حضرت علیؑ کے زیرِ نگیں تھا) لیکن ان کی کامیابی میں اس اعتبار سے کوئی شک نہیں کہ انھوں نے اپنے عمل سے ایک مثالی اور صحیح اسلامی حکومت کا نمونہ پیش کر دیا۔ ظاہر بات ہے کہ اگر حضرت علیؑ بھی حضرت معاویہ کی طرح روپیہ پانی کی طرح بہاتے، امراء اور سردارانِ قبائل کو رشوتیں دیتے، لوگوں سے باز پرس نہ کرتے، ہر معاملے میں نرمی اور چشم پوشی سے کام لیتے، بالفاظ دیگر، زمانے کے ساتھ چلتے، تو وہ حضرت معاویہ پر غالب تو ضرور آ جاتے، لیکن پھر تاریخ لکھنے والا انھیں حضرت معاویہ ہی کی صف میں کھڑا کر دیتا۔''

(''علی اور ان کی خلافت''۔ پیام شاہجہانپوری، ص ۳۹۱)

یقین کرتا ہوں کہ صفین کی جنگ میں پیش آنے والے حالات کی پیشین گوئی اور مکتوب نمبر ۱۰ میں قرآن کی طرف بلانے کی پیشین گوئی کو پڑھنے والا حضرت علیؑ کی ان تمام مجبوریوں کو پیشِ نظر رکھے گا۔

حضرت امیرؑ نے جنگ کے آغاز سے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ جنگ میں میرے لوگ میرا ساتھ اس وقت چھوڑ دیں گے کہ جب جنگ شباب پر ہوگی۔ وہی ہوا۔ جب جنگ نہ صرف یہ کہ اپنے آخری مرحلے، بلکہ حضرت امیرؑ کی فیصلہ کن فتح کے دور میں داخل ہو چکی تھی، حضرتؑ کے لشکر کے سردار حضرت علیؑ سے اسی طرح کٹے جیسے تن سے سر۔ یعنی پھر وہ کبھی حضرت علیؑ کے ساتھ نہیں آئے اور مخالف کیمپ کی زینت بنے رہے۔ مطلب یہ کہ اگر حضرت علیؑ کے ساتھ بھی تحکیم وغیرہ میں نظر آئے تب بھی معاویہ کے مفادات کے نگہبان بنے رہے اور حضرت علیؑ سے ان کا کوئی تعلق نہ رہا۔

مروان بن حکم کی بادشاہت کی پیشین گوئی

مروان بن حکم سخت فتنہ پرور وفسادی طبیعت کا اموی تھا۔ پیغمبرِ اسلامؐ نے اس کو اور اس کے باپ حکم کو ان کی شریر طبیعت اور نازیبا حرکات کی بناء پر مسلمانوں کو ان کے شر سے محفوظ رکھنے کیلئے مدینے سے دو فرسخ باہر نکلوا دیا تھا۔ اور مسلمانوں کو یہ حکم عام تھا کہ وہ جیسے ہی ان دونوں، یا دونوں میں سے کسی ایک کو حدودِ مدینہ میں پائیں تو بغیر تکلف قتل کر ڈالیں۔ رحمۃ للعلمین جیسی مہربان شخصیت کے اس قدر سخت موقف کے پیچھے بہت ساری حکمتیں پوشیدہ تھیں۔ خلیفہء اوّل اور خلیفہء دوم نے اپنے اپنے دورِ خلافت میں ان دونوں کو دو دو فرسخ اور زیادہ مدینے سے دور کر دیا تھا۔ اس طرح دوسری خلافت تک مدینے میں داخلہ ان دونوں کے لئے ممنوع تھا۔ پہلی اور دوسری خلافت کے ادوار میں حضرت عثمان نے اپنی قرابت داری کے پیشِ نظر، اپنے اثر کے بوطے پر انکی جلا وطنی کو ختم کرانا چاہا، مگر انھیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ لیکن جب ۲۳ ہجری میں خلافت ان کے گھر کی ہوگئی تو انھوں نے نہ صرف یہ کہ ان دونوں کو واپس بلوالیا، بلکہ مروان کو، جو کہ آپ کا بھتیجا بھی ہوتا تھا، اپنا داماد بنا کر حکومتِ اسلامی کا چیف سیکریٹری بھی مقرر کر دیا، اور اسے فدک کی جاگیر اور افریقہ کا خمس بھی بخش دیا۔

بعد میں یہی مروان اپنی فتنہ پرور طبیعت کے سبب حضرت عثمان کے قتل کا سبب بنا۔ خانوادۂ پیغمبرؐ سے اسے کمال درجہ کا بغض و حسد تھا۔فتاویٰ شاہ عبدالعزیز دہلوی جلد اوّل، صفحہ ۱۸۴ پر ہے:

''مروان علیہ لعنت' کہنا اور اس سے دل سے بیزار ہونا، خصوصاً اس کے اس سلوک کے صلہ میں جو اس نے امام حسینؑ اور ان کے اہلبیتؑ سے کیا اور اس مستمرہ عداوت کی وجہ سے جو اس کے دل میں ان بزرگواروں سے تھی، سنّت و محبتِ اہل بیت کے لوازمات میں سے ہے۔''

جنگ جمل میں وہ حضرت عائشہ کا پُر جوش حامی تھا اور حضرت امیرؑ کے خلاف صف آرا، تھا۔ فتح جمل کے بعد جب اسے گرفتار کر کے لایا گیا تو اس نے امام حسنؑ اور امام حسینؑ سے اپنی سفارش حضرت امیرؑ سے کرنے کیلئے کہا۔ شہزادوں کی سفارش پر حضرت امیرؑ نے اس کو رہا کر دیا۔ رہائی ملنے کے بعد دونوں شہزادوں کے توسط سے اس نے پھر یہ درخواست حضرتؑ تک پہنچائی کہ وہ حضرتؑ کی بیعت کرنے کا خواہاں ہے۔ جب حسینؑ نے حضرتؑ تک یہ بات پہنچائی تو آپ نے فرمایا:

''کیا اس نے عثمان کے قتل ہونے کے بعد میری بیعت نہیں کی تھی؟ اب مجھے اس کی بیعت درکار نہیں۔ یہ یہودی قسم کا ہاتھ ہے، اگر ہاتھ سے بیعت کرے گا تو ذلیل طریقے سے اسے توڑ بھی دے گا۔ تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ بھی بس اتنی دیر کہ کتّا اپنی ناک چاٹنے سے فارغ ہو۔ یہ (مروان) حکومت کرے گا اور اس کے چار بیٹے بھی حکمراں ہوں گے اور امت اس کے اور اس کے بیٹوں کے ہاتھوں سے سختیوں کے دن دیکھے گی۔''
(نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۷۱)

حضرتؑ نے ۳۶ ہجری میں مروان کے تعلق سے جو کچھ کہا تھا، آج وہ اسلامی تاریخ کا ایک ریکارڈ بن کر مؤرخین کی کتابوں میں ڈاکومنٹ کی حیثیت سے

محفوظ ہے۔ ایک ایسا شخص جو حضرت علی کے سامنے گرفتار کھڑا تھا اور اس کی زندگی حضرتؓ پاک کے چشم و ابرو کے ایک اشارے پر منحصر تھی اور جسے علیؓ کے بیٹوں کی سفارش کی بدولت رہائی کی بھیک ملی تھی، کون اس کے مستقبل میں جھانک کر کہہ سکتا تھا کہ آنے والے وقت میں وہ خود اکیلا ہی نہیں، بلکہ اس کی نسل میں چار اولادیں تختِ حکومت پر بیٹھیں گی۔ جس وقت حضرتؓ نے یہ پیشین گوئی فرمائی تھی، اس وقت تک تو اسلام میں نسل در نسل حکومت کی بدعت نہ تو رائج تھی اور نہ کوئی اس کا تصور کر سکتا تھا۔ ابھی تو شورائی نظام ہی رائج تھا۔ یہ تو ۵۶ھ میں معاویہ نے یزید کی بیعت لے کر اسلامی حکومت میں نسل در نسل حکومت کا دروازہ کھولا اور شورائی نظام کا گلا گھونٹ کر شہنشاہیت کا فلک بوس دستور بنایا۔ یہ تمام واقعات حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد ہوئے۔ اب اس پس منظر میں حضرتؓ پاک کی اس پیشین گوئی کو ملاحظہ فرمائیں۔ یقیناً ایک ایسا شخص جو گفتگو کرنے کی تاریخ میں قیدی ہے، اس کے حکمراں بننے اور اس کی وہ اولادیں جو ابھی عالمِ وجود میں بھی نہ ہوں، ان کے متعلق حکمرانی کی خبر دینا کسی معمولی شخص کی قوت سے باہر کی بات ہے۔ اب آپ حضرتؓ کی اس پیش گوئی کی تصدیق تاریخ کے آئینے میں دیکھیے۔

نامور مؤرخ مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی ''تاریخِ اسلام'' کی دوسری جلد میں تحریر کرتے ہیں:

> ''جس زمانے میں معاویہ بن یزید کی وفات کے بعد دمشق میں انتخابِ خلیفہ کے متعلق اختلافاتِ آراء اور بنوکلب و بنوقیس کے درمیان رقابتیں آشکار ہونے لگی تھیں تو مروان بن حکم نے یہ دیکھ کر کہ عراق، مصر اور شام کا بھی بڑا حصہ عبداللہ ابن زبیر کی خلافت کو تسلیم کر چکا ہے، ارادہ کیا تھا کہ دمشق سے روانہ ہو کر مکہ میں ابن زبیر کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کر لے اور خلافت تسلیم کرنے میں زیادہ دیر نہ لگائے۔ چنانچہ جامع دمشق میں جب لوگوں کے اندر فساد برپا ہوا تو مروان بن حکم بنی

امیہ کی حکومت سے قطعاً مایوس ہو کر مکہ کا سامانِ سفر درست کر چکا تھا کہ اتنے میں عبیداللہ ابن زیاد دمشق میں وارد ہوا اور مروان بن حکم کے ارادے سے واقف ہو کر اُس نے بہ اصرار مروان کو روانگی سے باز رکھا اور اسی کی کوشش کا نتیجہ تھا کہ مروان بن حکم کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت ہوگئی۔" (تاریخ اسلام۔ اکبر شاہ نجیب آبادی)

آپ نے تاریخ کا یہ بیان ملاحظہ فرمایا۔ کسی اور کو تو مروان کی بادشاہت کا یقین کیا ہوتا، خود مروان بنی امیہ کے سلسلۂ حکومت ہی سے مایوس ہو گیا تھا اور ابن زبیر کی بیعت کرنے مکہ پہنچنے کا ارادہ کر چکا تھا۔ مگر حضرت علیؑ کی پیشین گوئی ۶۴ ہجری میں اس طرح پوری ہوئی کہ ابن زیاد نے اپنی عیاری اور اس دولت کے بوطے پر جسے وہ لوٹ کر کوفہ سے ساتھ لایا تھا، مروان کی بیعت کرادی اور وہ خلیفہ بن بیٹھا اور اموی حکومت کی گرتی ہوئی دیوار کچھ اور وقت کے لئے سنبھل گئی۔

مروان کو حکومت حاصل ہوگئی تو اس کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ میرے بعد کہیں یہ خلافت خالد بن یزید کو نہ پہنچ جائے، کیونکہ فطری طور پر بنی امیہ کی دلچسپی اس میں تھی۔ یزید کی بیوہ سے عبیداللہ ابن زیاد کے مشورہ پر مروان نے نکاح کر لیا تھا۔ اس بڑھاپے کی شادی میں مصلحت صرف یہ تھی کہ بنوکلب کی حمایت حاصل ہو جائے۔ سیاسی نقطۂ نظر سے یہ ایک صحیح فیصلہ تھا اور اس قدم سے بنوکلب کی مخالفت کا رخ مروان کی حمایت میں بدل گیا۔ لیکن خلافت کا اونٹ اب خالد کے گھر کی طرف رخ کئے تھا، کیونکہ امویوں میں ایک بڑا گروپ اس کا حامی تھا۔ اس کی ماں نے بھی مروان سے اسی لئے بے جوڑ، بے محل شادی کی تھی کہ خلافت اس کے بیٹے کو حاصل ہو جائے۔ مروان کی دلچسپی اپنی اولاد کو خلافت منتقل کرنے میں تھی، چنانچہ اس ہدف کو پانے کے لئے اس نے امیر معاویہ کی عیارانہ سیرت پر عمل کیا۔ مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی کی یہ تحریر ملاحظہ فرمائیں:

"مروان بن حکم نے اپنے بیٹے عبدالملک اور عبدالعزیز کی ولی عہدی

کے لیے اس طرح کوشش شروع کی کہ لوگوں میں اس بات کو شہرت دلائی کہ عمرو بن سعید بن عاص کہتا ہے کہ مروان کے بعد خالد بن یزید کو ہرگز تخت نشین نہ ہونے دوں گا، بلکہ میں اپنی خلافت کے لیے لوگوں سے بیعت لوں گا۔ اس کے مشہور ہونے سے لوگوں میں چہ می گوئیاں ہونے لگیں۔ مروان نے اس موقع کو مناسب دیکھ کر حسان بن کلبی کو جو خالد بن یزید کا سب سے بڑا طرفدار تھا، لالچ اور فریب دے کر اس بات پر آمادہ کرلیا کہ وہی یہ تحریک پیش کرے کہ مروان کے بعد عبدالملک بن مروان اور اس کے بعد عبدالعزیز بن مروان خلیفہ بنائے جائیں۔ چنانچہ حسان بن مالک نے جامع دمشق میں مجمعِ عام کے روبرو کھڑے ہوکر کہا کہ ہم سن رہے ہیں کہ لوگ امیر المومنین مروان کے بعد خلافت کے معاملہ میں ضرور جھگڑا کریں گے، لہٰذا میں اس خطرے سے محفوظ رہنے کی ایک تجویز پیش کرتا ہوں اور امید ہے کہ امیر المومنین اور کافۂ مسلمین اس کو پسند فرمائیں گے۔ وہ تجویز یہ ہے کہ امیر المومنین اپنے بعد اپنے بیٹے عبدالملک کو اور اس کے بعد عبدالعزیز کو خلافت کے لئے نامزد فرمادیں اور لوگوں سے اس امر کے لئے بیعت لیں۔ یہ بات سن کر کسی کو بھی مخالفت کی جرأت نہ ہوئی، سب نے اظہارِ پسندیدگی کیا اور اسی وقت عبدالملک اور عبدالعزیز کی ولی عہدی کے لئے لوگوں نے بیعت کرلی۔"

(تاریخ اسلام، جلد ۲)

ساڑھے نو ماہ کے مختصر سے عرصہ تک حکومت کرنے کے بعد ۶۵ ہجری کے رمضان المبارک میں مروان اپنی نئی دلہن خالد بن یزید کی ماں اُمِ خالد کے ہاتھوں مارڈالا گیا۔ اُمِ خالد نے تکیہ گلے پر رکھ کر مروان کا دم گھونٹ دیا اور اسی روز دمشق میں عبدالملک بن مروان کے ہاتھوں پر لوگوں نے بیعت کرلی۔ عبدالملک ابن مروان کے بعد حکومت

عبدالعزیز کی طرف پلٹتا تھی۔ عبدلملک اس کو معزول کر کے اپنے بیٹوں کو نامزد کرنا چاہتا تھا مگر بغاوت کے خوف سے خاموش تھا۔ اسی درمیان عبدالعزیز کی موت ہوگئی۔ امکانِ قوی ہے کہ اسے قتل کیا گیا ہو۔ بہر نوع، عبدالملک کی مراد برآئی اور اس کے بعد اس کے ۴ر بیٹے ولید بن عبدالملک، سلیمان ابن عبدالملک، یزید ابن عبدالملک، اور ہشام بن عبدالملک کو خلافت حاصل ہوئی۔ عبدالملک بن مروان نے ۱۲ر سال، ۳ر مہینے اور ۲۳ر دن حکومت کی، پھر ولید بن عبدالملک نے ۹ر سال ۸ر مہینے خلافت کی، پھر سلیمان بن عبدالملک کو خلافت ملی۔ اس کے بعد عمر بن عبدالعزیز کے ہاتھوں پر بیعت ہوئی۔ اس مشہور منصف مزاج اموی خلیفہ کے بعد پھر دوبارہ خاندان مروان میں خلافت پلٹی اور یزید بن عبدالملک کو خلیفہ بنایا گیا، جس نے چار سال ایک مہینہ حکومت کی اور اس کے بعد پھر حکومت ہشام بن عبدلملک کو ملی۔ مروان کے جن چار بیٹوں کے لئے حکومت کی پیشین گوئی حضرت علیؑ نے کی تھی، وہ مروان کی نسل سے اس کے یہی ۴ر پوتے ہیں، جو دو عمر بن عبدالعزیز کی خلافت سے پہلے خلیفہ ہوئے اور دو عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کے بعد۔ لیکن بعض علماء نے اس پیشین گوئی میں خود مروان کے چار صلبی بیٹے مراد لئے ہیں۔ (خود میں بھی انھیں علماء حضرات کا ہم خیال ہوں۔) یہ ۴ر بیٹے عبدالملک بن مروان، عبدالعزیز بن مروان، بشر بن مروان، اور محمد بن مروان ہیں۔ ان میں سے عبدالملک کو تو خلافت حاصل ہوئی، مگر باقی تین بیٹے تین صوبوں کے حکمراں بنے۔ عبدالعزیز مصر کا حاکم تھا، بشر کے حصے میں عراق کی حکومت تھی، اور محمد کو جزیرہ کی حکومت ملی تھی۔ بہر حال، دونوں صورتوں میں یہ پیشین گوئی زندہ حقیقت بن کر ابھری اور تاریخ کے صفحات پر مع کردار کے رقم ہوئی۔ حضرت نے خلافت کے ملنے کی پیشین گوئی کے ساتھ ان حکمرانوں کے صفات بھی بیان فرمائے تھے، اور فرمایا تھا کہ

"امت اس کے اور اس کے بیٹوں کے ہاتھوں سختیوں کے دن دیکھے گی۔"

چنانچہ تاریخ کے اوراق پر جناب امیرؑ کے اس دعوے کے ثبوت بکھرے

پڑے ہیں۔ مروان خود، اس کے چاروں بیٹے اور اس کے چاروں پوتے انتہائی سخت گیر، جابر اور ظالم حکمراں تھے۔ انھوں نے اپنے دورِ حکومت میں اپنے علاقوں میں ایسے ایسے بدترین مظالم کیے، جن کا ذکر تاریخ میں پڑھ کر ہی لرزہ چڑھتا ہے۔ یہ لوگ ناقابل بیانِ حد تک سفاک اور درندہ صفت تھے۔ اگر ان کے خلاف خود اموی مؤرخین کے دستاویز نہ ہوتے تو ان پر یقین نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اپنے ظالم بھائیوں کے علاوہ عبدالملک ابن مروان نے حجاج بن یوسف جیسے شقی القلب کو حجاز کا گورنر بنایا۔ اس کے زیر اختیار مدینہ بھی رہا۔ اس نے حجاز اور مدینہ میں ظلم کی ایسی چکی چلائی کہ ہر طرف ہاہا کار مچ گیا۔ اس نے خانۂ کعبہ کو ڈھا دیا۔ اس نے بہت سے اصحابِ رسولؐ کی مُشکیں کسوا کر انھیں کوڑے لگوائے اور سخت ترین کریہہ افعال انجام دیئے۔ یہ سب عبدالملک ابن مروان کی رضامندی اور شہ پر ہوا۔ اس گورنر کے انتخاب کا واحد کرائیٹیریا (criterea) یہی تھا کہ وہ خود عبدالملک کی طرح اور اس کے بھائیوں کی طرح بے جگر ظالم تھا۔ اکبر شاہ نجیب آبادی بنی امیہ کے حامی مورخ ہیں۔ ان کی تاریخ میں جگہ جگہ بنی امیہ کے قصیدے صاف پڑھے جا سکتے ہیں، مگر حجاج کے مظالم سے کراہ کر وہ بھی یہ لکھنے کو مجبور ہیں:

> ''حجاج کے یہ مظالم جو اس نے صحابۂ کرام پر روا رکھے، جس طرح حجاج کو ظالم و ملزم ثابت کرتے ہیں، اسی طرح عبدالملک کو بھی مجرم ٹھہراتے ہیں، کیونکہ اسی نے ایسے سخت گیر شخص کو مکہ اور مدینہ کی حکومت سپرد کی تھی۔''
> (''تاریخِ اسلام'' جلد ۲)

عبدالملک کو ایک دن ایک صحابیہ امّ الدّرداء نے ٹوکا کہ 'میں نے سنا ہے تو شراب پینے لگا ہے۔ اس نے کہا'' میں تو خون بھی پینے لگا ہوں۔''

(تاریخ اسلام، اکبر شاہ نجیب آبادی، جلد ۲)

جو لوگ عبدالملک کی درندگی کا اندازہ لگانا چاہیں وہ تاریخ میں رقم اس خطبہ کو پڑھیں جو عبداللہ بن زبیر کے قتل کے بعد اس نے لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے دیا تھا۔

جنگِ نہروان سے پہلے خوارج کی پسپائی کی پیشین گوئی

''جنگ نہروان سے قبل جب آپ کو بتایا گیا کہ خوارج نہروان کا پُل پار کر کے دوسری طرف نکل گئے ہیں تو آپ نے فرمایا نہیں، یہ خبر غلط ہے۔ ان کے گرنے کی جگہ تو پانی کے اسی طرف ہے۔۔۔۔۔۔۔خدا کی قسم! ان میں سے دس بھی بچ کر نہ جا سکیں گے اور تم میں سے ۱۰ بھی شہید نہ ہوں گے (خطبہ نمبر ۹)

خوارج جنگ صفین کی پیداوار تھے۔ یہ وہی لوگ تھے جو امیر معاویہ سے جنگ کرنے کے وکیل تھے اور جب سرکار بار بار ان کو متنبہ کر رہے تھے کہ یہ قرآن (جس کو کہ امیر معاویہ کے ساتھی نیزوں پر بلند کئے ہوئے تھے) کی طرف آنے کی دعوت محض دھوکے کے علاوہ کچھ نہیں، تو یہ اس قدر گستاخی پر اتر آئے کہ حضرتؑ کو قتل کرنے کی دھمکیاں دے رہے تھے۔ صفین میں حضرت علیؑ کے لشکر کے بہت سے سپاہی اور کچھ کمانڈر امیر معاویہ کے ایجنٹ کے طور پر کام کر رہے تھے۔ معاویہ نے انھیں

رشوتیں اور لالچ دے کر اپنی طرف کر لیا تھا۔ اسی بیچ خوارج نے جنگ بندی کے لئے زور بھرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ معاویہ کے یہ ایجنٹ اور خوارج حضرت علیؑ سے جنگ روکنے کا اصرار کرنے لگے۔ حضرت علیؑ کو عین ایسے موقع پر، اپنی مرضی کے خلاف جنگ روکنی پڑی کہ جب صفین تقریباً فتح ہو چکی تھی۔ حضرتؑ کے بہادر جرنیل مالک اشتر صفوں کو الٹتے ہوئے معاویہ کے خیمے کے بالکل قریب پہنچ چکے تھے اور تھوڑی دیر میں معاویہ قتل یا قید کئے جانے والے تھے۔ مگر ان بدبختوں کے سبب حضرت مجبور ہو گئے اور مالک اشتر کو واپس بلوایا۔ جب جنگ بندی ہو گئی تو اقرار نامہ لکھا گیا اور حکمین کے ذریعہ معاملہ حل کرنا طے پایا۔ جب جنگ صفین سے اقرار نامہ کے بعد حضرتؑ کوفہ واپس آنے لگے تو یہی گروہِ خوارج اکٹھا ہوا اور انھوں نے آپؑ سے کہا کہ یا حضرت! آپ روانگی ملتوی کر دیں اور شامی لشکر پر حملہ کر دیں۔ آپ نے فرمایا میں تو عہد کر چکا ہوں، اقرار نامہ پر دستخط ہو چکے ہیں۔ اب جب تک تحکیم کا معاملہ مکمل نہ ہو جائے، پابند عہد ہوں۔ تاریخ ابن الوردی میں ہے کہ انھوں نے حضرت علیؑ سے یہ ٹکا سا جواب پا کر حضرت علیؑ کی رفاقت ترک کر دی اور ان سے کنارہ کش ہو گئے۔ چنانچہ انھوں نے علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ یہ ۱۲۰۰۰ر آدمی آپ کے لشکر سے علیحدہ ہو کر مقام ''جرورا'' پر بغرض جنگ جمع ہوئے۔ انھوں نے اسلامی تاریخ میں ایک نئے فتنے کی بنیاد رکھی۔ ان کا کہنا تھا کہ علیؑ تحکیم قبول کر کے کافر ہو گئے ہیں۔

امام نسائی نے اپنی ''خصائص'' میں ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ رسولِ خداؐ نے ایک گروہ کے خروج کی پیشین گوئی کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اس گروہ والے دین سے ایسے نکل گئے ہوں گے جیسے کمان سے تیر نکل جاتا ہے۔ وہ بدترینِ خلق ہوں گے۔ گو کہ یہ بڑے نمازی، روزہ دار اور پابندِ زکوٰۃ ہوں گے، قرآن پڑھتے ہوں گے مگر قرآن ان کے گلے سے نیچے نہ اترے گا۔ ان لوگوں سے وہ قتال کرے گا جو سراسر حق ہوگا۔ اس گروہ کی نشاندہی کرتے ہوئے آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ اس

علیؑ کا ذِکر

نتیجہ فکر: ڈاکٹر گلشن بجنوری

مِرے لبوں کو مہکتا گلاب کر دے گا
علیؑ کا ذکر مجھے آفتاب کردے گا

ہتھیلیوں کی لکیروں پہ اعتبار نہ کر
عطا علیؑ کا پسر بے حساب کردے گا

غدیرِ خُم کی حقیقت ذرا قبول تو کر
مِرا خدا تجھے عزت مآب کر دے گا

درِ علیؑ پہ جو مانگوگے تم خلوص کے ساتھ
یہ در غلام کو عالیجناب کر دے گا

یہ وہ اسیر ہے خطبوں کی تیغ سے گلشنؔ
یزیدِ نحس کا خانہ خراب کردے گا

گروہ میں ایک سیاہ فام شخص ایسا ہوگا جس کا ایک بازو پیدائشی خرابی Congenital Deffect کے سبب عورت کی چھاتی کی طرح ہوگا۔ ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ کی اس پیشین گوئی کا گواہ ہوں۔ معرکۂ نہروان کے بعد حضرت علیؑ نے مقتولین میں ایسے کسی شخص کو تلاش کرنے کا حکم دیا جس کا یک بازو عورت کی چھاتی سے مشابہ ہو۔ خدری فرماتے ہیں کہ تلاش کرنے پر یہ مقتولین میں ملا۔ میں اس کا گواہ ہوں کہ اس کا بازو بالکل عورت کے پستان کی مانند تھا، جیسا رسولؐ نے فرمایا تھا۔ خوارج میں یہ ''ذوالثدیہ'' کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

بہر حال، صفین سے واپسی پر یہ گروہ حضرت علیؑ سے منحرف ہوکر ان سے قتال کے لئے آمادہ ہوا۔ حضرت علیؑ کو تو یوں بھی کم مسائل کا سامنا نہ تھا، اس پر بہ کمال عجلت یہ نیا فتنہ کھڑا ہوگیا۔ حضرتؑ حالات کی نزاکت کے پیش نظر ان سے الجھنا نہیں چاہتے تھے، چنانچہ آپ نے ابن عباسؓ کو انھیں سمجھانے کے لئے بھیجا۔ مگر وہ لوگ پختہ ارادہ کر چکے تھے لہٰذا ان پر ابن عباسؓ اور حضرت علیؑ کی کسی بات کا اثر نہیں ہوا۔ یہ وقت ایسا نہ تھا کہ حضرتؑ اپنی فوجی قوت کو کسی اور مشن پر لگاتے لیکن ان کے فتنہ سے چشم پوشی کا کوئی عذر نہ تھا۔ آخر کار بڑی مشکل سے حضرتؑ نے اس بات پر انھیں روکا کہ حکمین کے فیصلے تک انتظار کرو۔ ظاہر ہے یہ فیصلہ قرآن کے خلاف ہوگا تو ہم ہرگز قبول نہ کریں گے۔

بات طے ہو چکی تھی، مگر حکمین سے قبل خوارج کے مشہور سردار عبداللہ ابن وہب، حرقوص بن زہیر، حمزہ بن سنان، زید بن حصین الطائی اور شریح بن اوفی غسی ضد کرنے لگے کہ آپ پنچائتی فیصلہ نہ سن کر شام کا رخ کریں۔ حضرتؑ نے اس بدعہدی پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا تو ان لوگوں نے مسجد میں حضرتؑ کے خطبہ میں **لا حکم الا للہ** کہہ کر بار بار رکاوٹ ڈالی۔ حضرت علیؑ نے کمال صبر و ضبط کا مظاہرہ کیا اور ان کے ساتھ یہ رعایت برتی کہ فرمایا جب تک تم ہم سے نہیں لڑو گے، ہم بھی تم سے نہیں لڑیں گے۔

اب ان لوگوں نے ایک خفیہ میٹنگ میں عبداللہ ابن وہب کو اپنا سردار مقرر کیا اور طے کیا کہ علیؑ کے مقابلے میں دوسری حکومت قائم کریں گے۔ چنانچہ شریح بن اوفی نے مشورہ دیا کہ مدائن میں فوج تھوڑی ہے۔ اگر ہم لوگ اس طرف پیش قدمی کریں تو وہاں ہمارا غلبہ آسانی سے ہو جائے گا۔ زید بن حصین نے مشورہ دیا کہ ہم لوگ ۵-۵، ۱۰-۱۰ کی ٹکڑیوں میں خاموشی کے ساتھ نکل کر پہلے نہروان میں جمع ہو جائیں۔ اگر ایک ساتھ ہم نکلیں گے تو حضرت علیؑ کا لشکر حرکت میں آسکتا ہے۔ چنانچہ اسی رائے پر عمل ہوا۔ چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں تقسیم ہو کر یہ لوگ نہروان میں جمع ہونے لگے۔ انھوں نے اپنے ہم خیال بصرہ کے لوگوں کو بھی مُطّلع کر دیا اور وہ لوگ بھی یہیں ان سے آکر ملے۔ اب یہ لوگ بڑے منظم اور مضبوط ہو چکے تھے اور ان کی تعداد ۲۵۰۰ تک پہنچ چکی تھی۔ یہاں کھلے عام انھوں نے بغاوت کا اعلان کر دیا اور حضرت علیؑ کو کافر کہنے لگے۔ حضرت علیؑ نے چونکہ وعدہ کر لیا تھا کہ جب تک تم ہم سے نہ لڑو گے، ہم بھی تم سے نہ لڑیں گے، لہٰذا اس شورش کے باوجود بھی حضرت علیؑ اپنے عہد پر قائم رہے۔ یہ حضرت علیؑ کی شخصیت کا وہ گرانقدر پہلو ہے جو کمیاب ہی نہیں، بلکہ نایاب ہے۔ دنیا کے کسی حاکم کی سیرت میں ایسا موقع نہیں دکھایا جا سکتا کہ جہاں باغیوں نے کھلے عام بغاوت کا اعلان کر دیا ہو، بدعہدی کر کے ایک جگہ جماوڑا بھی کر لیا ہو مگر حاکم محض اس لئے خاموش ہو کہ اس نے وعدہ کر لیا ہے کہ جب تک تمھاری طرف سے ضرب نہ ہو، ہم بھی خاموش ہیں۔ حضرت علیؑ کی زندگی اور سیرت کا یہ وہ پہلو ہے جس میں اسلام کی یہ تعلیم مضمر ہے کہ حاکم کو کس قدر حلیم ہونا چاہیے۔ اور محض اپنی حکومت کے گرنے کے خوف سے بغیر اتمام حجت و جارحیت کے اپنی عوام کا خون مباح نہیں قرار دے لینا چاہیے۔ اس نکتہ کو صرف وہی لوگ محسوس کر سکتے ہیں جو اسلام کی صحیح تعلیمات سے واقف ہیں اور جو بنی امیہ جیسے حاکموں کے طرزِ حکومت سے متاثر نہیں ہیں۔ ورنہ خالص ڈپلومیسی کے نقطہ نظر سے تو یہ فیصلہ قابلِ ستائش نہیں، مگر حضرت علیؑ کی

پوری زندگی میں یہ چیز کہیں نہیں نظر آتی۔ اسی لئے ڈپلومیسی کے دلدادہ اور بنی امیہ کے طرزِ حکومت پر فریفتہ لوگ حضرت علیؑ کو ایک ناکامیاب حاکم کہتے ہیں جسے جوڑ توڑ کی سیاست نہیں آتی۔ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ بنی امیہ کا سردار ابوسفیان جب ابوبکر کی بیعت کے بعد حضرتؑ کے پاس مدد کی پیش کش لے کر پہنچا تھا کہ وہ اپنے حق کے لئے کھڑے ہوں، مدینے کی گلیوں کو فوجیوں سے بھرنا اس کی ذمہ داری ہے۔ تو حضرت علیؑ نے ڈپلومیسی کی سیاست کو اسی دن کھینچ کر لات ماری تھی اور ابوسفیان کو یہ کہہ کر رخصت کر دیا تھا کہ ''ابوسفیان، تو کب سے اسلام کا دوست ہو گیا۔'' جو علیؑ ڈپلومیسی سے حکومت لینا پسند نہیں کرتے، وہ حکومت ملنے کے بعد ڈپلومیسی کیسے پسند کر سکتے تھے۔ ان کا ظاہر باطن ایک تھا، اور ضرورت ہے کہ حضرتؑ کی پوری زندگی کو اسی فریم میں دیکھا جائے۔

بہرنوع، یہ ایک پیچیدہ صورت حال آن پڑی تھی۔ حسب وعدہ حضرت علیؑ نے اس کو اس وقت تک برداشت فرمایا جب تک کہ باقاعدہ آغازِ جنگ اُدھر سے نہیں ہو گیا۔ حضرتؑ کے نہروان کے گورنر صحابیٔ رسولؐ حضرت عبداللہ ابن خباب کو ان بے رحم خارجیوں نے مع ان کے اہل خانہ اور ان کے احباب کے بُری طرح قتل کر ڈالا۔ ان کا جرم یہ تھا کہ وہ ان کے ہم خیال نہ ہو سکے۔ اس معاملہ میں انھوں نے اتنی درندگی برتی کہ ان کی ایک حاملہ کنیز کا پیٹ چاک کر کے بچے کی گردن بھی کاٹی۔ اس کے علاوہ دارالامارہ میں اطلاعات بھی پہنچیں کہ یہ ہر اس شخص کو بے دریغ قتل کر رہے ہیں جو ان کا ہم خیال نہیں۔ اب حضرتؑ اپنے کئے گئے وعدے سے بری الذمہ بھی تھے اور اُن (خوارج) کی سرکوبی انتہائی ضروری بھی تھی۔ حضرتؑ کو یہ یقین تھا کہ یہ تحکیم کا فیصلہ کچھ اس طرح ہوگا کہ انھیں شام کی طرف لشکر کشی کرنی پڑے گی۔ اگر خوارج کو اسی وقت قابو میں نہ کر لیا جائے تو اس بات کے قوی امکانات تھے کہ شام کی مہم کے وقت یہ لوگ بصرہ اور مدائن پر چڑھائی کر دیں اور بے گناہوں کے خون سے ہولی کھیلیں۔ چنانچہ

حضرتؑ نے فوری طور پر ان کی سرکوبی کو مناسب خیال کیا۔ درج ذیل پیشین گوئی اس وقت کی گئی ہے۔ جب لشکر لے کے حضرتؑ پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ ''جو ابوایوب انصاری کے جھنڈے تلے فلاں بلند مقام پر چلا آئے گا، اُسے مکمل امان ہے۔ جو شخص خوارج کا ساتھ چھوڑ کر مدائن یا کوفہ کی طرف چل کھڑا ہوگا وہ بھی امان میں ہے۔'' حضرتؑ نے طاقت کے زعم میں باغیوں پر ایک دم ٹوٹ پڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ حضرتؑ نے ایک موقع دیا تاکہ کم از کم خون بہے۔ چنانچہ آپ کی اس رعایت کا اثر یہ ہوا کہ سب سے پہلے ابن نوفل اشجعی ۵۰۰ / سواروں کے ساتھ حضرت ابوایوب انصاری کے پرچم تلے آگئے۔ اس کے فوراً بعد خوارج کے میدان چھوڑنے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ کثیر تعداد میں لوگ مدائن اور کوفہ کی طرف چل دیئے اور بالآخر صرف ۸۰۰۰ / لوگ میدان میں باقی رہے۔ طبری نے یہ تعداد ۲۸۰۰ / تحریر کی ہے، جبکہ مختلف تواریخ میں یہ تعداد ۸۰۰۰ / تک ہے۔

جب آپ نے خوارج سے جنگ کا ارادہ ظاہر کیا تو حضرتؑ کو اطلاع دی گئی کہ وہ نہروان کا پل پار کر کے اُدھر جا چکے ہیں۔ تب آپ نے فرمایا:

''اُن کے گرنے کی جگہ تو پانی کے اسی طرف ہے۔ خدا کی قسم! ان میں سے دس بھی زندہ بچ کر نہیں جائیں گے، اور تم میں سے دس بھی قتل نہیں ہوں گے۔'' (نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۵۹)

اسی طرح خطبہ نمبر ۳۶ / میں بھی خوارج کو مخاطب کرتے ہوئے ان کے قتل ہونے کی خبر دی ہے۔

جنگ شروع ہوئی اور جنگ کا اختتام حضرت علیؑ کی پیشین گوئی پر ہوا۔ دنیا نے اس حیرت انگیز پیشین گوئی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور تاریخ آج تک اپنی اسکرین پر اس صداقت کو دکھا رہی ہے۔ جنگ نہروان میں خوارج کے نہ صرف یہ کہ تمام مشہور سردار مارے گئے، بلکہ جتنے ان کے ساتھی تھے، سب قتل کر ڈالے گئے۔ اور

جو جان بچا کر بھاگے، وہ محض گمنام ۹ رلوگ تھے۔ حضرت علیؑ نے یہی فرمایا تھا کہ ان میں سے دس بھی زندہ نہیں بچیں گے۔ اور ظاہر ہے ان بچنے والوں کی تعداد دس (۱۰) نہیں تھی۔ اس جنگ میں حضرت علیؑ کے لشکر سے جو سپاہی شہید ہوئے ان کی تعداد ۸ر تھی، جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱۔ روبہ ابن ویر بجلی ۲۔ سعید بن خالد سبیسلی ۳۔ عبداللہ بن حماد اجنی

۴۔ فیاض بن خلیل ازدی ۵۔ کیسوم بن سلمٰی جہنی ۶۔ عبیداللہ ابن عبید خولانی

۷۔ جمیع ابن جشم کندی ۸۔ جیب ابن عاصم اسدی۔

حضرت علیؑ نے یہی فرمایا تھا کہ تم میں سے دس بھی قتل نہیں ہوں گے۔ یہ پیشین گوئی کوئی معمولی پیشین گوئی نہیں ہے۔ اور حضرت علیؑ کے علم غیب کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ کوئی بھی بڑے سے بڑا تجربہ کار فوجی جنرل بھی ۸ر ہزار کے لشکر میں یہ پیش گوئی نہیں کر سکتا کہ ان میں سے دس نہیں بچیں گے اور ہمارے دس بھی قتل نہیں ہوں گے۔ آپ کی امامت پر روشنی ڈالنے کے لئے یہی ایک پیشین گوئی کافی ہے۔ یہ بالکل واضح ہے کہ یہ فوجی مہارت نہیں بلکہ امامت ہے۔

حبشی سردار کے متعلق پیشین گوئی

"اے احنف! میں اس شخص کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ وہ ایک ایسے لشکر کو لے کر بڑھ رہا ہے کہ جس میں نہ گرد و غبار ہے نہ شور و غوغا۔ نہ لگاموں کی کھڑکھڑاہٹ ہے اور نہ گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز۔ وہ لوگ زمین کو اپنے پیروں سے، جو شتر مرغ کے پیروں کے مانند ہیں، روندرہے ہوں گے۔" (خطبہ نمبر ۱۲۶)

احنف، حضرت علیؑ کے بہت ہی وفادار صحابی تھے۔ انھیں صحابیٔ رسولؐ ہونے کا بھی شرف حاصل ہے۔ ان کو خطاب کرتے ہوئے حضرتؑ نے جو فرمایا ہے وہ بصرہ کے حالات سے متعلق ہے۔ حضرت امیرؑ کی یہ پیشین گوئی ۲۵۷ ہجری میں معتمد کے زمانے میں پوری ہوئی، جبکہ دولتِ عباسیہ کے خلاف علویوں کا خروج ہو رہا تھا۔

شارحینِ نہج البلاغہ نے اس پیشین گوئی کو حبشیوں کے سردار علی بن محمد کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ بڑا ہوشیار اور زیرک تھا۔ عقائد کے اعتبار سے یہ خارجی تھا۔ مگر اس کے زمانے میں علویوں کا جا بجا خروج ہو رہا تھا۔ اس لئے اس نے سیاسی مصالح کے پیش نظر خود کو سیّد بتانا شروع کر دیا۔ وہ لوگوں کی ہمدردی حاصل کر کے حکومت

حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اپنا نسب وہ محمد بن احمد بن عیسیٰ بن زید کی طرف منسوب کرتا تھا۔ اس طرح وہ شہید حضرت زید اور حضرت عیسیٰ سے اپنا تعلق دکھا کر علویوں کے اس خروج کے زمانے میں لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کا خواہاں تھا۔ مگر ماہرینِ انساب نے اس کا شجرہ عبدالقیس کی طرف منسوب کیا ہے۔ لیکن وہ اپنے اس کھیل میں کامیاب نہیں ہوسکا اور ہر جگہ اس کے نسب کا پول کھلتا چلا گیا، اور جس اسکیم پر وہ کام کر رہا تھا، اس کو خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ اپنی اسکیم میں ناکامیاب ہونے کے بعد اس نے بغداد کا رخ کیا اور وہاں پہنچ کر غلاموں کو اس نے ورغلانا شروع کیا۔ اس نے ان کی آزادی کا تصور پیش کیا، نتیجتاً بغداد کے کافی غلاموں کی تعداد اس کے ساتھ ہوگئی۔ اس مجمع کے ساتھ یہ بصرہ پہنچا اور بصرہ اور اس کے نواح میں یہ پیغام بھیجا کہ جو بھی زنگی غلام میرے پاس آئے گا وہ گویا میری پناہ میں ہے اور آزاد ہے۔ اس کے اعلان سے متاثر ہو کر غلاموں کی ایک کثیر تعداد اس کے پاس آن پہنچی۔ ان غلاموں کے آقا جب اپنے غلاموں کی واپسی کے لئے علی کے پاس آئے تو اس نے انھیں یرغمال بنالیا اور بعد میں یہ شرط کر کے چھوڑا کہ ان کا غلام اب آزاد ہے اور علی کے پاس رہے گا۔ ظاہر ہے غلاموں کے لئے اس سے بہتر تحریک اور کیا ہوسکتی تھی۔ غلاموں کی اس ہر دلعزیز تحریک میں ہر دن اضافہ ہوتا رہا اور علی بن ابراہیم کو زنگی غلاموں کی ایک کثیر تعداد حاصل ہوگئی۔ اس تاریخی واقعہ کا سب سے دلچسپ پہلو یہ ہے کہ اس لشکر کے پاس نہ تو اسلحہ تھا اور نہ گھوڑے، نہ دیگر آلاتِ حرب وضرب جو کہ کسی لشکر کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ علی بن ابراہیم کی یہ تحریک خالی ہاتھوں سے شروع ہوئی تھی اور غلاموں کے اس لشکر کے پاس صرف تین تلواریں تھیں۔ بعد میں لوٹ مار کر کے انھوں نے اسلحہ حاصل کیا، لیکن بصرہ میں آمد کے وقت یہی حالت تھی اور اسی حالت کا تذکرہ مولانے اپنی پیشین گوئی میں کیا ہے۔ چنانچہ علامہ طبری اس سلسلے میں ایک واقعہ تحریر فرماتے ہیں کہ جب یہ خروج کے ارادے سے "کرخ" پہنچا تو وہاں کے لوگوں نے اس سے صلح کر لی، چنانچہ ایک رئیس نے اس کو ایک گھوڑا بطور تحفہ دیا۔ اس کے لشکر میں کیونکہ گھوڑے تھے

ہی نہیں، لہٰذا کافی جد و جہد کے بعد بھی جب لگام میسّر نہ ہو سکی تو ایک رسّی کو لگام کی جگہ ڈالا گیا۔ یہی تو مولا علیؑ نے پیشین گوئی فرمائی تھی۔ کیونکہ اس کے لشکر میں گھوڑے تھے ہی نہیں، لہٰذا نہ تو لگاموں کی کھڑکھڑاہٹ کا کوئی سوال تھا اور نہ گھوڑوں کی ہنہناہٹ تھی، جو کہ ایک لشکر کی خاص شان ہوتے تھے۔

کیونکہ اس کے لشکر میں گھوڑے نہ تھے،، لہٰذا وہ گرد وغبار جو کہ کسی لشکر کے گزرنے کے سبب بہت دیر تک اور بہت دور تک رہتا تھا، نہ تھا اور گھوڑوں کے نہ ہونے اور اسلحہ کے نہ ہونے کے سبب وہ شور جو کہ عام طور پر لشکروں میں ہوتا ہے، تھا ہی نہیں۔ حضرتؑ نے اسی عجیب وغریب لشکر کے بارے میں یہ تفصیلات بیان کی ہیں اور تاریخ نے ہو بہو آنے والے وقت میں اس کی تصدیق کر دی۔

اب پیشین گوئی کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ:

''وہ اپنے پیروں سے، جو شتر مرغ کے پیروں کی مانند ہیں، روندر ہے ہوں گے۔''

ان غلاموں کے پاس کیونکہ گھوڑے تھے ہی نہیں اور یہ پیدل سفر کرتے تھے، لہٰذا ان کے پیروں میں چمڑے کے جوتے رہتے تھے جو کہ مخصوص طرح کے اور شتر مرغ کے پیروں کی طرح پھیلے ہوتے تھے۔ اسی کی طرف حضرتؑ نے شتر مرغ کے پیروں سے مشابہت دی ہے۔ اب ان کی قتل وغارت گری کا حال بھی تاریخ میں ملاحظہ فرمائیں، جس کا حضرتؑ نے اپنے خطبے میں ذکر فرمایا ہے۔

غلاموں کی فوج کو اکٹھا کر کے علی نے قادسیہ اور گرد ونواح میں لوٹ مار کی۔ پھر وہ بصرہ کی طرف آیا۔ بصرے والوں نے مقابلہ کیا، مگر شکست کھائی۔ ایسا کئی مرتبہ ہوا مگر وہ بار بار اہل بصرہ پر بھاری پڑا، یہاں تک کہ وہ مکمل طور پر بصرہ پر قابض ہو گیا۔ خلیفہ کی طرف سے ابو بلال ترکی کو چار ہزار کا لشکر دے کر بھیجا گیا، تہر ریان پر مقابلہ ہوا مگر آخر کار ابو بلال، علی بن ابراہیم سے شکست کھا کر ہٹ گیا۔ علی بن ابراہیم کا علاقہ اہواز تک پہنچ گیا۔ عباسی خلیفہ ترکی سرداروں کو بار بار فوجیں دے کر بھیجتا رہا، مگر کسی کو بھی کامیابی حاصل نہیں

ہوئی۔ مگر سعید بن صالح نے علی بن ابراہیم سے بصرہ خالی کرا لیا، لیکن ابھی بہت زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ بصرہ دوبارہ زنگیوں کے قبضے میں آ گیا۔ اس مرتبہ جو زنگی غلام بصرہ میں گھسے تو اتنا قتل عام کیا کہ بصرہ کی نالیاں انسانی خون سے ابل گئیں۔ جسم پر لرزہ طاری کر دینے اور دل کو تھرتھرا دینے کے لئے یہ اطلاع کافی ہے کہ اس نے محض دو دن میں ۳۰،۰۰۰ افراد کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر پھینک دیا۔ اس نے بصرہ کو روند ڈالا اور بوڑھا یا بچہ، عورت یا مرد، ہوش مند یا مجنون، بیمار یا صحت مند، کسی کے لئے کوئی تخصیص نہیں کی۔ جو سامنے پڑ گیا وہ کاٹ ڈالا گیا۔ گھروں میں داخل ہو کر اثاثہ لوٹ لیا گیا اور پھر چن چن کر خوبصورت اور قیمتی عمارتوں کو آگ لگا دی گئی۔ مسجدیں گرائی گئیں۔ غرض پورا بصرہ جل کر راکھ کا ڈھیر بن گیا۔ حضرتؑ پاک نے اس تباہی کی طرف اشارہ فرمایا تھا کہ تمھاری ان آباد گلیوں اور سجے سجائے مکانات کیلئے تباہی ہے۔

خلیفہ معتمد نے محمد معروف بہ مولا کو ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ روانہ کیا۔ مقابلہ نہر معقل پر ہوا، جہاں کہ مولا شکست کھا کر بھاگ گیا۔ ان غلاموں نے بھاگتے ہوئے سپاہیوں کو گھیر گھیر کر قتل کر ڈالا۔ اب خلیفہ نے منصور بن جعفر ضباط کو زنگیوں کے مقابلے پر مامور کیا، لیکن منصور بن جعفر مارا گیا اور اس کی فوج فرار کر گئی۔ آخرکار معتمد نے اپنے بھائی ابواحمد موفق کو بہت بڑے لشکر کے ساتھ روانہ کیا اور اس کے ساتھ مفلح کو بھی ایک بڑی فوج دے کر بصرہ کی طرف روانہ کیا۔ اس معرکہ میں مفلح تو مارا گیا اور موفق کی فوج بھی بھاگنے لگی، لیکن موفق کی تدبیروں سے بھاگتی ہوئی فوج ٹھہر گئی اور اس مقابلے میں زنگی پسپا ہو گئے۔ آخرکار ماہ صفر ۲۷۰ھ میں اسکو موفق کی فوج نے قابو پا کر قتل کر ڈالا۔ اور پھر غلاموں کا یہ گروہ بکھر گیا۔

۱۴ سال تک علی بن ابراہیم اسلامی ممالک میں قتل و غارت گری کرتا رہا۔ اس کا مقصد سوائے لوٹ مار کے اور کچھ نہ تھا۔ اس کے پاس کوئی پروگرام اور اس کی کوئی ideology نہیں تھی۔

شام سے عبدالملک بن مروان کے خروج کی پیشین گوئی

''میں ایک گمراہی میں پڑے ہوئے شخص کو گویا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ وہ شام میں کھڑا ہوا للکار رہا ہے اور اس نے اپنے جھنڈے کوفہ اور اس کے آس پاس گاڑ دیئے ہیں۔ چنانچہ جب اس کا منہ پھاڑ کھانے کو کھل گیا اور اس کی لگام کا دہانہ مضبوط ہو گیا اور زمین میں اس کی پامالیاں سخت سے سخت ہو گئیں تو فتنوں نے اپنے دانتوں سے دنیا والوں کو کاٹنا شروع کر دیا اور جنگ کا دریا تھپیڑے مارنے لگا۔ اور دلوں کی سختی سامنے آ گئی اور راتوں کی تکلیف شدت اختیار کر گئی۔ بس ادھر اس کی کھیتی پختہ ہوئی اور فصل تیار ہوئی اور اس کی سرمستیاں جوش کھانے لگیں اور تلواریں چمکنے لگیں، اِدھر سخت فتنہ و شر کے جھنڈے گڑ گئے اور اندھیری رات اور متلاطم دریا کی طرح آگے بڑھ آئے۔ اس کے علاوہ اور کتنی ہی سخت آندھیاں اس پر آئیں گی اور عنقریب جماعتیں جماعتوں سے گتھ جائیں گی اور کھڑی کھیتیوں کو کاٹ دیا جائے گا اور کٹے ہوئے حاصلوں کو توڑ پھوڑ دیا جائے گا۔'' (خطبہ ۹۹)

مقدمہ

ذاکرآلِ اطہر ڈاکٹرحسن کمیلی، دہلی

قرآنِ کریم نے علمِ غیب کے سلسلے میں دو طرح کی آیات بیان کی ہیں۔ قسمِ اوّل ان آیات کی ہے جو علمِ غیب کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص بتاتی ہیں۔ معصومین علیہم السلام کے علم غیب کا انکار کرنے والے انھیں آیاتِ قرآنی کو بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں۔ ان آیات میں سورہ اعراف کی آیت نمبر ۱۸۸، سورہ یونس کی آیت نمبر ۲۰، اور سورہ ھود کی آیت نمبر ۳۱، شامل ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر قسم کے غیب سے وہی ذات آگاہ ہوسکتی ہے جو ہر زمان و مکان میں حاضر و ناظر ہو، اور وہ ذات اللہ رب العزت کی ذات گرامی ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ غیب کا علم اجمالی طور پر اپنے برگزیدہ بندوں کو عطا فرماتا ہے۔ ان ہستیوں کا یہ علم بالذات نہیں، بالعرض ہے، جس کا سرچشمہ علمِ الٰہی ہے اور جو عالم الغیب والشہادہ نے انھیں عطا فرمایا ہے۔ نبی کے لفظی معنی ''خبر دینے والے'' کے ہیں اور جو نبی قیامت کے بعد کے حالات کی خبر دے سکتا ہے، وہ قیامت سے پہلے کی خبر کیوں نہیں دے سکتا۔ چنانچہ قرآن کریم کی متعدد آیات گواہی دیتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ

شارحینِ نہج البلاغہ نے اس پیشین گوئی کو امیر معاویہ اور عبدالملک بن مروان، دونوں کی طرف منسوب کیا ہے۔ بعض نے امیر معاویہ کو مراد لیا ہے تو بعض نے عبدالملک بن مروان کو۔ لیکن کہا جا سکتا ہے کہ امیر معاویہ تو خود حضرت علیؑ کے دور میں موجود ہی تھے اور وہ حضرت علیؑ سے لڑنے کے لئے پر تول ہی رہے تھے۔ لہٰذا یہ حالات تو سب ہی محسوس کر رہے تھے۔ اس اعتبار سے امیر معاویہ کے لئے اس پیشین گوئی میں وہ اثر باقی نہیں رہتا جو کہ عبدالملک بن مروان کے سلسلے سے ہوگا۔ پھر یہ کہ پیشین گوئی کا انداز، پیشین گوئی کے جملے، افواج کی حرکت کا طرز اور دیگر حالات اس کا عبدالملک بن مروان کے لئے ہونا ثابت کرتے ہیں۔ چنانچہ عبدالملک کی فوجی کثرت، جس کا اس خطبہ میں تذکرہ ہے، کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب وہ کوفہ پر حملہ آور ہونے لگا تو اس کے بے تکلف مشیروں نے اس کو روکا کہ وہ کوفہ کے سرداروں پر اور ان کے ان خطوط پر بھروسہ نہ کرے جن میں انھوں نے اس کو دعوت دی ہے، کیونکہ یہ لوگ امام حسینؑ کے ساتھ بدعہدی کر چکے ہیں۔ اس پر اس نے جواب دیا کہ امام حسین محض کوفہ والوں کے بھروسہ پر چل دیئے تھے، لیکن جب وہ مجھے ایک کثیر اور طاقتور لشکر کے ساتھ دیکھیں گے تو ہرگز وعدہ خلافی کی جرأت نہیں کر سکتے۔ میں ایک زبردست فوج کے ساتھ چل رہا ہوں۔ عبدالملک بن مروان کا اندازہ سو فی صد درست نکلا۔ جب وہ ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ کوچ کر کے ''دارِ جاثلیق'' کے قریب پہنچا تو مصعب بن زبیر کی فوج سے مڈبھیڑ ہوئی۔ مصعب بن زبیر کی فوج عبدالملک کی فوج کے مقابل ایک تو یوں ہی بہت کم تھی، اس پر یہ کہ عبدالملک بن مروان نے اس کے سرداروں میں سے اکثر کو وعدہ وعید اور موٹی موٹی رشوتیں دے کر اندر خانہ اپنے ساتھ ملا لیا۔ اب ان کے جسم مصعب کے ساتھ تھے اور وفاداریاں عبدالملک کے ساتھ۔ اس معاملہ میں عبدالملک نے بالکل وہی پالیسی اپنائی جو معاویہ نے حضرت علیؑ کے مقابلے میں اپنائی تھی۔ اس نے کوفیوں کا مزاج Read کر لیا تھا اور

اسی اعتبار سے اس نے ان کے انتظامات کیے۔ شروع لڑائی میں تو عبدالملک کے کمانڈر محمد بن مروان کو ہزیمت ہوئی، مگر عبدالملک نے فوراً ہی جب ایک تازہ دم دستہ بھیج دیا تو مصعب کے لئے مقابلہ سخت ہوگیا۔ اِدھر فوجی زور کے ساتھ ساتھ عبدالملک کی ڈپلومیسی اور جوڑتوڑ اپنا کام کررہا تھا۔ چنانچہ اِدھر تو یہ تازہ دم فوج پہنچی اور اُدھر مصعب بن زبیر کا ایک بہت ہی معتبر کمانڈر عتاب بن ورقاء، جسے عبدالملک کی طرف سے رشوت پہنچ چکی تھی، میدان سے اپنے ساتھیوں کو لے کر ہٹ گیا اور مصعب کے کمانڈر ابراہیم پر اکیلے مقابلہ پڑ گیا۔ نتیجتاً ابراہیم میدان میں مارا گیا۔ میدان کے اِدھر تو حالات ویسے ہی بدتر ہو گئے، اُدھر مصعب بن زبیر کے سردار ایک ایک کر کے میدان سے ہٹنے لگے۔ یہ سب عبدالملک سے رشوتیں قبول کر چکے تھے۔ بعض میدان میں باقی رہے مگر خاموش تماشائی بنے رہے۔ اس صورت حال سے فوجی لشکر کے ہاتھ میدان آ گیا۔ آخر کار مصعب ابن زبیر اور اس کا بیٹا عیسیٰ ابن مصعب میدان میں مارے گئے اور کوفے کے چاروں طرف عبدالملک بن مروان کے پرچم نظر آنے لگے۔

اس تاریخی تناظر میں جب ہم ایک مرتبہ پھر حضرت علیؑ کی پیشین گوئی کو پڑھتے ہیں، تو حرف حرف ایسے ہی واقعات پیش آتے نظر آتے ہیں، جن کو حضرتؑ نے اُن کے رونما ہونے سے پہلے بیان فرمادیا تھا۔

•———•※•———•

اسلام کو اوندھا کر دینے کی پیشین گوئی

آپ نے فرمایا:

''اے لوگو! وہ زمانہ تمھارے سامنے آنے والا ہے کہ جس میں اسلام کو اس طرح اوندھا کر دیا جائے گا جس طرح برتن کو (ان چیزوں کے ساتھ جو اس میں موجود ہوں) الٹ دیا جائے۔'' (خطبہ نمبر ۱۰۱)

تقریباً یہی مفہوم الفاظ کے ردّو بدل کے ساتھ خطبہ نمبر ۱۴۵ ر میں بھی موجود ہے۔ یہ خطبہ حضرتؑ کے اپنے دورِ خلافت کا ہے۔ حضرت سے پہلے جو خلافتیں گزریں وہ بھی اسلام اور آئینِ اسلام کے لحاظ سے انتہائی مضر اثرات کی حامل تھیں۔ دراصل اسلام کی بربادی کا آغاز انھیں خلافتوں سے ہوا۔ سب سے بڑی بربادی تو یہی تھی کہ حضرت علیؑ کو خلافت سے محروم کر دیا گیا۔ اور یہی بعد میں آنے والی خرابیوں کا سبب بنا جو کہ آج تک اسلام میں نئے نئے فتنوں کی شکل میں نمودار ہو رہی ہیں۔ یہ رسول پاکؐ کے حکم سے انحراف کی سزا ہے۔ لیکن حضرت پاکؑ کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان گزری ہوئی خلافتوں پر مسلمانوں اور آئینِ اسلام کا دباؤ تھا، لہٰذا تمام خرابیوں کے بعد بھی ابھی ''پیالے کو مع سامان کے اوندھا'' کر دینے والی پوزیشن پیدا

نہیں ہوئی تھی۔ اب تک جو صورت حال بگڑی تھی، اس کو حضرتؑ نے اپنے دورِ خلافت میں جس قدر اس مختصر وقت میں صحیح فرما سکتے تھے، درست فرمایا۔ لیکن بعد والے زمانوں میں وہی صورت حال پیدا ہوئی جس کا ذکر آپ نے اپنی پیشین گوئی میں فرمادیا تھا۔ بلاغت کے شہنشاہ نے اس قدر عمدہ تشبیہ بیان فرمائی ہے جو صورتِ حال کو ایک دم صاف کردیتی ہے۔ پیالے کو اوندھا کردینے کے بعد پیالے میں کیا رہ جائے گا، صرف خالی برتن۔ گویا آپ نے آگاہ فرمادیا کہ آنے والے زمانے میں اسلام محض نام کا اسلام ہوگا اور اس کی روح فنا کردی جائے گی۔ اسلام کی تعلیمات کو بالکل بدل ڈالا جائے گا، آئینِ اسلام پامال ہوگا، شریعت کی مخالفت بنام شریعت ہوگی۔ اسلام ہوگا مگر نام کا۔ اس کی تاثیر ختم کردی جائے گی، کیونکہ اسلام کے راستہ سے انحراف کی صورتِ حال ہوگی۔ حضرت کی یہ پیشینگوئی آپ کے فوراً بعد کس تیزی سے پوری ہوئی، کم از کم ان حضرات کے لئے یہ ثابت کئے جانے کا موضوع نہیں ہے جو بنی امیہ کے پورے دورِ خلافت اور اس کے بعد بنی عباس کے حکمرانوں کی سیرت سے واقف ہیں۔ ان دونوں ادوار اور ان کے بعد کے حکمرانوں نے جی بھر کر جس طرح اسلام کی شکل کو مسخ کیا وہ حضرت پاکؑ کے پیشین گوئی کے ہر لفظ کی صداقت کی گواہی ہیں۔

یہ بات بار بار غور کئے جانے کے لائق ہے کہ یہ ادوار کیا واقعی اسلام کے عروج کا زمانہ تھے؟ سچ یہ ہے کہ جو کچھ عروج تھا وہ اس حکومت کو تھا جو اسلام کے نام پر حاصل کی گئی تھی اور بدقسمتی سے آج تک اسی کو اسلام کا عروج سمجھا جارہا ہے۔ کیا کوئی مجھے بتا سکتا ہے کہ امیر معاویہ کے زمانے میں اسلام کو کونسا عروج حاصل ہوا؟ ان کا دورِ حکومت خالص دنیا کے بندوں کے لئے لائقِ ستائش ہے، مگر نبیؐ کے دین کے لئے تو وہ بربادی کا دور تھا۔ علامہ راغب تحریر کرتے ہیں کہ:

''معاویہ کی سیاست اس لئے کامیاب تھی کہ وہ بے دین تھے''

سوال یہ ہے کہ جو بے دین تھا اس نے دین کو کیا عروج دے دیا؟ البتہ

انھوں نے حکومت کے پائے مضبوط کیے۔ امیر معاویہ کی بے دینی خود حضرت علیؑ کے زمانے میں اس عروج پر تھی کہ انھوں نے بدھ کے دن نمازِ جمعہ پڑھا دی تھی۔ (تاریخ طبری۔ حالات صفین) حضرت علیؑ کے بعد تو وہ کھلے چھوٹ گئے۔ اب تو وہ خود خلافت مآب تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے دست و بازو مغیرہ، زیاد اور دوسرے ایسے لوگوں کو اپنی حکومت کی باگیں تھمائیں جو بے دینی میں میرٹ رکھتے تھے۔ ان کے دورِ حکومت میں دنیاوی ترقیاں جس تیزی سے ہوئیں، دین اور دینداری کا تنزل اس سے بھی کہیں زیادہ تیز رفتاری سے ہوا۔

کیا یزید کا زمانہ اسلام کے عروج کا زمانہ تھا؟ امیر معاویہ نے جن ترکیبوں سے یزید کو امت کے سر پر مسلط کیا، وہ تو خود ہی سب بے دینی پر مبنی ترکیبیں تھیں۔ پھر یزید کے دور میں کس دینداری کی توقع ہو سکتی تھی۔ اس زمانے میں تو وہ سب کچھ ہو گیا جس کے سبب مسلمانوں کی تاریخ آج تک شرم سے گھٹنوں میں منہ چھپائے بیٹھی ہے۔

آپ عمر بن عبدالعزیز کے دور کو چھوڑ کر، کہ اس نے کچھ اصلاحات کی کوششیں کیں، بنی امیہ کے پورے دورِ حکومت میں دین دکھائیں۔ کیا یہ ایک ایسا برتن نہیں تھیں جس کے اندر کا سب کچھ الٹ دیا گیا ہو؟ جن خلافتوں میں زبردستی مسلمان بنائے جائیں، مسلمان بن جانے کے بعد بھی جن سے جزیہ لینے کے احکامت صادر ہوں۔ جہاں نومسلموں سے امتیاز برتا جائے، جہاں مسلمانوں میں درجہ بندی ہو، جہاں اختلافِ نظریات کی بنیاد پر گردنیں اڑادی جائیں، جہاں اختلافِ عقائد کی بنیاد پر لوگوں کو زندہ دیواروں میں چنوادیا جائے۔ جہاں کتوں کی طرح سونگھ سونگھ کر ایک کمیونٹی کا قتل عام کیا جائے، جہاں ماؤں کی گودوں میں بچے ذبح کر دیے جائیں، جہاں بیت المال کچھ خاص لوگوں کے لئے وقف ہو جائے، جہاں مخصوص لوگوں کے وظیفے بند کر دیے جائیں، جہاں حالتِ نشہ میں امامتِ نماز ہوتی ہو، جہاں صبح کی چار رکعتیں پڑھائی جاتی ہوں، جہاں عورتیں امامتِ نماز کے لئے بھیج دی جاتی ہوں، جہاں

رقص و سرور کی محفلیں آراستہ ہوتی ہوں، جہاں محترم اور دیندار لوگوں کو کوڑے لگائے جاتے ہوں، جہاں احکاماتِ قرآن و سیرتِ رسولؐ یاد دلانے پر لاٹھیاں برسائی جاتی ہوں، جہاں قرآن پر تیر چلائے جاتے ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔آپ وہاں کون سا اسلام تلاش کر رہے ہیں؟ یہ ایک ایسا برتن ہے جس کا نام تو اسلام ہے، مگر الٹ دیا گیا ہے تو خالی ہے۔ عجب بات ہے کہ جن کے کردار سے کراہت اور نفرت ہوتی ہے، ہم محض اپنے عقیدے کو بچائے رکھنے کے لئے بھی ان کے حامی ہیں۔ یہ تو بذاتِ خود ہمارے اندر ایک خالی برتن ہے۔

یہ پیشین گوئی محض انھیں ادوار تک محدود نہیں ہے۔ انھیں ادوار کے اثر سے، حضرت کی پیشین گوئی کو آیئے ہم اپنے دور میں بھی دیکھ لیں۔ آج بھی یہ پیشین گوئی اس قدر اثر انگیزی رکھتی ہے کہ معلوم ہوتا ہے جیسے حضرتؑ نے خالص ہمارے دور ہی کے لئے یہ باتیں کہی ہوں۔

کیا آج کے دور میں بھی اسلام کو الٹ نہیں دیا گیا ہے؟ کیا آج نام نہاد مسلمانوں کے سبب لوگ اسلام سے نفرت نہیں کر رہے ہیں؟

کیا ''جہاد'' کا جو نظریہ اسلام نے مظلوموں کو self defence کے لئے دیا تھا اس کو قطعی الٹ کر ''دہشت گردی'' میں تبدیل نہیں کر دیا گیا ہے؟ کیا واقعی جہاد بازاروں میں، مسجدوں میں، عبادت گاہوں میں، اسکولوں میں، تفریح گاہوں میں، عوامی مقامات پر بم دھماکے کر کے بے گناہوں، بیماروں، بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کو قتل کر دینے کا نام ہے؟ کیا کسی نوجوان بچے کا brain wash کر کے یا اس کے گھر والوں کو قتل کر دینے کی دھمکی دے کر زبردستی اسکے جسم میں بم فٹ کر کے کسی مقام پر بھیج کرا سے ریموٹ سے اُڑا دینا جہاد ہے؟ کیا معصوم بچوں کو اسکول میں مشین گن کی گولیوں سے بھون ڈالنا جہاد ہے؟ مسافروں، صحافیوں، عالمی امن کمیٹیوں کے ارباب کو اغوا کر کے مطالبۂ تاوان اور نہ ملنے پر ان کی گردنوں کو انتہائی سفاکی سے کاٹ ڈالنا

جہاد ہے؟ جہاد کا مطلب تو اسلام کو سر بلند کر دینے کا عمل تھا۔ ان ماڈرن مجاہدین نے اسلام کو کتنا سر بلند کیا ہے۔ اگر آج قرآن سے جہاد کی آیتوں کو ہٹانے کا مطالبہ کچھ انتہا پسند تنظیمیں کر رہی ہیں تو کیا وہ اس غلط تشریح کا نتیجہ نہیں ہے؟ کیا کچھ علماء ہیں جو اس دہشت گردی کو جہاد کہہ سکتے ہیں۔ اگر کہہ سکتے، یا کہتے ہیں تو کیا واقعی وہ علماء ہیں یا علماء نما ہیں۔

آج افغانستان، یمن، شام، عراق، لبنان اور نائجیریا میں کیا ہو رہا ہے؟ کیا اسلام یہی ہے؟ کیا اسلام انھیں خبیث طبیعت مجاہدین کے ذریعہ فروغ پائے گا جو اسلام دشمن ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں اور خود اسلام دشمن ہیں؟ جوان لڑکیوں کو اغوا کر کے اپنے پاس رکھنا، یہی اسلام ہے؟ مغرب کی تمام وحشیانہ باتوں کو اپنانا اور انگریزی تعلیم کی مخالفت کرنا، یہی اسلام ہے؟ کیا ان کے پیش نظر پیغمبرِ اسلام کی وہ حدیث نہیں ہے کہ ''تم علم حاصل کرو چاہے تمھیں چین جانا پڑے۔'' چین میں تو اس وقت تک شمعِ اسلام روشن نہیں ہوئی تھی۔ نہ پیغمبرؐ کا مقصد یہ تھا کہ مجھے چھوڑ کر اسلام کی تعلیم چین جا کر حاصل کرو۔ وہاں صنعت کا عروج تھا اور پیغمبرؐ کا مقصد انھیں تعلیمات کی طرف تھا۔ آج اس حدیث کی روشنی میں جدید ٹیکنالوجی سے انحراف کیا پیغمبرؐ کی حدیث سے انحراف نہیں ہے؟ کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ کافر جنگی قیدیوں سے پیغمبرؐ ان کی رہائی کا یہ سودا کرتے تھے کہ وہ جو صنعت (لوہار، بڑھئی، کتابت یا کچھ اور فن) جانتا ہو اس میں دس مسلمانوں کو ماہر کر دے اور آزاد ہو جائے۔ یہ جاہل ''بوکو حرام'' والے ماڈرن تعلیم سے بندوقوں کی قوت پر روک کر اسلام اور مسلمانوں کی کون سی خدمت انجام دے رہے ہیں؟ یہ مسلمانوں کو آگے کی طرف لے جانے کی فکر میں ہیں یا پیچھے کی طرف دھکیل رہے ہیں۔ کیا یہ اسلام ہے؟ کیا یہ الٹا ہوا برتن نہیں ہے۔ بے گناہ مسلمانوں پر گولیاں برساتے ہیں، تعلیم سے روکتے ہیں، جوان لڑکیوں کو اغوا کرتے ہیں، لیکن اس کا اسلام پکا اور وہ خود پکے مسلمان ہیں۔

''داعش'' اس خونخوار خلافت کی بھٹکتی روح ہے جو سقیفہ میں پیدا ہوئی اور ترکی میں دفن ہوئی۔ یہ بھی اسلام ہی کے نام پر اٹھے ہیں۔ ان کے نام میں بھی اسلام جڑا ہے۔ یہ خلافت کی مردہ لاش کو متحرک کرنے کی فکر میں ہیں۔ انھیں اپنے کارناموں پر فخر ہے۔ یہ لوگوں کو اغوا کر لیتے ہیں، پھر انھیں جانوروں کی طرح ذبح کر ڈالتے ہیں۔ ذبح کرنے کی ویڈیو سوشل میڈیا پر جاری کرتے ہیں تاکہ اسلام کی خدمت ہو سکے۔ پھر کٹے ہوئے سروں سے فٹ بال کھیلتے ہیں، لاشوں کو ایامِ جاہلیت کی طرز پر مُثلہ کرتے ہیں۔ سُنّی، شیعہ، کرد، ایزدی، یہودی، عیسائی، سب کے سب جو ان کے مذہبی نقطۂ نظر کے حامی نہیں ہیں، لائق گردن زدنی ہیں۔ اُن کا مال و اسباب اور عورتیں مالِ غنیمت ہیں۔ عورتوں کی نیلامی اور تجارت اسی طرح ہوتی ہے، جیسے منڈیوں میں کنیزیں ایامِ جاہلیت میں نیلام ہوا کرتی تھیں۔ جن پر قابو پا جاتے ہیں، ان کے ساتھ وہی سلوک کرتے ہیں جو سلوک فاتح، مفتوح کے ساتھ ایامِ جاہلیت میں کرتے تھے۔ ماں باپ کی آنکھوں کے سامنے ان کی چھوٹی چھوٹی اولادوں کے سر کاٹ کر دیواروں پر سجائے جاتے ہیں۔ حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر کے، ان کے جنین کے سر کاٹ دیئے جاتے ہیں۔ مخالف سپاہی کو قتل کر کے اس کا پیٹ چاک کر کے، اس کا جگر نکال کر کچا چباتے ہیں۔ پھر اس تصویر کو سوشل میڈیا پر جاری کرتے ہیں۔

کیا واقعی ان کا اسلام سے کچھ تعلق ہے؟ کیا ان کا اسلام خالی برتن کے علاوہ کچھ اور ہے؟ کیا ان کے اسلام میں سوائے چہرے پر داڑھی کے کچھ اور بھی ہے؟ کیا ان کے اسلام نے اسلام کر بدنام کرنے کی کوشش نہیں کی؟

لادین اور مُلّا عمر نے بھی افغانستان میں اسلام کی ایک شکل پیش کی تھی۔ قرآن شریف کے اس حکم کے باوجود کہ دین میں جبر نہیں ہے، انھوں نے غالب آکر نوجوانوں کو کوڑے مار مار کر داڑھیاں رکھوائیں۔ انھوں نے عورتوں کو حجاب پہنانے کے لئے ان پر سختیاں کیں۔ تعلیمِ نسواں کو حرام قرار دے کر لڑکیوں کے اسکولوں کو مسمار

کرا دیا۔ یہ بیچارے یہ نہ جانے کہ ایک مرد بے تعلیم رہ جائے تو ایک فرد بے تعلیم رہ جاتا ہے، لیکن ایک عورت بے تعلیم رہ جائے تو ایک نسل بے تعلیم رہ جاتی ہے۔ اختلافِ عقائد کے لئے ان کے یہاں کوئی گنجائش نہیں۔ شیعہ فرقے کا واجب القتل ہونا، ان کے گویا آئین میں شامل رہا۔ نتیجۃً تھوڑے سے وقت کے اقتدار میں شیعوں اور دوسرے عقیدے کے لوگوں کا کھل کر قتلِ عام ہوا۔ سوشل میڈیا پر جو تصاویر جاری ہوئیں، ان میں بعض تصاویر ایسی بھی تھیں جہاں کٹے ہوئے سروں کا ڈھیر ایک طرف لگا، ہاتھ ایک طرف، پیر ایک طرف، دھڑ ایک طرف یہ سب قتلِ عام بنامِ اسلام ہوتا رہا۔ افغانستان سے تو اقتدار ختم ہوا، مگر پاکستان اور دنیا کے دوسرے ممالک میں جہاں جہاں طالبان کا اثر ہے، وہاں بے گناہوں کا قتلِ عام آج بھی کھل کر ہو رہا ہے۔ زائرین کو بسوں سے اتار اتار کر گولیوں سے بھون ڈالنا، نوجوانوں کو جانوروں کی طرح ذبح کرنا، ان تصاویر کو سوشل میڈیا پر فخر سے پوسٹ کرنا، اسکولوں میں بے گناہ بچوں پر گولیاں برسانا، بم بلاسٹ کرنا، ٹارگٹ کلنگ، اسکالرس، ڈاکٹرس، پروفیسرس اور انجینئروں کا قتل، سرکاری عمارتوں، سپاہیوں اور افسروں پر حملے کرنا یہ سب ان کا شعار ہے۔ کیا ان لوگوں نے اسلام کو الٹ نہیں دیا ہے؟ یہ کون سا اسلام ہے اور کس اسلام کی یہ لوگ اشاعت کر رہے ہیں۔ کیا محمدؐ کا اسلام ہے یہ؟ دنیا میں آج مسلمانوں کی تصویر ایک دہشت گرد قوم کے علاوہ اور کیا رہ گئی ہے؟ مغربی طاقتیں اسلام اور مسلمانوں کو جیسا دکھانا چاہتی تھیں، ان نام نہاد مسلمانوں نے اسے ثابت کر دیا ہے۔

جس قتل و غارت، خونریزی، دہشت گردی، درندگی اور سفاکی کو ہم ''جہاد'' کہہ رہے ہیں، وہ جہاد کا عین الٹا اور قطعی برعکس ہے۔ آج غیر مذاہب کی طرف سے خصوصاً ہندو انتہا پسندوں کی جانب سے عدالتوں میں کہا جا رہا ہے کہ قرآن سے جہاد سے متعلق آیتوں کو نکال دینا چاہیے۔ کیا واقعی یہ صورتِ حال ''جہاد'' کی ہولناک صورت پیش کرنے سے پیدا نہیں ہوئی؟ کیا ہم اسلام دشمن طاقتوں کو ان کے مقاصد

میں کامیاب ہونے میں مددگار نہیں ہیں۔ جہاد تو اسلام کا ایک پاکیزہ فریضہ تھا، جس کا مقصد اسلام کو سربلند کرنا تھا۔ اور یہ سربلندی جہاد بالعمل، جہاد باللسان، جہاد بالنفس، اور جہاد بالقلم سے ہے۔ اور جن جگہوں پر جہاد بالسَّیف کی طرف متوجہ کیا گیا ہے، وہ تمام وہ مواقع ہیں جہاں پر اسلام پر جارحیت کا الزام نہیں لگایا جاسکتا۔ مگر افسوس کہ چند لوگ، چند تنظیمیں، اور چند حکومتیں اسلام دشمن طاقتوں کا آلہ کار بنی ہوئی ہیں۔ اسلام کو بدنام کیا جارہا ہے اور اس کی تعلیمات کو الٹ دیا گیا ہے۔

غالباً ایسے لوگوں ہی کے لئے حضرتؑ نے اسی خطبے میں یہ الفاظ استعمال کئے ہیں:

> ''لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ کو ناپسندیدہ وہ بندہ ہے جسے اللہ نے اس کے نفس کے حوالے کر دیا ہے، اس طرح کہ وہ سیدھے راستے سے ہٹا ہوا ہے۔''

اسی خطبے کا ایک جزو یہ ہے:

> ''وہ زمانہ ایسا ہوگا کہ جس میں خوابیدہ مومن ہی بچ کر نکل سکے گا کہ جو سامنے آنے پر جانا، پہچانا نہ جائے اور نگاہ سے اوجھل ہونے پر ڈھونڈا نہ جائے۔''

علامہ سید رضی فرماتے ہیں کہ یہاں ''خوابیدہ مومن'' سے مراد وہ شخص ہے جو گمنام اور بے شر ہو۔ یہ پیشین گوئی آج کے حالات میں بھی جاری ہے اور ممکن ہے کہ آنے والے وقتوں میں اس کے اور زیادہ نمایاں اثرات کو ہم اور ہماری اگلی نسلیں دیکھیں۔

نے علمِ غیب اور اسرارِ نہاں اپنے رہنماؤں کو عطا فرمایا ہے۔ انبیاءِ کرام اور ائمۂ ہدیٰ کے علمِ غیب پر اعتراض کرنے والے کوئی قطعی موقف اختیار کرنے سے پہلے قسمِ دوم کی ان آیات کو نہ جانے کیوں فراموش کر دیتے ہیں۔ سورۂ کہف کی آیت نمبر ۶۵ میں حضرت خضرؑ کے علم کے بارے میں ارشاد ہوا

۔۔۔۔۔۔ وعلّمناہ مِن لّدنّا عِلما

ہم نے انھیں علم لدنی عطا کیا تھا۔ (سورۂ کہف، آیت: ۶۵)

حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ارشاد ہوا:

و اُنبِّئکم بما تأکلون و ما تدّخرون فی بیوتکم

میں تمھیں خبر دیتا ہوں اس کی جو تم کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو۔ (سورۂ آلِ عمران ۔ ۴۹)

حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں سے کہا:

''میں نہ کہتا تھا مجھے اللہ کی وہ نشانی معلوم ہے جو تم نہیں جانتے۔''

سورۂ یوسف کی آیت نمبر ۱۰۲ رمیں یوں آیا:

ذالک من انباء الغیب نوحیہ الیک

''یہ خبریں ہم تمھاری طرف وحی کرتے ہیں۔''

سورۂ نساء کی آیت ۱۱۳ رمیں آیا:

وانزل اللہ علیک الکتاب والحکمۃ و علمک مالم تکن تعلم

''اور خدا ہی نے تو تم پر اپنی کتاب اور حکمت نازل کی اور جو باتیں تم نہ جانتے تھے، تمھیں سکھا دیں۔''

حضورِ اکرمؐ کے علمِ غیب سے متعلق اعلان فرمایا:

تلک من انباء الغیب نوحیھا الیک ما کنت تعلمھا انت ولا قومک من قبل ھٰذا (۱۱:۴۹)

عقل حیران کردینے والی

خوارج سے متعلق دوسری پیشین گوئیاں

جنگِ نہروان نے خوارج کا قصہ بہ ظاہر پاک کر دیا تھا۔ ۲۵۰۰۰ ر کے اس لشکر میں سے یا تو لوگ تائب ہو گئے اور راہ راست پر آگئے تھے یا پھر نہروان کے معرکے میں ذلت کے ساتھ عین حضرتؑ کی پیشین گوئی کے مطابق قتل کر ڈالے گئے۔ پورے میدان میں صرف ۹ر لوگ زندہ بچ کر جا سکے، جو خارجی عقیدے پر قائم تھے۔ ان میں بھی کوئی با اثر سردار نہ تھا، بلکہ یہ سب بے اثر اور گمنام اشخاص تھے۔ پھر یہ کہ یہ ۹ لوگ بھی کسی ایک سمت یا ایک شہر میں بھاگ کر نہیں پہنچے۔ ان میں سے دو عمان کی طرف بھاگے۔ دو سجستان کی طرف نکل گئے۔ دو کرمان کی طرف بھاگے۔ ۲ر جزیرے کی طرف بھاگے اور ایک یمن کی طرف چلا گیا۔

اس صورتِ حال سے مطمئن ہو کر آپ کے اصحاب نے یہ کہا کہ خوارج ختم ہو گئے اور اس تحریک نے اب ہمیشہ کے لئے دم توڑ دیا۔ خوارج کی نہروان میں جو تباہی اور صفائی ہوئی تھی، اس کے پیشِ نظر یہ بات غلط بھی نہیں تھی۔ خوارج کے سارے

سردار مارے گئے تھے اور جو ۹ ر لوگ جان بچا کر بھاگے تھے، وہ منظم نہیں تھے، کسی ایک جگہ جمع نہیں تھے، منتشر تھے۔ اور اب وہ اس پوزیشن میں تھے ہی نہیں کہ اپنے عقیدے کا کسی کے سامنے اظہار بھی کرسکیں۔ تحریک پر کام کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ لہٰذا آپؑ کے لشکر میں جو خیال پیدا ہوا کہ خارجیوں کا قصہ ہمیشہ کے لئے پاک ہوگیا، حالات کی مناسبت سے بالکل درست تھا۔ جب حضرتؑ کو اپنے اصحاب کے اس اطمینان کی خبر ملی تو آپ نے اس کے بالکل برعکس اس طرح فرمایا:

> ''ہرگز نہیں۔۔۔۔۔۔۔ابھی تو وہ مردوں کے صلبوں اور عورتوں کے شکموں میں موجود ہیں۔ جب بھی ان میں کوئی سردار ظاہر ہوگا تو اُسے کاٹ کر رکھ دیا جائے گا، یہاں تک کہ ان کی آخری فردیں چور اور ڈاکو ہوکر رہ جائیں گی۔'' (نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۵۹)

یہ پیشین گوئی ایسی ہے کہ جتنی مرتبہ آپ پڑھیں گے، مولائے کائنات کی امامت پر عقیدہ پختہ اور پختہ ہوتا چلا جائے گا۔ جب کہ خوارج کا قصہ اور نظریہ ختم ہو چکا ہے۔ حضرت کے اصحاب اب ان کے ختم ہونے کا ذکر کر رہے ہیں مگر حضرت علیؑ آنے والی نسلوں میں ابھی خوارج کے پیدا ہونے کا اعلان فرما رہے ہیں۔ یہ پیشین گوئی بالکل اس انداز میں کی گئی ہے کہ جیسے قرآن کریم میں سورۂ اِنّا اعطینا میں کی گئی ہے۔ اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبرؐ کی اولاد کثیر کی پیشین گوئی کی ہے، اور یہ بشارت اس وقت دی گئی ہے جب آپؐ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا انتقال ہوگیا تھا۔ بہ ظاہر نسل چلنے کے امکانات ختم ہو گئے تھے اور سارا کافر معاشرہ پیغمبرؐ کو ''ابتر'' کہہ کر طعنہ زن تھا۔ سب کفار مطمئن تھے کہ پیغمبر مقطوع النسل ہو چکے ہیں اور دین چلنے کے امکانات نے دم توڑ دیا ہے۔ عین اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبرؐ کی تشفی کے لئے یہ سورہ نازل فرما کر پیشین گوئی کی کہ آپ کو ابتر کہنے والے خود ابتر ہیں، اور آپ کو اولادِ کثیر عطا کی گئی ہے۔ بظاہر یہ بات حالاتِ حاضرہ کے بالکل خلاف تھی۔ پیغمبرؐ کے بیٹے

ابراہیم انتقال کر چکے تھے اور پیغمبر کو جو لوگ ابتر کہہ رہے تھے ان میں سے ہر ایک کے کئی کئی اولادیں موجود تھیں۔ لیکن آج حالات ہمارے سامنے ہیں۔ رسولؐ کی نسل پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اور ابولہب اور ابوجہل جیسے کفارِ مکہ، جو پیغمبر کو ابتر کہہ رہے تھے، ان کی نسلیں ڈھونڈھے نہیں پائی جاسکتیں۔

یہی صورتِ حال اس پیشینگوئی میں ہے۔ حالاتِ حاضرہ کے بالکل برعکس حضرتؑ بیان دے رہے ہیں، خوارج جب کہ ختم ہو چکے ہیں۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ ابھی مستقبل میں یہ پیدا ہوں گے اور ہمیشہ سر اٹھانے پر مار کھائیں گے اور آخر میں اپنی تحریک سے ہٹ کر چور ڈاکو بن جائیں گے۔

اس پیشین گوئی میں سب سے مزے کی بات یہ ہے کہ حضرت علیؑ یہ نہیں فرماتے کہ ''ابھی یہ نظریہ اور باقی رہے گا۔'' اگر محض اتنا فرماتے تو ہم سمجھ سکتے تھے کہ جو لوگ تائب ہو کر مسلمان ہو گئے ہیں، ممکن ہے پھر خوارج کے نظریہ پر پلٹ جائیں۔ یا ۹ ر لوگ جو خارجیوں میں باقی ہیں، ممکن ہے وہ محنت کر کے کچھ اور لوگوں کو گمراہ کر ڈالیں اور اس نظریہ کی تجدید ہو جائے۔ لیکن حضرتؑ تو یہ فرما رہے ہیں کہ ''ابھی تو وہ مردوں کے صلبوں اور عورتوں کے رحموں میں موجود ہیں۔'' یہ تو آئندہ پیدا ہونے والی نسلوں کا نظریہ بیان کیا جا رہا ہے۔ کیا ایک عام انسان کے لئے ممکن ہے کہ وہ ان لوگوں کے عقیدے کے بارے میں بتائے جو ابھی پیدا نہیں ہوئے ہیں، ان کے ڈاکو مزاج ہونے کا اعلان کرے جو ابھی وجود کا جامہ نہیں پہنے ہیں۔ نسلوں کا مزاج پڑھنے والی آنکھ صرف معصوم کی آنکھ ہوتی ہے۔ آیئے اب تاریخ میں اس پیشین گوئی کے اثرات کو تلاش کرتے ہیں۔

اس پیشین گوئی کے بعد حضرت علیؑ کے بعد والے زمانے میں خوارج اور ان کی شرانگیزیوں اور ان کے عبرت ناک انجام کی ایک پوری فہرست ہے۔ حضرتؑ کے بعد جو مختلف ادوار میں خوارج کے مشہور مشہور سردار پیدا ہوئے، انکے نام یہ ہیں:

۱۔ نافع بن ارزق ۲۔ نجدہ بن عامر ۳۔ عبداللہ ابن ایاز ۴۔ ابوبیہس ہیلم ابن جابر ۵۔ عروہ ابن اویہ ۶۔ قطری ابن فجاری ۷۔ شوزب ۸۔ جوترہ ابن وداع اسدی ۹۔ مستورد ابن عرفہ ۱۰۔ شبیب ابن یزید ۱۱۔ عمران بن حرب سرابی ۱۲۔ زحاف ابن طائی ۱۳۔ زہیر ابن علی سلیطی ۱۴۔ علی ابن بشیر ۱۵۔ عبیداللہ ابن بشیر ۱۶۔ عبیداللہ ابن ماجور ۱۷۔ ابوالوازع ۱۸۔ عبیداللہ ابن یحییٰ کندی ۱۹۔ ضحاک بن قیس شیبانی ۲۰۔ سعید بن بہدل وغیرہ۔

یہ ایک پورا سلسلہ ہے جو بنی امیہ کے دور سے لے کر بنی عباس کے حکمرانوں کی حکومتوں تک پھیلا ہوا ہے۔ مختلف ادوار میں ان سرداروں کے زیرنگیں پورے لشکر اس عقیدہ پر قائم تھے اور انھوں نے اسلامی حکومتوں میں زبردست شورشیں برپا کیں، مگر ہر شورش کا آخر نتیجہ وہی ہوا جس کا اعلان حضرت پاکؑ نے اپنی حیات میں کر دیا تھا۔ یہ لوگ ہمیشہ حکومتوں کے عتاب کا شکار رہے۔ ان کی شورش کو جب بھی دبایا گیا، مع سردار بڑی تعداد میں خوارج کا قتل عام ہوا۔ یہ بڑی عبرت انگیز داستانیں ہیں۔ جن مشہور حکمرانوں سے خوارج کا ٹکراؤ رہا وہ زیاد بن عبداللہ، عبیداللہ ابن زیاد، مصعب ابنِ زبیر، حجاج بن یوسف، مہلب بن صفیرہ وغیرہ ہیں ۔ ان ہی لوگوں نے خوارج اور ان کے بڑے بڑے لیڈروں کو مختلف فوجی اقدامات کے تحت چن چن کر قتل کیا۔

اموی حکمران عبدالملک بن مروان کے زمانے میں اُس کے خونریز گورنر حجاج بن یوسف سے تو خارجی سردار شبیب کے تقریباً ۵۰ معرکے ہوئے، جو اپنے آپ میں ایک ریکارڈ ہے۔ لیکن اس کے باوجود آخری نتیجہ حضرت امام پاک کی پیشین گوئی پر ختم ہوا۔ آخری پچاسویں معرکہ میں شبیب کا سر کاٹ کر خلیفہ عبدالملک کو بھیجا گیا اور وہاں اسے دربارِ عام میں نمائش کے لئے رکھا گیا۔

خارجیوں کا ایک سردار نجدہ بن عامر تو ۶۶ ہجری میں باقاعدہ یمامہ پر حکمراں بن گیا۔ اس نے یمامہ پر ۷۰ ہجری تک باقاعدہ حکومت بھی کی۔ بعد میں اس

کا انجام بھی وہی ہوا جس کی پیشین گوئی کردی گئی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب بنی امیہ عبداللہ ابن زبیر کی فوجوں سے لڑ رہے تھے اور مکہ کو مرکز بنا کر ابن زبیر نے بھی سخت ٹکر دے رکھی تھی۔ اسی الجھاؤ کا فائدہ اٹھا کر اس نے یمامہ میں غلبہ حاصل کرلیا۔ لیکن ۷۰ ہجری میں وہ اپنے انجام کو پہنچا اور اس کا سر اتار کر نمائش کی گئی۔

خارجیوں کو نشو و نما کا سب سے زیادہ موقع عبدالملک بن مروان کے زمانے میں ملا۔ ان کی سب سے زیادہ شورشیں اسی دور میں ہوئیں۔ عبدالملک کیونکہ عبداللہ ابن زبیر سے برسر پیکار تھا، لہٰذا اس کو بہت زیادہ خوارج کی طرف توجہ کرنے کا موقع حاصل نہیں ہوا۔ اسی لئے انھوں نے ہر طرف خوب سر اٹھایا۔ لیکن اس کے باوجود اس کے زمانے میں جہاں جہاں بھی انھوں نے شورش بپا کی، کامیابی سے ہم کنار نہ ہو سکی اور اس کے فوجی افسروں نے باوجود اس کے کہ خوارج بڑی بے جگری سے لڑتے تھے اور اپنے سے بڑی فوجوں کو ہرا دیتے تھے، ان کو کچل دیا۔ عبدالملک نے اپنے ایک جنرل مہلب ابن ابی صفرہ کو خارجیوں کی بغاوت دبانے پر مامور کیا ہوا تھا۔ چنانچہ اکیلے نیشا پور میں تقریباً ایک سال تک ان خارجیوں سے اس کا مقابلہ رہا، پھر بھی یہ بغاوت کنٹرول نہیں ہو پا رہی تھی۔ مگر آخر کار خارجیوں میں آپسی پھوٹ پڑنے پر اس کو کچھ کامیابی نصیب ہو سکی۔ خوارج کے ایک گروہ نے دوسرے گروہ کو مار کر طبرستان کی طرف نکال دیا۔ تب مہلب نے اس غالب گروہ پر حملہ کر کے قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔ خوارج کا جو گروہ طبرستان کی طرف نکل گیا تھا، گورنر حجاج بن یوسف نے ایک فوج ان کی طرف بھیج دی اور اس فوج نے چن چن کر ان خوارج کو قتل کر ڈالا۔

۷۶ ہجری میں خوارج کے ایک سردار صالح بن مسرح نے موصل میں شورش بپا کی۔ معرکوں کے بعد آخر صالح مارا گیا۔ بچے ہوئے خارجیوں نے شبیب بن یزید کو اپنا سردار معین کر لیا۔ وہ ان سب باقی لوگوں کو لے کر مدائن کی طرف نکل گیا۔ مگر حجاج نے فوجیں بھیج کر ان کا تعاقب کیا۔ شبیب کے ساتھ کُل ایک ہزار لوگ تھے مگر انھوں

نے حجاج کی ۵۰،۰۰۰ فوج کو بھی شکست دے دی۔ مگر آخر کار پیشین گوئی کے مطابق یہ ایک ہزار کا لشکر اور سردارِ لشکر شبیب تلوار کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''تاریخِ اسلام'' اکبر شاہ نجیب آبادی، جلد ۲، صفحہ ۴۶-۱۴۵)

خارجیوں کا یہ فتنہ گو کہ وقتی طور پر دب گیا، مگر یہ لوگ موقع کی تلاش میں رہے اور وقتاً فوقتاً سر اٹھاتے رہے۔ جب عمر بن عبدالعزیز کا زمانۂ خلافت آیا تو انھوں نے حکومت کے خلاف بغاوت نہ کرنے کا عہد کیا۔ سلسلۂ بنی امیہ میں وہ اکیلا نیک سیرت بادشاہ تھا۔ اس کے طرزِ حکومت اور عادلانہ نظام سے متاثر ہو کر ہی انھوں نے بغاوت نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ ایک چھوٹی سی بغاوت اس زمانے میں بھی انھوں نے خراسان میں کی، لیکن عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عامل کو انھیں قتل نہ کرنے کی ہدایت کی اور انھیں اپنے پاس مناظرہ کے لئے بلوایا۔ عمر ابن عبدالعزیز نے بذاتِ خود ان سے مناظرہ کیا اور حضرت علیؑ کی حقانیت کے دلائل دے کر انھیں لاجواب کر دیا۔ کُل ملا کر اُن کے زمانے میں یہ لوگ خاموش ہی رہے۔

مروان بن محمد بن مروان، جس کو کہ مروانِ ثانی بھی کہا جاتا ہے اور یہی بنی امیہ کا آخری تاجدار ہے، اس کے زمانے میں انھیں پھلنے پھولنے کا خوب موقع ملا۔ کیونکہ یہ بنی امیہ کے زوال اور بنی عباس کے ابھار کا زمانہ تھا۔ بنی امیہ اپنے وجود کی لڑائی لڑ رہے تھے۔ ان کے ضعف کا فائدہ اٹھا کر خراسان کے خارجیوں نے مل کر ضحاک بن قیس شیبانی کی سرداری میں کوفہ پر حملہ کر کے کوفہ پر قبضہ حاصل کر لیا۔ اس کے بعد اس نے موصل پر حملہ کیا۔ اس کے ساتھ ایک لاکھ کا لشکر تھا۔ یہ بات غور کرنے سے تعلق رکھتی ہے کہ نہروان کی جنگ کے خاتمہ پر لوگ خارجیوں کی بربادی دیکھ کر کہہ رہے تھے کہ یہ نظریہ اب ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکا ہے، مگر حضرت علیؑ نے فرمایا تھا کہ ان کا زور ابھی بہت ہوگا۔ حضرت علیؑ کی پیشین گوئی میں بیان کردہ ان کے اس زور کا اندازہ ضحاک کے لشکر کی تعداد دیکھ کر لگایا جا سکتا ہے۔ کہاں خارجی صرف ۹ باقی رہ

گئے تھے، کہاں ایک لاکھ کا لشکر ان کے سردار کے پاس تھا۔ گوکہ یہ بنی امیہ کا بالکل آخری دور اور قطعی زوال کا زمانہ تھا، مگر حضرت علیؑ کی پیشین گوئی تھی کہ ''جب بھی ان میں کوئی سردار اٹھے گا تو اسے کاٹ کر رکھ دیا جائے گا۔'' لہٰذا یہی ہونا تھا۔ اپنے تمام ضعف کے باوجود مروان بن محمد نے مقابلہ میں ضحاک کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد اس لشکر کی کمان سعید بن بہدل نے سنبھالی، لیکن وہ بھی مارا گیا۔ اس کے بعد شیبان بن عبدالعزیز کے ہاتھوں پر بیعت کی گئی مگر یہ بھی قتل ہوا۔

حجاز و یمن وغیرہ میں بھی اسی طرح بغاوتیں ہوئیں۔ خارجیوں کا سردار ابوحمزہ مدینہ پر قابض ہو گیا اور اس کے بعد شام کی طرف پیش قدمی کی۔ محمد بن مروان نے ابن عطیہ سعدی کو اس سے مقابلہ کے لئے بھیجا اور یہ خارجی سردار اس کے ساتھ مقابلہ میں وادی القریٰ میں قتل کر ڈالا گیا۔ یمن میں عبیداللہ ابن یحییٰ نے سر اٹھایا۔ اس کی بغاوت کو فرو کرنے کیلئے بھی ابن عطیہ کو مروان ثانی نے روانہ کیا۔ انتہائی سخت مقابلہ میں ابن عطیہ نے عبیداللہ یحییٰ کا سر کاٹ کر مروان کو تحفہ میں بھیجا۔ اس طرح حضرت امیرؑ کی گئی پیشین گوئی لفظ لفظ اور حرف حرف پوری ہوئی جو تاریخ میں آج بھی سانس لیتی ہوئی زندہ حقیقت ہے۔

بنی عباس کے دور میں خوارج کے بعد والے سردار پیدا ہوئے۔ یہ عین اسی فطرت اور اطوار پر قائم تھے جن کا ذکر حضرت پاکؑ نے فرما دیا تھا۔ یہ لوگ اپنی تحریک سے ہٹ چکے تھے اور ان میں اپنے نظریات پر مر مٹنے کی للک باقی نہ تھی۔ ان کے فوجی اقدامات اب پیشہ ورانہ لوٹ پاٹ کے لئے ہوتے تھے اور ان کا قیام اب اپنے عقیدہ کو رائج کرنے یا اس کی حفاظت کے لئے نہ تھا بلکہ یہ اقتصادی ضرورتیں پوری کرنے کیلئے بستیوں اور شہروں پر چڑھائی کرتے اور مسافروں اور قافلوں کو لوٹتے تھے۔ چنانچہ حمزہ بن اترک جو کہ ہارون الرشید کے زمانے میں خارجیوں کا سردار ہوا، اس کے متعلق اکبر شاہ نجیب آبادی نے جو کچھ تحریر کیا ہے، اس سے حضرتؑ کی ماضی میں

کی گئی پیشین گوئی پوری ہوگئی۔ اکبر شاہ تحریر فرماتے ہیں:

''برامکہ نے وہب بن عبداللہ اور حمزہ بن اترک کو بغاوت پر آمادہ کر دیا تھا۔ وہب تو مارا گیا لیکن حمزہ باقی تھا۔ وہ ابھی تک ہاتھ نہیں آیا تھا اور جا بجا ڈاکہ زنی کرتا پھر رہا تھا۔'' (تاریخِ اسلام۔ جلد ۲)

ایک دوسرے خارجی سردار ابو طالوت کے بارے میں یہی مورّخ تحریر فرماتے ہیں:

''یہ قافلوں پر چھاپے مارتے اور مسافروں کے لئے راستوں کو پُر خطر بناتے تھے۔ ٦٦ ہجری میں ان لوگوں کو یہاں تک تقویت حاصل ہوئی کہ وہ شہروں کو لوٹنے اور غارت کرنے لگے۔'' (تاریخ اسلام، جلد ۲)

کیا یہ تحریریں وہی بیان نہیں کر رہی ہیں جو حضرت پاکؑ نے ان لوگوں کے وجود میں آنے سے پہلے بیان فرمادیا تھا۔ آپ جب اسلامی تاریخوں کا مطالعہ کریں گے اور بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانے میں ہونے والی مختلف بغاوتوں کی طرف نظر کریں گے تو آپ کو خوارج کی ہی بغاوتیں سب سے زیادہ نظر آئیں گی۔ لیکن ان میں سے کسی بغاوت کو کامرانی نصیب نہیں ہوئی۔ اگر کچھ عرصہ کے لئے انھوں نے کسی شہر پر قبضہ کر کے تھوڑے وقت پوزیشن مضبوط بھی کر لی تو بھی آخری انجام ان کا وہی ہوا جو حضرتؑ نے بیان فرمادیا تھا۔ یہ تلواروں کی دھار پر رکھ لئے گئے اور انھیں برباد کر دیا گیا۔ جب آپ بنی عباس کے دور میں ان کی سرداری کا مطالعہ تاریخی کتب میں کریں گے تو آپ بنی امیہ کے دور کے خارجی سرداروں میں، جو کہ پہلے دور کے سردار ہیں، اور بنی عباس کے دور کے سرداروں میں، جو کہ خارجیوں کے آخری سردار تھا، بہت نمایاں فرق محسوس کریں گے۔ شروع کے سردار عقائد کے لئے لڑتے تھے، اور یہ بعد والے مال و متاع کے لئے لوٹ مار کرتے اور ڈاکے ڈالتے تھے۔ نہج البلاغہ میں حضرت امیرؑ نے خارجیوں کے متعلق جو کچھ کہا تھا، عین وہی ہوا۔ یہ ایک طرف

حضرت امیرؑ کی امامت کی دلیل ہے اور دوسری طرف نہج البلاغہ کے حضرت علیؑ کا کلام ہونے کی دلیل ہے۔ جو لوگ ''نہج البلاغہ'' کو حضرت علیؑ کا کلام نہیں تسلیم کرتے، وہ بتائیں کہ پھر یہ پیشین گوئیاں کس طرح کی گئیں اور کس طرح پوری ہوئیں۔

تاتاریوں کے قتل و غارت گری کی پیشین گوئی

(چنگیز خان)

"میں ایسے لوگوں کو دیکھ رہا ہوں جن کے چہرے ان ڈھالوں کی طرح ہیں جن پر چمڑے کی تہیں منڈھی ہوئی ہوں۔ وہ آبریشم و دیبا کے کپڑے پہنتے ہیں اور اصیل گھوڑوں کو عزیز رکھتے ہیں اور وہاں کشت و خون کی گرم بازاری ہوگی، یہاں تک کہ زخمی کشتوں کے اوپر سے ہوتے ہوئے گزریں گے اور بچ کر بھاگ نکلنے والے اسیر ہونے والوں سے کم ہوں گے۔" (خطبہ نمبر ۱۲۶)

یہ ۱۲۶ رکا وہی خطبہ ہے جس میں ابھی پیچھے ہم علی بن ابراہیم کی گفتگو کر آئے ہیں۔ خطبے کا یہ دوسرا حصہ ہے اور یہ پیشین گوئی تاتاریوں کے لئے فرمائی ہے، علامہ مفتی جعفر صاحب قبلہ فرماتے ہیں:

"امیرالمومنینؑ کی یہ پیشین گوئی تاتاریوں کے متعلق ہے۔"

تاتاری غیر متمدِن قوم تھی۔ یہ چین کے پہاڑی علاقوں طمقاج وغیرہ میں رہتے تھے۔ پہاڑوں، درّوں اور منگولیا کے جنگلوں میں رہنے کے سبب ان کے

''یہ غیب کی باتیں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں، اس سے پہلے آپ اور آپ کی قوم ان کو نہیں جانتی تھی۔''

خدا کے بعد سب سے زیادہ علم رسول اللہ کے پاس ہے:

''علمہ شدید القویٰ'' (نجم : ۵)

سورۂ جن کی آیات ۲۶، ۲۷ میں ارشاد ہوا :

عالم الغیبِ فلا یُظهِر علیٰ غیبہٖ احداً الّا من ارتضیٰ من رسولٍ فانہٗ یسلک من بین یدیہ و من خلفہٖ رصداً

''وہی غیب داں ہے اور اپنی غیب کی باتیں کسی پر ظاہر نہیں کرتا، مگر جس پیغمبر کو پسند فرمائے تو اس کے آگے اور پیچھے نگہبان (فرشتے) مقرر فرما دیتا ہے۔''

سورۂ تکویر کی آیت ۲۴ر میں ارشاد ہوا :

وما هو علی الغیب بضنین

''اور وہ غیب کی باتوں کے ظاہر کرنے میں بخیل نہیں۔''

سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۷۹ر میں اس طرح رقم ہوا :

ما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولٰکنّ اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء

''اور خدا ایسا بھی نہیں ہے کہ تمھیں غیب کی باتیں بتادے، مگر (ہاں) خدا اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے، (غیب بتانے کے واسطے) چن لیتا ہے۔''

مذکورہ آیات قرآن کریم میں معصومینؑ کے علمِ غیب پر بھر پور دلالت کرتی ہیں۔ منطقی طور پر بھی یہ بات قابلِ غور ہے کہ اگر ایک الٰہی نمائندہ ایک دَور اور ایک ماحول کے لئے ہوتا تو شاید اسے علمِ غیب کی قطعی ضرورت نہ ہوتی۔ لیکن ایسا نمائندہ جو حلقۂ شام وسحر سے بلند ہو کر جاودانی قیادت کا حامل ہو، اس کے لئے بہت سے ایسے امور سے واقفیت لازم ہے جو دوسرے لوگوں سے پوشیدہ ہوں۔ لہٰذا اللہ رب العزت

چہرے شہری بودوباش رکھنے والوں کے چہروں سے قدرتی طور پر کچھ الگ تھے۔ یہ ایک سائنسی حقیقت ہے اور ہمارے مشاہدے میں ہے کہ جس طرح کے حالات، موسم، ماحول اور ملک میں آدمی پیدا ہوتا ہے، جسمانی طور پر اس کے چہرے کی بناوٹ اور رنگ وروپ اسی موسم اور ماحول کے مطابق ہوتا ہے۔ ایشیا کے مختلف ممالک میں پیدا ہونے والوں کا رنگ روپ الگ الگ ہوتا ہے، جبکہ ایشیا سے یوروپ والوں کا رنگ روپ، چہرہ الگ طرح کا ہوتا ہے۔ حبشی افریقی لوگوں کی رنگت سیاہ، ناک چپٹی، اور بال گھنگھریالے ہوتے ہیں، جبکہ برٹش لوگوں کا رنگ گورا، ناک کھڑی، اور بال سنہرے ہوتے ہیں۔ دراصل یہ گرم اور ٹھنڈے ممالک میں پیدا ہونے اور رہنے کا اثر ہوتا ہے۔ پتھریلے اور جنگلی علاقوں میں رہنے کے سبب تاتاریوں کے چہرے اسی طرح کے تھے جیسا کہ حضرتؑ نے بتایا ''ڈھالوں کی طرح چمڑے کی تہیں جمی ہوئی ہوں۔'' ان کا لباس وہی تھا جس کی حضرت پاکؑ نے پیشین گوئی فرمادی تھی۔ یہ جنگل سے حاصل شدہ آبریشم اور ریشمی لباس پہنتے تھے، بہترین قسم کے گھوڑے ان کی ضرورت بھی تھے اور ان کا شوق بھی۔ یہ گھوڑے ان پتھریلے اور سخت راستوں میں ان کے بہترین ساتھی تھے۔ ان کا سردار چنگیز خان تھا۔ یہ انتہائی بہادر، انتہائی ہوشیار اور زیرک تھا۔ اس کی اصل ترکوں کا قبیلہ تمرجی تھا۔

طمغاج کی ان پہاڑیوں میں جہاں یہ آباد تھے، ترکستان کا سفر ان دنوں کم از کم چھ ماہ کی مسافت کا تھا۔ چنگیز خان نے تیاری کے ساتھ ترکستان اور ماوراءالنہر پر فوج کشی کی اور یہاں پر جو ترک قابض تھے، ان پر غالب آگیا۔ ان سے ان کا ملک چھین لیا اور خود حاکم بن گیا۔ ظاہر ہے اب اس کی طاقت بہت زیادہ بڑھ گئی۔ اس نے بہت ہی منظم منصوبہ کے ساتھ خوارزم شاہ پر حملہ کیا۔ اس نے خراسان اور بلاد جبل پر فتح حاصل کی اور اس کے بعد ارانیہ اور شروان پر چنگیز خان قابض ہوگیا۔ اُس نے اپنا ایک گروہ غزنی، بجستان، کرمان، وغیرہ کی طرف بھیجا اور اس طرح خوارزم شاہ کی گھبرا

بندی کی، خوارزم شاہ ۴ رلاکھ کے کثیر لشکر کے ساتھ مقابلے کو نکلا، مگر بقول اکبر شاہ نجیب آبادی، ان وحشی اور جنگلی حملہ آوروں کی تعداد بے شمار تھی اور یوں لگتا تھا جیسے آدمیوں کا کوئی سیلاب امنڈ آیا ہو۔ آخر کار حملہ کی سختی سے خوارزم شاہ گھبرا کر طبرستان بھاگ گیا۔

خوارزم شاہ پر حملہ میں تاتاریوں نے جو درندگی دکھائی، وہ تاریخ میں دل دہلا دینے والے انداز میں رقم ہیں۔ علامہ مفتی جعفر صاحب قبلہ شارح نہج البلاغہ فرماتے ہیں:

''تاتاریوں نے بخارا کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ مسجدوں اور مدرسوں کو مسمار اور گھروں کو پھونک کر راکھ کا ڈھیر کر دیا۔ بلا امتیاز زن و مرد، سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور اگلے سال سمرقند پر یورش کی اور اسے تباہ وبرباد کر کے رکھ دیا۔''

کچھ اور آگے تحریر فرماتے ہیں:

''اس اثناء میں تاتاریوں نے آباد زمینوں کو ویران اور نسل انسانی کو تباہ کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، نہ کوئی شہر ان کی غارت گریوں سے بچ سکا، نہ کوئی آبادی ان کی پامالیوں سے محفوظ رہ سکی۔ جدھر کا رخ کیا، مملکتوں کو تہ وبالا کر دیا۔ حکومتوں کا تختہ الٹ دیا۔ اور تھوڑے عرصے میں ایشیا کے بالائی حصہ پر اپنا اقتدار قائم کر لیا۔''

چنگیز خان کا لشکر جہاں جہاں پہنچا، وہ قتل عام کیا کہ آج بھی ان حالات کے سننے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ اس کا لشکر کسی پر رحم نہیں کرتا تھا۔ اس کی زد میں بچہ، بوڑھا، مرد، عورت جو آیا تلوار پر رکھ لیا گیا۔ تاتاریوں کی درندگی کا یہ عالم تھا کہ یہ حاملہ عورتوں کا سر قلم کر کے پیٹ چاک کر ڈالتے تھے اور پھر جنین کو شکمِ مادر سے نکال کر اس کا سر کاٹ ڈالتے تھے۔

کوفہ کے حالات کی پیشنگوئی

''اے کوفہ! یہ منظر گویا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ تجھے اس طرح سے کھینچا جا رہا ہے جیسے بازارِ عکاظ کے دباغت کئے ہوئے چمڑے کو۔ اور مصائب و آلام کی تاخت و تاراج سے تجھے کچلا جا رہا ہے اور شدائد و حوادث کا تو مرکب بنا ہوا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ جو ظالم و سرکش تجھ سے برائی کا ارادہ کرے گا اللہ اسے کسی مصیبت میں جکڑ دے گا اور کسی قاتل کی زد پر لے آئے گا۔'' (خطبہ نمبر ۴۷)

حضرت پاکؑ نے اس پیشین گوئی میں کوفہ کی آنے والی تاریخ کی نشاندہی فرمائی ہے۔ یہ پیشین گوئی کرتے وقت حضرتؑ خود حاکمِ کوفہ تھے۔ کون کہہ سکتا تھا کہ آنے والے ۵۰ سال میں کوفہ کا حال کیا ہوگا؟ لیکن حضرتؑ تو گویا سب کچھ اپنی امامت کی آنکھوں سے ملاحظہ فرما رہے تھے۔ چنانچہ اس خطبہ میں جو اطلاع مولا علیؑ نے دی ہے وہ آج ہم تاریخ کے اوراق پر بکھری دیکھ رہے ہیں۔ حضرتؑ نے کوفہ کے مستقبل کے بارے میں جو کچھ فرمایا تھا آج وہ کوفہ کا ماضی بن چکا ہے اور حضرت علیؑ کی صداقت پر مہر کر رہا ہے۔

کوفہ میں اکثر و بیشتر بنی امیہ نے بڑے خونخوار قسم کے گورنر معین کیے تھے۔اس کی وجہ شاید یہ رہی کہ یہاں فوجی چھاؤنی تھی اور یہاں کے لوگ مزاج کے اعتبار سے بڑے غیر معتدل تھے۔ بدعہدی، بے وفائی، رقابت، وعدہ شکنی اور اپنے مفادات کے آگے ہر چیز کو بے معنی سمجھنا ان کا شعار تھا۔عیاری اور مفاد پرستی خون بن کر اُن کی رگوں میں دوڑ رہی تھی۔ وہ اکثر و بیشتر حکومت کے خلاف اقدامات کرتے تھے،لیکن حکومت کا ذرا دباؤ پڑتے ہی تحریک کے لیڈر کو تنہا چھوڑ کر الگ ہو جاتے تھے۔چنانچہ کوفہ کے سخت گیر حاکموں میں سے ایک زیاد بن ابیہ نے ۵۱ ہجری سے ۵۳ ہجری تک حکومت کی۔ زیاد بن ابیہ سے پہلے معاویہ کی طرف سے حاکم کوفہ مغیرہ بن شعبہ تھا۔انہیں حضرت نے یزید کی بیعت کا سب سے پہلے شوشہ چھوڑا اور معاویہ کو اس طرف متوجہ کیا تھا۔ درآصل معاویہ اُن سے کسی بات پر نالاں تھے اور قرین قیاس تھا کہ ان کی گورنری ختم ہو جائے۔ اس کی بھنک لگتے ہی مغیرہ دوڑے ہوئے شام چلے آئے۔امیر معاویہ نے اس طرح اچانک آنے کا سبب معلوم کیا تو مغیرہ نے کہا کہ ایک اہم خیال آیا۔آپ سے بات کرنی ضروری تھی تو چلا آیا۔ معاویہ نے اس اہم خیال کے بارے میں معلوم کیا تو مغیرہ نے کہا ''میں چاہتا تھا کہ حضور اپنے بعد یزید کی ولی عہدی کے لئے بیعت لے لیں۔'' یہ امیر معاویہ کی کمزور نس تھی۔ مغیرہ ان کے دل کی بات جانتے تھے اور جانتے تھے کہ امیر معاویہ حالات کی ناسازگاری کے سبب یہ بات اپنی زبان تک نہیں لا پاتے۔ امیر معاویہ بھونچکے رہ گئے۔ بولے ''مگر یہ بیعت کس طرح ممکن ہوگی۔'' مغیرہ بن شعبہ نے یہ ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ اس طرح اپنی گورنری بچانے میں تو کامیاب ہو گئے مگر امیر معاویہ کو ایک ایسے پُر پیچ اور تباہ کن راستہ پر دھکیل گئے جس سے باہر آنا اب ان کے بس کی بات نہ تھی۔ مغیرہ نے اپنے وعدہ کے مطابق یزید کی بیعت کے لئے ناہموار اور پُر خار راستوں کو درست کرنا شروع کیا۔مگر مغیرہ کے بعد معاویہ نے زیاد کو کوفہ کو گورنر بنا دیا۔ اس کا اہم ترین سبب یہ تھا کہ

معاویہ یزید کی بیعت کے لئے زیاد کو سب سے زیادہ موزوں آدمی خیال کرتے تھے۔ اوران کا یہ خیال ہرگز غلط بھی نہیں تھا۔ یہ آدمی خوفِ خدا اور رسولؐ سے بری تھا۔ دین اس کے لئے اقتدار پانے کا ایک کھلونا تھا اور اس کی ساری وفاداریاں امیر معاویہ کے لئے وقف تھیں۔ یہ درندہ صفت آدمی تھا۔ اس کے مزاج میں ظلم اور سفا کی یوں ہی عروج پر تھی کہ امیر معاویہ نے اسے جس خصوصی مشن پر بھیجا تھا اس کے سبب اس کے دونوں ہاتھ کھلے چھوڑ دیئے گئے تھے۔ چنانچہ اس کی سیاہ کاریوں سے آج تاریخ کے اوراق لبریز ہیں۔ آج کئی صدیاں گزرجانے کے بعد بھی اس کے ظلم کی دھمک اور مظلوموں کی کراہیں اور چیخیں تاریخ کے جھروکے سے دکھائی اور سنائی دے رہی ہیں۔ امیر معاویہ کا یہ سب سے منہ چڑھا اور پسندیدہ گورنر تھا۔ اس کی انتظامی صلاحیتوں اور اس کی اپنے تئیں کارآمد شخصیت کو دیکھتے ہوئے معاویہ نے جھوٹی گواہیاں دلا کر اسے پسرِ ابوسفیان ثابت کر کے اپنا بھائی بنالیا تھا۔

حضرت حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کو جھوٹی شہادتوں کے ذریعہ معاویہ کے ہاتھوں قتل کرانے کا بدترین کارنامہ جس سے تمام عالمِ اسلام تھرّا گیا تھا، اسی زیاد کی کاوش کا نتیجہ تھا۔ حجر کا قصور محض اتنا تھا کہ انھوں نے زیاد کو منبر سے حضرت علیؑ پر لعن کہنے سے جبراً روک دیا تھا۔ حجر کا مقام اس قدر بلند تھا کہ زیاد براہ راست اُن پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے خریدی ہوئی گواہیوں کے ذریعہ معاویہ کو یہ یقین دلایا کہ حجر باقاعدہ بغاوت کی تیاری کر رہے ہیں اور حضرت علیؑ کے شیعہ ان کی قیادت میں جمع ہو رہے ہیں۔ (حجر کا تفصیلی واقعۂ شہادت ہم نے اسی کتاب میں ''مقتولینِ معاویہ'' کے عنوان کے تحت رقم کیا ہے۔) کوفہ کے معززین کو ذرا دیر میں وہ بے عزت کردیتا تھا۔ شیعیانِ علیؑ کو اس نے جی بھر کر ظلم کی چکّی میں پیس ڈالا۔ وہ کافی عرصہ تک حضرت علیؑ کا دوست بن کر ان کے کارندے کے طور پر ان کے ساتھ رہ چکا تھا لہٰذا اسے کوفہ کے تمام شیعوں کے بارے میں تفصیلی اطلاعات تھیں۔ اس کے ظلم کا عالم

یہ تھا کہ ایک مرتبہ اُس نے رات میں گھر سے نکلنے پر پابندی عائد کردی۔ اتفاقاً ایک مسافر جو شام کے وقت ہی شہر میں داخل ہوا تھا، رات کو سڑک پر پکڑا گیا۔ اسے گرفتار کرکے زیاد کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے کہا ''امیر میں ایک مسافر ہوں۔ مجھے یہ علم ہی نہیں تھا کہ رات کو نکلنے پر آپ کی طرف سے پابندی عائد ہے۔ میں سرِ شام شہر میں داخل ہوا تھا اور اس اطلاع سے محروم رہا۔ میں نے ارادتاً یہ جرم نہیں کیا ہے، لہٰذا میری جان بخش دی جائے۔'' زیاد نے کہا ''یہ سچ ہے تو مسافر ہے۔ یہ بھی سچ ہے کہ تجھے یہ علم نہیں ہو سکا کہ کوفہ میں رات کو باہر نکلنے پر پابندی عائد ہے۔ یہ بھی سچ ہے کہ تو نے ارادتاً یہ جرم نہیں کیا۔ یہ بھی سچ ہے کہ تو بے گناہ ہے۔ مگر تجھے تو قتل ہونا ہی ہوگا، کیونکہ ایک بھی شہادت ایسی کیوں باقی رہے کہ زیاد نے شب میں باہر نکلنے والے کسی شخص کو زندہ چھوڑ دیا تھا۔'' وہ شخص اپنے غریب الوطن مسافر ہونے اور اپنی بے گناہی کی دُہائیاں دیتا رہا، گڑگڑاتا رہا اور اسی عالم میں جلاد کی تلوار کا نشانہ بن گیا۔ زیاد انتہائی شقی القلب اور سفاک آدمی تھا۔ اس کی یہ شقی القلبی شیعیانِ علیؑ کے لئے خصوصی طور پر تھی۔ کوفہ کو اس نے اپنے دورِ اقتدار میں آہنی چکی میں پیس ڈالا۔ ''زن بچہ کولہو پلوا دینے'' والی مثال اس پر صادق آتی ہے۔

جب اس نے کوفے کی حکومت سنبھال کر پہلا خطبہ دیا اور وہ منبر پر تھا تو اس پر پتھر پھینکے گئے، کیونکہ اس کے خطبے کا رخ بعد حمد و ثناء الٰہی اور تعریف رسولؐ کے بعد علیؑ پر لعن کی طرف پھر گیا تھا۔ زیاد نے فوراً خطبہ منقطع کر دیا اور جن دو ہزار سپاہیوں کو لے کر وہ بصرہ سے آیا تھا ان کو حکم دیا کہ مسجد کا چاروں طرف سے محاصرہ کرلیں اور کسی ایک کو نہ نکلنے دیں۔ پھر مسجد کے دروازے پر کرسی ڈال کر بیٹھ گیا اور چار، چار اشخاص کو بلا کر حلف لینے لگا کہ انھوں نے سنگریزے نہیں پھینکے تھے۔ کُل تیس آدمی ایسے نکلے جنھوں نے سنگریزے پھینکے تھے۔ اس نے ان تیسوں لوگوں کے ہاتھ قلم کرادیئے۔ (تاریخِ اسلام، جلد ۲، اکبر شاہ نجیب آبادی) کوفہ میں یہ اس کی خونریزی کی

opening تھی جو بعد میں خون کے دریا میں تبدیل ہوئی۔ مگر کوفہ اور بصرہ کا یہ حاکم جس کی آنکھ کے اشارے پر لوگوں کے ہاتھ کٹتے اور سر اترتے تھے، کیسی ذلت کی موت مرا، اکبر شاہ نجیب آبادی کی زبانی سنیئے:

> ''۵۳ ھجری میں زیاد ابن ابی سفیان مرضِ طاعون سے فوت ہوئے۔ امیرِ معاویہ کو ان کے فوت ہونے کا سخت ملال ہوا۔ زیاد نے امیر معاویہ سے فرمائش کی تھی کہ مجھ کو عراق اور فارس کے علاوہ حجاز و عرب کی حکومت بھی عطا کی جائے۔ امیر معاویہ نے اس فرمائش اور خواہش کو منظور کرلیا۔ لیکن اہل حجاز اس خبر سے خائف ہوئے اور عبداللہ بن عمر کے پاس گئے کہ زیاد کی حکومت سے کس طرح محفوظ رہیں۔ انھوں نے قبلہ رُو ہوکر دعا کی، سب نے آمین کہی۔ اس دعا کا نتیجہ یہ ہوا کہ زیاد کی انگلی میں ایک دانہ نکلا اور اسی میں وہ فوت ہوئے۔'' (تاریخ اسلام، جلد ۲)

بیان کا نتیجہ یہ نکلا کہ طاعون اور انگلی کے دانے کی تکلیف (septic) سے زیاد کی موت ہوئی۔ علامہ مفتی جعفر صاحب شیعہ عالمِ دین ترجمۂ نہج البلاغہ میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''جب اس نے امیرالمومنینؑ کے خلاف ناز سا کلمات کہنے کے لئے خطبہ دینا چاہا تو اچانک اس پر فالج گرا اور بستر سے نہ اٹھ سکا۔''

اگر ان تمام باتوں کو جمع کرلیا جائے تو بیان کا نتیجہ یہ نکلا کہ septic، فالج اور پھر طاعون کی مشترکہ ذلت آمیز موت اس کو ملی۔

زیاد کا بیٹا عبیداللہ ابن زیاد بھی کوفہ کا گورنر معین ہوا۔ وہ جفا کاری اور سفاکی میں اپنے باپ سے بہت زیادہ آگے نکل گیا۔ دشمنیٔ سادات اور دشمنیٔ اہلبیتؑ اس کی رگوں میں خون بن کر تیر رہی تھی۔ کوفہ کا چارج اس کو اپنے دورِ اقتدار میں یزید نے عطا کیا تھا، چنانچہ کوفہ پہنچ کر اس نے سب سے پہلا یہ کام انجام دیا کہ شیعیانِ حیدر

کرار کو گرفتار کرا کے انتہائی خوفناک اور اذیت ناک جیلوں میں ڈالا، یہ جیلیں محبانِ علیؑ کو قید کرنے کے لئے خصوصی طور پر ڈیزائن کرائی گئی تھیں۔ یہ اندھیری سرنگ نما اور اندھیرے کنویں نما قید خانے تھے، جن میں دن اور رات کی تمیز مشکل تھی۔ اس نے چاروں طرف اپنے جاسوس معین کر دیئے تھے تا کہ اہلبیتؑ اطہار کے چاہنے والوں کے متعلق ساری معلومات فراہم ہوں۔ اس نے کوفہ کے انتہائی معزز اور باوقار سردار ہانی بن عروہ کو محض اس پاداش میں سخت اذیتیں دے کر قتل کر ڈالا کہ انھوں نے حکومت کے حکم کے خلاف جا کر حضرت مسلم بن عقیل کو محبت رسول کے جذبہ کے تحت اپنے گھر میں پناہ دے دی تھی۔

حضرت مسلم بن عقیل سفیر امام حسینؑ کو انتہائی بے دردی کے ساتھ شہید کر کے ان کی لاش اطہر کو کوفہ کی گلی گلی میں تشہیر کرانا بھی ابن زیاد ہی کا کارنامہ تھا۔ جس قدر شیعیانِ حیدرِ کرّار اس کے ہاتھوں قتل کر ڈالے گئے، اس کا صحیح ریکارڈ بھی محفوظ نہیں ہے۔

امام حسینؑ کو مقتلِ کربلا میں اسی کے حکم سے گھیرا گیا اور اسی نے یزید کے احکامات کی تعمیل کرنے میں اتنی سرگرمی دکھائی کہ جب اسے یہ محسوس ہوا کہ عمر ابن سعد فوجی ایکشن لینے میں ڈھیل ڈھال برت رہا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ کوئی ایسی صورت نکل آئے کہ اس کے ہاتھ خونِ نواسۂ رسول سے بھی نہ رنگے جائیں اور 'رے' کی حکومت بھی ہاتھ سے نہ جائے، تو اس نے شمر ابن ذی الجوشن کو اس پر اس فرمان کے ساتھ مسلط کر دیا کہ اگر عمر سعد سستی دکھائے تو شمر فوج کی کمان ہاتھ میں لے لے۔

شہادتِ امامِ حسینؑ کے دل دوز سانحہ کے بعد اہلِ حرم اسی ملعون کے حکم سے گرفتار کر کے اس کے دربار میں پیش کئے گئے۔ مگر انجام وہی ہوا جو حضرت علیؑ نے کوفہ کی پیشین گوئی میں فرما دیا تھا۔ جب موت کی آندھی چلی تو ابن زیاد اس میں حقیر تنکے کی طرح بہہ گیا۔ امیر المومنین نے فرمایا تھا کہ ''جو کوئی تجھ سے (کوفہ سے) برائی کرے گا

اللہ اسے کسی مصیبت میں مبتلا کر دے گا اور کسی قاتل کی زد پر رکھ دے گا۔“

عبیداللہ ابن زیاد کے لیے یہ مصیبت مختار ثقفی کی شکل میں نمودار ہوئی اور آخر کار اس مصیبت نے اس کا پیچھا اسے ذلت کے ساتھ قتل کر کے ہی چھوڑا۔

مختار ثقفی اور ابن زیاد کی معرکہ آرائیاں اور واقعات کسی دلچسپ داستان سے کم نہیں۔ مختار دیگر شیعیانِ حیدر کرارؑ کی طرح ابن زیاد کی انتہائی سخت قید میں تھے، مگر فضلِ الٰہی سے انھیں ابنِ زیاد پر عجیب وغریب فتح حاصل ہوئی۔ تفصیلی واقعات '۶۶ ہجری واقعاتِ مختار' میں تواریخ میں رقم ہیں۔

مؤرخ ابوالفداء کا بیان ہے کہ ۶۶ ہجری میں مختار بن ابو عبیدہ ثقفی نے قصاصِ خونِ حسینؑ کے لیے خروج کیا اور ایک جماعت کثیر نے اس کا ساتھ دیا، حتیٰ کہ کوفہ پر مختار کا قبضہ ہو گیا۔ لوگوں نے مختار سے اتباعِ کتاب وسنتِ رسول وطلبِ قصاصِ خونِ حسینؑ کے معاہدہ پر بیعت کی۔ مختار نے اپنا عزم محض قاتلانِ حسین کا قتل کرنا قرار دیا۔ چنانچہ مختار نے شمر ابن ذی الجوشن کو قتل کیا، خولی کو آگ میں جلا دیا، عمر ابن سعد ابن ابی وقاص سردار لشکرِ یزید کربلا کو قتل کیا، قیس ابن اشعث کی گردن ماردی گئی۔ بحدل بن سلیم، جس نے ایک انگشتری کو لوٹنے کے لئے امام حسینؑ کی بعد شہادت انگلیاں کاٹ لی تھیں، کے ہاتھ پیر کاٹے گئے۔ حکیم بن طفیل پر تیر برسائے گئے۔ یزید بن مالک، عمران بن خالد، اور عبداللہ بن بجلی، عبیداللہ ابن قیس اور زرعہ بن شریک، صبیح شامی، سنان بن انس، اور حرملہ بن کاہل کو بدترین موت مارا۔ غرض یہ کہ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر مختار نے قاتلانِ حسینؑ کو واصلِ جہنم کیا۔

سنہ ۶۷ ہجری میں مختار نے اپنے جنرل ابراہیم بن مالک اشتر کو موصل کی جانب روانہ کیا کیونکہ عبیداللہ ابن زیاد وہیں پر قابض تھا اور مختار اس کا کٹا سر دیکھنے کی بہت تڑپ رکھتے تھے۔ وہ اپنی رہائی کے وقت کوفے میں ابن زیاد کے دربار سے یہ کہہ کر نکلے تھے ”میں نے اپنی آنکھوں سے تیرے دربار میں امام حسینؑ کے سر کی بے حرمتی

دیکھی ہے۔ میں جب تک تیرا کٹا ہوا سر اپنے پیروں کے نیچے نہ رکھ لوں گا، نہ نرم بستر پر سوؤں گا، نہ اپنے حرم کو ہاتھ لگاؤں گا۔''

چنانچہ ابراہیم بھی حضرت مختار کی تڑپ کو اچھی طرح محسوس کر رہے تھے، اس لئے ابراہیم پوری دل جمعی کے ساتھ اس مہم پر نکل کھڑے ہوئے۔ دورانِ سفر جب ماردین میں یہ لشکر پہنچا، تو وہاں کے حاکم وردان نے حضرت ابراہیم کو یہ اطلاع دی کہ ابن زیاد اپنی آل اولاد، غلاموں اور چالیس اونٹوں پر لدا ہوا مال میرے پاس چھوڑ کر گیا ہے۔ یہاں سے ۲۰ر فرسخ دور ''قرۃ العین مدینہ'' پر پہنچا ہوا ہے۔ حضرت ابراہیم نے پوچھا کہ اس کی کتنی اولاد تمہارے قلعے میں ہے؟ حاکم ماردین نے بتایا کہ تین بیویاں، چار لڑکیاں بڑی اور ۲ر لڑکیاں چھوٹی ہیں۔ چار لڑکے ہیں، جن میں بڑا ۲۰ر سال کا ہے۔ ۱۲۰ر غلام اور کنیزیں ہیں۔ ۴۰ر اونٹ مال سے لبریز ہیں۔ ۱۰۰ر صندوق قیمتی سامان اور پتھروں سے پُر ہیں۔

حضرت ابراہیم نے کہا ''وردان! سب کو میرے سپرد کردو۔'' وردان نے فوراً ہی کام کیا۔ ان سب کو دیکھ کر حضرت ابراہیم کی آنکھوں سے شعلے برسنے لگے۔ انھوں نے تقریر شروع کی:

> ''اے لوگو! ابن زیاد نے کربلا میں پیغمبرؐ کی آلِ پاک کے ساتھ جو سلوک کیا وہ تم میں سے کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ جن لوگوں کی آواز پر آواز بلند کرنے کو قرآن نے منع کیا تھا، اس ملعون کے حکم سے ان پاک ہستیوں کے جسموں پر تلواریں بلند کی گئیں۔ جن لوگوں کا جواب زمین وآسمان پر نہ تھا، ابنِ زیاد ملعون کے ہی حکم سے انھیں زمین پر گرا کر مارا گیا۔ اسی ملعون کے حکم سے نبیؐ پاکؐ کے حرم محترم رسیوں میں باندھ کر کشاں کشاں پھرائے گئے۔ اے لوگو! میں نے تہیہ کرلیا ہے کہ ابنِ زیاد اور اس کی ناپاک اولاد کے وجود سے اس دنیا کو خالی کردوں گا۔''

اپنے اولیاء کو جہاں بینی کے اسرار اور ماضی و مستقبل کے حوادث کا علم عطا کرتا ہے تا کہ ان کی قیادت جامع ترین قیادت قرار پائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ اور ان کے اہلبیتؑ کو بے شمار غیوب کا علم عطا کیا اور ان ہستیوں نے ہزاروں غیب کی خبریں امت کو دیں۔ ان خبروں میں کچھ کا تذکرہ قرآن کریم میں موجود ہے اور بہت سی غیب کی خبروں کا ذکر احادیث کی کتابوں اور سیر و تواریخ کے دفتروں میں مذکور ہے۔ ان میں ماضی کی خبریں بھی ہیں اور آئندہ رونما ہونے والے واقعات کی پیشین گوئیاں بھی ہیں۔

آیئے پہلے قرآن مجید، فرقان حمید میں موجود بعض پیشین گوئیوں کا مختصراً جائزہ لیتے ہیں۔ جس وقت رومیوں کے پاؤں ہر جگہ سے اکھڑ رہے تھے، اور ایرانی لشکر شام کے بڑے بڑے شہروں کو تاراج کرتا ہوا طوفانی رفتار سے آگے بڑھ رہا تھا، جان و مال کے بے پناہ نقصان کے باعث رومی حکومت نڈھال ہو چکی تھی اور ان کا میدان میں جمے رہنا ناممکن ہو گیا تھا۔ کفارِ مکہ رومیوں کو اہل کتاب ہونے کی بنا پر مسلمانوں کے مشابہ اور ایرانیوں کو آتش پرست ہونے کی بنا پر خود کے مشابہ گردانتے تھے۔ لہٰذا انھوں نے رومیوں کی شکست کو مسلمانوں کی شکست کا شگون سمجھا، اور اہلِ ایمان کو طعنے دینے شروع کر دیے۔ اس وقت سورہ روم کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جن میں (آیت ۱ ر سے ۲) پیشین گوئی کی گئی کہ چند ہی سالوں میں رومی غالب آئیں گے اور ایرانیوں کو شکست فاش ہوگی۔ جو لوگ روم اور ایران کے جنگی حالات سے باخبر تھے ان کے لئے یہ پیشین گوئی قطعی طور پر ناقابلِ یقین تھی۔ مشہور مؤرخ ایڈورڈ گبن اس پیشین گوئی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''اس وقت جب یہ پیشین گوئی کی گئی، کوئی بھی پیشگی خبر اتنی بعید از قیاس نہیں ہو سکتی تھی، کیونکہ ہرقل کے ابتدائی بارہ سال رومی شہنشاہیت کے خاتمے کا اعلان کر رہے تھے۔'' (سقوط و زوالِ سلطنتِ روما، جلد ۵، ص

ابراہیم کی تقریر سے لوگ اشکبار ہو گئے تھے۔ حضرت ابراہیم آگے بڑھے اور ایک ہی وار میں ابن زیاد کے بڑے لڑکے کا سرتن سے جدا کر دیا۔ اس کے بعد ابنِ زیاد کی اولادیں اور غلام قتل کیے گئے اور تمام مال و اسباب لشکر میں تقسیم کر دیا گیا۔ ابراہیم نے اب ابن زیاد کا تعاقب شروع کیا۔ بڑی ترکیبوں سے ابن زیاد کو وردان کے ذریعہ ''قرۃ العین مدینہ'' سے وردان کی طرف بلوایا گیا۔۔ ان ضمنی حملوں میں تقریباً ۳۰۰۰ دشمنانِ اہلبیت مارے گئے۔ مگر بہر حال ابنِ زیاد فرار ہو گیا۔ ابنِ زیاد جب وردان کے قریب پہنچا تو اس کو تمام حالات کا علم ہو چکا تھا کہ کس طرح اس کی اولاد قتل کر دی گئی اور مال و اسباب لٹ گیا۔ چنانچہ اس نے ماردین کا تہیہ ترک کیا اور ابراہیم اور ان کے ساتھیوں کے قتل کا تہیہ کر لیا۔ ادھر ابراہیم برابر ابن زیاد کا پیچھا کر رہے تھے۔ الغرض موصل کے نزدیک ''ماریشا'' کے مقام پر دونوں کا مقابلہ ہو گیا۔ سخت کشت وخون ہوا۔ اسی مقابلے میں ابنِ زیاد کے دھوکے میں اس کا غلام حاجب مارا گیا۔ یہ بڑا دشمنِ اہلبیت تھا اور ہزاروں محبانِ اہلبیت کا خون اس کے نام ہے۔ رات تک جنگ چلی۔ صبح ہوتے ہی ابن زیاد کا لشکر بھاگ گیا۔ لوگوں کو سخت ملال ہوا کہ ابن زیاد پھر ہاتھ سے نکل گیا۔ مگر ''روضۃ الصفاء'' کے مطابق، ابراہیم نے اپنے لوگوں سے کہا کہ مجھے گمان ہے کہ رات ابن زیاد میرے ہاتھوں مارا گیا۔ لوگوں نے کہا وہ کیسے؟ ابراہیم نے کہا کہ نہر جاذر کے کنارے شب کی تاریکی میں میرا مقابلہ ایک ایسے شخص سے ہوا جس کا عمامہ حریر کا تھا، جوشن سونے کا اور اس کے لباس سے مشک و عنبر کی خوشبو آ رہی تھی۔ امام حسینؑ کے خون کی ایک بوند ابنِ زیاد کی ران پر گر گئی تھی۔ وہاں ایک ناسور پیدا ہو گیا جو کسی طرح ٹھیک نہ ہوتا تھا اور اس سے بہت ہی تعفّن پیدا ہوتا تھا۔ لہٰذا ابن زیاد بدبو کو چھپانے کے لئے اپنے لباس میں مشک و عنبر کی تیز خوشبو استعمال کرتا تھا۔ اسی بناء پر ابراہیم کو شبہ تھا کہ مقتول ابن زیاد ہو سکتا ہے۔ چنانچہ فوراً تلاش شروع ہوئی۔ اب جو نہر کے کنارے جا کر دیکھا تو لوگوں کی خوشی کا کوئی

ٹھکانہ نہ رہا، کیونکہ یہ ملعون ابن زیاد ہی کی لاش تھی۔ ابن زیاد کے ایک غلام مہران نے
لاش کی باقاعدہ شناخت کردی ابراہیم نے اس کے جسم کو الٹا لٹکوادیا اور سر کاٹ کر لاش
کو جلوادیا۔ سر کو مختار کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔ جب ابن زیاد کا سر مختار کی خدمت میں
پہنچا تو مختار ناشتہ کر رہے تھے۔ سر دیکھتے ہیں فوراً سجدۂ شکر ادا کیا اور اپنے پیروں سے
ابن زیاد کے سر کو کچلا۔ پورے کوفے میں خوشیاں منائی گئیں۔ لوگوں نے نذریں کیں
اور نمازیں پڑھی گئیں۔ مختار نے ابن زیاد کا سر اس جگہ لٹکوادیا جہاں پر اس نے امام
حسینؑ کا سر لٹکوایا تھا۔ جہاں یہ سر لٹکوایا تھا، لوگوں نے دیکھا کہ ایک پتلا سانپ اس کی
ناک سے گھستا تھا اور منہ سے نکل جاتا تھا۔ علامہ سبط ابن جوزی لکھتے ہیں کہ یہ سلسلہ
تین دن تک چلتا رہا۔ تاریخ کامل میں ہے کہ عامر بن قافلہ نے دیکھا کہ مقام ''سدہ''
میں جب یہ سر رکھا تھا تو ایک سانپ ناک کے راستے گھستا تھا اور منہ سے نکلتا تھا۔ پھر
منہ سے گھستا تھا اور ناک کے ذریعہ نکلتا تھا۔ بعض اور مورخین نے بھی مختار کے دربار
میں ابن زیاد کا سر پہنچنے کے بعد بھی سانپ کی آمد و رفت اور منہ اور ناک میں گھسنے کے
واقعات بیان کئے ہیں۔

مختار کے بعد عبداللہ ابن زبیر کا بھائی مصعب ابن زبیر عبداللہ ابن زبیر کی
طرف سے حاکم بنا۔ اس نے مختار پر فتح حاصل کی تھی۔

مختار جب اپنے چند گنے چنے ساتھیوں کے ساتھ مصعب بن زبیر کے کثیر
التعداد لشکر سے انتہائی سخت مقابلہ میں تھے اور تقریباً جنگ ہار چکے تھے، تب زخموں
سے چور ہو کر مختار دیوار کے سہارے کھڑے ہی ہوئے تھے کہ دو بھائیوں طارق اور
طریف نے زبردست وار کئے۔ آپ جب زمین پر گر پڑے تو انھوں نے مختار کا سر
کاٹ کر مصعب کے پاس پہنچادیا۔ مصعب نے مختار کا سر اور ان کے دونوں ہاتھ کاٹ
کر جامع مسجد کوفہ کے دروازے پر لٹکادیے (تاریخ طبری۔ جلد ۴)

شہادتِ مختار کے بعد مصعب ابن زبیر نے مغلوب طبقہ پر وہی سب مظالم

کئے جو عموماً مصعب ابن زبیر جیسے غالب حکمراں کیا کرتے ہیں۔

مختار جب دارالامارہ میں محصور ہو گئے تھے تو انھوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا کہ میرے ہمراہ نکلو اور جنگ کرو، مگر ان کے ضعیف الایمان ساتھیوں کا کہنا تھا کہ ہم لوگ تو مصعب سے امان طلب کرلیں گے۔ مختار نے ہنس کر کہا تھا کہ مصعب کے تمام ساتھی قاتلانِ حسینؑ اور شامی ہیں۔ ان لوگوں نے نواسۂ رسول کو پناہ نہیں دی، تم کو کیا امان دیں گے۔ مگر وہ تیار نہ ہوئے اور پھر مصعب کی طرف سے مختار کا ساتھ چھوڑنے والوں کے لئے امان کا اعلان ہو گیا۔ اب بھلا مختار کا ساتھ کون دیتا۔ حضرت مختار نے دارالامارہ یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ ''موت تو بہرحال تمھارا مقدر بن چکی ہے۔ اگر مصعب نے امان دے بھی دی تو اہل کوفہ تمھیں کب چھوڑیں گے۔ کیونکہ تم نے ان کے ہر گھر سے کوئی نہ کوئی فرد قتل کیا ہے۔ مختار تو حالات کی تبدیلی اور بہت سے جنگی وجوہات کی بناء پر مصعب کے لشکر سے شکست کھا کر شہید کر ڈالے گئے، مگر ان کے بعد وہی ہوا جس کی مختار کو امید تھی۔ مصعب کی امان محض ایک فریب نکلی۔ شہادتِ مختار کے بعد جب دارالامارہ پر قبضہ ہوا تو ان لوگوں کے ہاتھ پیر رسیوں سے باندھ دیئے گئے۔ علامہ ابوالفداء کے مطابق ان کی تعداد ۷۰۰۰ تھی۔ انھیں اب مختار یاد آرہے تھے۔ مگر اب تو ذلت کی موت ان کا مقدر بن چکی تھی۔ چند گھنٹے پہلے اگر انھوں نے مجاہدانہ اقدامات کر کے موت کو گلے لگایا ہوتا تو وہ ایک شاندار کارنامے کے مالک ہوتے، مگر وہ آج تاریخ میں بزدلی اور ایک غلط فیصلے کی وجہ سے مختار سے بے وفائی کے مجرم اور بے پہچان مقتول بنے ہوئے ہیں۔

ان سب کو رسیوں سے باندھ کر ''کنانہ'' کے مقام پر لایا گیا۔ یہاں یہ گڑگڑاتے رہے اور مصعب کی امان کا حوالہ دیتے رہے، مصعب سے یہ کہتے سنے گئے:

''اے امیر! ہم تیری اطاعت میں ہیں۔ ہماری جان تو بخش دے گا تو جب کسی سے تیری جنگ ہوگی تو ہم اپنی جان تجھ پر واردیں گے۔''

مصعب کوفیوں کے دباؤ میں تھا۔ اس لیے اس نے اس فریاد پر کوئی توجہ نہ دی اور بقول مؤرخ ابوالفداء ''سب قیدیوں کے سر بھٹے کی طرح اُڑا دیئے گئے اور یہ تعداد ۷۰۰۰ رتھی۔'' کوفہ میں یہ مصعب بن زبیر کا خوں ریز داخلہ تھا۔

ان ۷۰۰۰ رلوگوں کو قتل کرنے کے بعد مصعب نے حکم دیا کہ جو بھی مختار کا ہمنوا نظر آئے، اسے بے تکلف قتل کردو۔ چنانچہ کوفہ کی گلیوں میں مختار سے تعلق رکھنے والوں کی لاشیں بچھادی گئیں۔

دارالامارہ میں داخلہ لے کر مصعب مختار کے حرم میں داخل ہوگیا۔ یہاں غم زدہ عورتیں مختار کا ماتم کررہی تھیں۔ اس نے سب کے رونے پر پابندی عائد کردی۔ پھر حکم دیا کہ مختار پر تبرا کرو۔ اس حکم کی تعمیل کرانے کے لئے مصعب کے سپاہی ننگی تلواریں لے کر عورتوں کے قریب کھڑے ہوگئے۔ آخر کار جان کے خوف سے انھوں نے مختار سے بیزاری کا اعلان کردیا، مگر مختار کی دو بیویاں ایسی تھیں جنھیں مصعب کی تلواریں متاثر نہ کرسکیں۔ ان میں سے ایک اُمِ ثابت بنت ثمرہ بنت جندب تھیں، اور دوسری عمرہ بنتِ نعمان بن بشیر انصاری۔ ان دونوں نے مختار پر لعن کہنے سے صاف منع کردیا۔ انھوں نے کہا ''ہم مختار کے بارے میں یہ جانتے ہیں کہ وہ نمازی تھا، دن میں روزہ رکھتا تھا، رات کو عبادتِ الٰہی کرتا تھا۔ اللہ کے بندوں کی مدد کرتا تھا، اور اس نے پیغمبرؐ کی آل پاک کا خون بہانے والوں کو قتل کیا۔'' مصعب نے اس وقت تو ان دونوں کو زندہ چھوڑ دیا، مگر یہ حالات عبداللہ ابن زبیر کو لکھ بھیجے۔ ابن زبیر نے پیغام بھیجا کہ دوبارہ دونوں سے گفتگو کرو، اگر مختار سے بیزاری کا اظہار کریں تو ٹھیک، ورنہ دونوں کے سر اتارلو۔ چنانچہ انھیں پھر طلب کیا گیا اور ننگی تلواروں کے سامنے مختار سے بیزاری کا حکم دیا گیا۔ بہت دباؤ پڑنے اور حالات سے بے انتہا مجبور ہوکر اُمِ ثابت نے مختار سے ان الفاظ میں بیزاری کی ''تو مجھے تلوار کے ڈر سے کفر کی طرف بلا رہا ہے تو لے میں کفر کرتی ہوں اور کہتی ہوں کہ مختار کافر تھا۔'' لیکن عمرہ بنت نعمان بن بشیر کو مصعب

کسی طرح مختار کے خلاف کلمات کہلوانے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ یہ یہی کہتی رہی کہ ''مختار عابد وزاہد تھا، اس نے رسول کا دل خوش کرنے کے لئے انتقام خونِ حسین لیا۔ وہ مردِ مومن تھا۔'' نتیجۃً اس کا سر تلوار سے اُڑا دیا گیا۔ الغرض کوفہ میں جس قدر شیعیان علیؑ مصعب کے ہاتھ آئے، سب کو تلوار کی زد پر لے لیا اور اس نے اچھی طرح کوفے میں خونریزی برپا کی۔

مگر حضرت پاکؑ کی نگاہیں کوفہ پر مظالم کرنے والوں کی متعلق جو دیکھ رہی تھیں، مصعب بن زبیر ان سے الگ کیسے ہوسکتا تھا۔ چنانچہ کوفہ کو لہو میں ڈبونے والے مصعب کا انجام بھی، حضرتؑ کی پیشین گوئی کے مطابق ہی ہوا۔ اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان عبداللہ بن زبیر کو باغی ڈکلیئر کر چکا تھا۔ ظاہر ہے ابن زبیر کی حکومت اور اعلان خلافت اس کے متوازی تھا، اس لئے وہ اسے کچل ڈالنے کا پورا تہیہ کئے ہوئے تھا۔ مصعب ابن زبیر کے کوفے پر قابض ہونے کے بعد اب کوفہ کا حاصل کرنا عبدالملک کے لئے چیلینج تھا۔ لہٰذا اس نے پوری طاقت سے کوفہ پر لشکر کشی کا ارادہ کرلیا۔ مصعب کو جب اس تیاری کا علم ہوا تو اس نے ایک بڑی فوج کوفے سے روانہ کردی۔ یہ فوج قرقیسیا میں جا کر ٹھہر گئی۔ عبدالملک کو جب اس لشکر کی اطلاع ملی تو اس نے بھی ایک لشکر جرار اس سے مقابلے کے لئے بھیج دیا۔ یہ لشکر قرقیسیا سے ۳ فرسخ پہلے آ کر ٹھہر گیا۔ الغرض جنگ شروع ہوئی۔ گھمسان کا رن پڑا۔ عبدالملک نے وہی ترکیب مصعب کے لئے آزمائی جو ترکیب مصعب نے مختار کے لشکر کے ساتھ اپنائی تھی، یعنی مصعب کے سرداروں کو بھاری رشوتیں دے کر میدان اپنے حق میں کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ عین حالتِ جنگ میں مصعب کے سردار اس کا ساتھ چھوڑنے لگے۔ ایک تو یوں ہی مصعب کی فوج عبدالملک کی فوج کے مقابلے میں کمزور اور کم تھی، اس افتاد نے مصعب کے ہوش اُڑا دیئے۔ لیکن میدان جنگ گرم تھا، کچھ بھی ممکن نہ تھا۔ جنگ کے شروع دور میں ہی اس کا بیٹا عیسیٰ مارا گیا۔ ایک شامی نے اس کا سر کاٹ لیا۔ بیٹے کے قتل نے

مصعب کو سخت ماتم میں بٹھا دیا۔ اس نے بڑا گریہ کیا اور چہرہ پر خاک مل لی۔ (روضۃ الصفاء، جلد ۳)

اس انتقامی جوش میں وہ زبردست حملہ کرتے ہوئے آگے بڑھا اور عبدالملک بن مروان کے خیمے تک پہنچ کر اس نے خیمے کی طنابیں کاٹ ڈالیں، مگر عین اسی وقت زائدہ بن قدامہ نے اس کے سر پر تلوار کا بھرپور وار کیا، جس سے وہ ایک دم زمین پر گر پڑا۔ یہ مشہور ہے کہ زائدہ نے یہ کاری ضرب لگاتے ہوئے کہا تھا ''یہ مختار ابن ابی عبیدہ کا بدلہ ہے'' زائدہ بن قدامہ مختار کے چچا زاد بھائی تھے۔ مصعب کے زمین پر گرتے ہی عبداللہ بن زیاد الطبیان نے اس کا سر کاٹ لیا، کیونکہ مصعب نے اس کے بھائی کو قتل کیا تھا۔ (تاریخ طبری، جلد ۴) اس کے بعد امویوں کا جو طریقہ تھا اس طور پر اس کی لاش کے ساتھ پیش آئے۔

اب کوفے کے ایک اور ظالم حاکم حجاج بن یوسف کا نام تاریخ ظلم کا جو بہت ہی معروف نام ہے، اس کا حال ملاحظہ فرمائیں۔ اس کا دورِ حکومت کافی طویل تھا۔ اس نے ۲۰ رسال تک عراق پر حکومت کی اور شوال ۹۵ ہجری میں اس کی موت ہوئی۔ محرم ۸۲ ہجری میں حجاج اور عبدالرحمٰن بن محمد کے درمیان لڑائیوں کا سلسلہ ہوا۔ عبدالرحمان بن محمد شکست کھا کر بھاگا اور کوفہ کے دارالامارہ پر قبضہ کر لیا۔ حجاج اس کا تعاقب کرتا ہوا آیا اور کوفے سے باہر دیر قرہ میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ عبدالملک نے اپنے بیٹے مروان بن محمد اور اپنے بھائی عبیداللہ کے ساتھ ایک کثیر لشکر حجاج کی مدد کے لئے بھیجا۔ یہ لڑائی تقریباً ایک سال تک چلی، مگر ۱۵ ر جمادی الثانی، ۸۲ ہجری کو حجاج نے کوفہ پر قبضہ کر لیا۔ عبدالرحمان بن محمد بصرہ بھاگ گیا اور حجاج نے کوفہ والوں کا عبدالرحمٰن کا ساتھ دینے کے جرم میں جی کھول کر قتل عام کیا اور عبدالملک کے لئے بیعت لی۔ پھر یہ ولید بن عبدالملک کی طرف سے جب گورنر کوفہ بنایا گیا تو اس کا پہلا خطبہ ہی انتہائی سنسنی خیز تھا۔ (تاریخ اسلام، جلد ۲، اکبر شاہ نجیب آبادی)

اس کی سخت گیری کا اندازہ لگانے کے لئے اس کا پہلا خطبہ جو اس نے کوفہ میں آکر دیا، ہمیں غور سے پڑھ لینا چاہیے۔ اکبر شاہ نجیب آبادی تحریر کرتے ہیں:

''کوفہ کے لوگ عموماً گستاخ اور اپنے امیروں اور حاکموں کی توہین و گستاخی کرنے کے عادی تھے۔ چنانچہ وہ سنگریزے مٹھیوں میں لے کر آئے تھے کہ دورانِ خطبہ سنگریزے اپنے اس نئے امیر پر پھینکیں گے۔ لیکن جب حجاج نے تقریر شروع کی تو لوگ سہم گئے۔ حجاج نے اپنی تقریر میں کہا کہ بہت سے عمامے اور داڑھیاں یہاں نظر آ رہی ہیں جو خون میں تر بتر ہونے والی ہیں، بہت سے سر اس مجمع میں نظر آ رہے ہیں کہ جن کے کٹنے کا زمانہ آ گیا ہے۔ امیر المومنین عبدالملک نے اپنے ترکش کے سارے تیروں کو دیکھا، جو ان تیروں میں سب سے سخت اور کاری تھا وہ تم پر چلا دیا، یعنی مجھے تم پر حاکم بنایا۔ میں تمھاری تمام شرارتوں کا علاج کر کے تم کو اچھی طرح سیدھا کر دوں گا۔ تم ایک عرصہ سے شرارتوں اور فتنہ انگیزیوں کا مرکز بنے ہوئے ہو، اب وقت آ گیا ہے کہ تم کو تعلیم دی جائے اور تمھاری آنکھیں کھول دی جائیں۔ امیر المومنین نے حکم دیا ہے کہ تمھاری تنخواہیں تقسیم کر دی جائیں اور تم لوگ مہلب کے پاس خوارج کے مقابلے کے لئے روانہ ہو جاؤ۔ تنخواہ تقسیم ہونے کے بعد تم کو صرف ۳ دن کی مہلت ہوگی، اور اگر چوتھے دن کوئی شخص کوفہ میں نظر آیا تو اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔ یہ بھی یاد رکھو کہ یہ محض دھمکی نہیں ہے، بلکہ تم اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔ میں جو کچھ کہتا ہوں، وہی کرتا بھی ہوں۔'' (تاریخ اسلام، جلد ۲)

چنانچہ یہی مؤرخ تحریر کرتے ہیں کہ ایک بوڑھے شخص نے جس کے جسم میں بڑھاپے کے سبب رعشہ تھا، آکر کہا کہ میں بوڑھا آدمی ہوں اور جسم میں رعشہ ہے، مجھے

معذور رکھیں، تو باوجود اس کے کہ اس نے اس کے جسم میں رعشہ دیکھا، اس کے قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ اس کو قتل کرکے اس کا گھر لوٹ لیا گیا۔

اسی طرح جب وہ بصرہ پہنچا اور وہاں مہلب کے لشکر میں لوگوں سے شامل ہونے کے لئے کہا، تو ایک شخص نے اپنے عارضۂ فتق میں مبتلا ہونے کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ حاکم بشیر بن مروان نے بھی میرا یہ عذر قبول کرلیا تھا، لہٰذا آپ بھی میری بیماری کے پیشِ نظر مجھے جنگ میں جانے سے بری کردیں، تو حجاج نے کہا 'لے میں بری کرتا ہوں' اور یہ کہہ کر فوراً ہی اس کا سر اتروا لیا۔

حجاج عبدالملک کا بڑا ہی وفادار گورنر تھا۔ چنانچہ مورّخ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی ''حجج الکرامہ'' میں تحریر کرتے ہیں کہ حجاج نے دورانِ خطبہ روضۂ رسول کے زائروں کا ذکر کرکے کہا کہ ان لوگوں کی خرابی ہو جو بوسیدہ ہڈیوں کا طواف کرتے ہیں اور قصرِ امیرالمومنین کا طواف نہیں کرتے۔ اس کے مظالم پر ذرا تفصیلی روشنی ہم ایک الگ پیشین گوئی میں کریں گے جو خصوصیت سے اس کے لئے کی گئی ہے۔ یوں سمجھئے کہ اس کے ظلم نے عراق والوں کی زندگی خراب کردی تھی۔ ۲۰/سال کے عرصہ میں اس نے اہل عراق کو یوں نچوڑ ڈالا جیسے لیموں کو شکنجہ میں رکھ کر نچوڑا جاتا ہے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ نے موت کو اس کا مقدر بنایا تو ایک معمولی سا سبب اسے فرشتۂ موت سے بچا نہ سکا اور وہ ذلت کی موت مر گیا۔

حجاج ایک دن نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوا تو ایک کیڑا اس کی طرف بڑھا، حجاج نے ہاتھ سے اس کو روکنا چاہا تو اس نے ہاتھ ہی میں ڈس لیا۔ معمولی سا یہ کیڑا وہ ''مصیبت'' بن گیا جس کا حضرتؑ نے اپنے خطبے میں ظالم حکمرانوں کے لئے ذکر کیا تھا۔ حجاج کا پورا ہاتھ متورّم ہوگیا اور حجاج سخت ترین تکلیف میں مبتلا ہوگیا۔ بہتر سے بہتر علاج بھی اس سے چھٹکارا نہ دلا سکا۔ آخرکار یہ ورم پورے ہاتھ میں پھیل گیا اور اس کے خون میں زہریلے اثرات (Septicaemia) پیدا ہوگئے۔ آخرکار وہ

اپنی اسی بیماری میں تڑپ تڑپ کر لقمۂ اجل بن گیا۔

۱۱۵ ہجری جب ہشام بن عبدالملک بن مروان کو تختِ حکومت اور نام نہاد خلافت ہاتھ آئی تو اس نے بھی عین اموی مزاج کے مطابق بدترین اور سخت ترین لوگوں کو اپنی حکومت کا حصہ بنایا۔ اُس نے انتہائی جابر اور ظالم گورنروں کو اطراف میں معین کر دیا۔ یہ خود ہی بہت شریر تھا، لہٰذا اس کی فطرت کے مطابق اس نے اپنی ذمہ دار cabinet معین کی۔ نتیجۃً اس کے زمانے میں بنی ہاشم کے ساتھ خصوصیت سے بہت ہی سختیاں کی گئیں۔ حضرت زید بن علیؑ کا واقعہ اس کے زمانے کا بدترین واقعہ ہے۔ یہ واقعات حضرت زید کے واقعات میں درج ہیں۔

جب ولید بن یزید کا سر کاٹ کر اس کا چچازاد بھائی یزید بن ولید خلیفہ ہوا تو اس نے عراق وخراسان کی گورنری سے یوسف بن عمر کو معزول کر دیا اور اس کی جگہ منصور بن جمہور کو عراق وخراسان کی حکومت دے دی۔ یوسف نے منصور کو باقاعدہ امارت کا چارج اور حساب کتاب نہیں دیا، بلکہ کوفے سے دمشق کی طرف بھاگ نکلا۔ مگر حضرت علیؑ کی پیشین گوئی سے اس کا فرار ممکن نہ ہوسکا۔ چنانچہ نواحِ دمشق میں ولید بن یزید نے اس کو گرفتار کر لیا اور انتہائی اذیت ناک قید خانے میں اس کو رکھا۔ یہ سخت ترین قید خانہ اس کا مقبرہ بھی بنا۔ اس جابر اور سفاک کل کے گورنر اور آج کے قیدی کو یزید بن ولید کے کارندوں نے آخر کار قید خانے ہی میں اذیتیں دیکر قتل کر ڈالا اور اس طرح یہ اپنے انجام کو پہنچا۔

اس طرح حضرت علیؑ کی وہ پیشین گوئیاں حرف بہ حرف پوری ہوئیں جو انھوں نے کوفہ کے ظالم حکمرانوں کے بارے میں فرمائی تھیں۔ تاریخی صفحات حضرت علیؑ کی صداقت کے شاہد ہیں، جن سے انتہائی متعصب شخص اور انتہائی منکر طبیعت والا بھی جرأت انکار نہیں کرسکتا۔ اور یہ چیز حضرت امام کی امامت پر دلیل بھی ہے کہ آپ نے آنے والے حالات کو ہو بہو بیان فرمایا۔

ان تاریخی واقعات کے علاوہ حضرتؑ نے کوفے پر آنے والے حوادث (قدرتی آفات) کی طرف بھی نشاندہی کی ہے۔ چنانچہ آپ تاریخ میں ان حالات کو اس طرح پاسکتے ہیں کہ متوکل عباسی کے دور میں کوفہ میں ۲۳۲ھ ہجری میں ایسی خوفناک گرم ہوا چلی کہ جس سے کوفہ، بصرہ اور بغداد کے ساتھ ہی دوسرے بلاد کی کھیتیاں جل گئیں۔ بازار بند رکھنے پڑے اور راستوں پر لوگوں کی آمدورفت معطل رہی۔ کوفہ سے ہمدان تک اس تباہی خیز ہوا میں کتنے ہی لوگ جاں بحق ہوئے۔

متوکل ہی کے زمانے میں عراق (کوفہ) پر انڈوں کے برابر اولوں کی بارش ہوئی۔ اس کی وجہ سے تمام کاشت تباہ ہوگئی۔ متوکل کا زمانہ ارضی اور سماوی آفات کے لحاظ سے خاصی شہرت رکھتا ہے۔ عسقلان میں نامعلوم وجوہات کی بناء پر ایسی آگ لگی کہ پورا شہر جل کر راکھ کا ڈھیر بن گیا۔

۲۴۰ھ ہجری میں جلاط میں ایک ایسی چیخ بلند ہوئی کہ اس کی دہشت سے ہزاروں لوگوں کی (حرکتِ قلب بند ہونے سے) موت ہوگئی۔

۲۴۱ھ ہجری میں دمشق سے انطاکیہ تک ایسا خوفناک زلزلہ آیا کہ ہزاروں عمارتیں زمین کے برابر ہوگئیں یا زمین کے بہت اندر تک دھنس گئیں اور آبادیاں خوفناک ویرانوں میں تبدیل ہوگئیں۔ مورخین کا اندازہ ہے کہ ۵۰/ ہزار آدمی اور اس سے کہیں زیادہ جانور ملبہ اور زمین میں دھنس کر موت کی نیند سو گئے۔ ظاہر ہے آج کے دور میں بھی یہ ایک بڑی تعداد ہے، چہ جائیکہ اب سے سینکڑوں سال پہلے، جبکہ دنیا کی آبادی بہت کم تھی، یہ دل ہلا دینے والا آنکڑا ہے۔ عرب دنیا تو آبادی کے لحاظ سے آج بھی بہت کم آبادی والا علاقہ ہے، چہ جائیکہ سینکڑوں سال پہلے جبکہ آبادی کا تناسب کہیں کم تھا۔ یہ ایک بہت بڑا المیہ تھا۔

اس زلزلے کا حلقہ اتنا وسیع تھا کہ اس کی زد میں شام، فارس، خراسان اور یمن کے علاقے بھی آگئے۔ زلزلہ کے جھٹکوں کے ساتھ انتہائی خوفناک، عجیب وغریب

۷۴،۷۳)

لیکن مغلوب ہونے کے سات سال بعد قیصر روم بالکل خلافِ توقع قسطنطنیہ سے باہر نکلا اور ایرانیوں پر پے در پے حملے کر کے انھیں متعدد مقامات پر شکست فاش دی اور اس طرح قرآن کریم کی یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی۔

اس کے علاوہ قرآن کریم کے "ان الذی فرض علیک القرآن لرادک الی معاد" کے الفاظ میں فتح مکہ کی پیشین گوئی فرمائی جسے چشمِ فلک نے سچ ہوتے ہوئے دیکھا۔

سورۂ فتح کی ستائیسویں آیت ہے

"لتدخلن المسجد الحرام انشاء اللہ آمنین"

انشاء اللہ تم مسجد حرام میں امن وامان کے ساتھ داخل ہوگے۔

یہودی جو اولیاء اللہ اور انبیاء اللہ ہونے کے دعویدار ہیں، ان کو سورۂ جمعہ کی آیت نمبر ۶ رمیں دعوت دی گئی کہ اگر سچے ہو تو موت کی تمنا کرو۔ اور پھر اگلی آیت میں قیامت تک کے لئے کھلا ہوا چیلنج ہے "ولا یتمنونہ ابداً" کہ یہودی ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے۔ یہ قرآن کریم کے اخبارِ غیبیہ کی چند مثالیں ہیں۔ خوفِ طوالت کے پیشِ نظر انھیں مثالوں پر اکتفا کرتے ہوئے پیغمبرِ اکرمؐ کے علم کی طرف قارئین کی توجہات درکار ہیں جو اللہ کے بعد سب سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔ صحیح بخاری کی حدیث میں حضورؐ نے ارشاد فرمایا:

"سلونی عما شئتم تم لوگوں کا جو جی چاہے پوچھو۔"

(صحیح البخاری، رقم الحدیث ۹۲، کتاب العلم، باب الغضب فی الموعظ والتعلیم، الجلد الاول، ص ۹۱، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

پیغمبر اکرم کو جو علم غیب حاصل تھا اس کی ایک دو مثالیں ملاحظہ ہوں۔

غزوۂ موتہ ۸ رہجری میں ہوا۔ اس غزوہ میں مسلمان تین ہزار تھے اور ہرقل

آوازیں بھی پیدا ہوتی تھیں۔

۲۴۲ ہجری میں تیونس، رے، خراسان، نیشاپور، طبرستان، اور اصفہان میں بہت بڑا زلزلہ آیا جس سے زمین شق ہوگئی۔ اسی زمانے میں ۵۔۵ کلو کے پتھر آسمان سے گرے۔

۲۴۵ ہجری میں مغرب میں زلزلہ آیا، بہت سے پُل، قلعے اور مکانات تباہ و برباد ہوگئے۔ اسی زمانے میں مکہ کے چشمے خشک ہوگئے۔

غرض کہ کئی سال تک مملکت اسلامیہ کے حصوں میں ایسی تباہی مچی رہی کہ اس سے پہلے اور اس کے بعد ایسے واقعات پیش نہیں آئے۔ ان میں سے زیادہ تر کا تعلق کوفہ سے تھا۔ بعض چیزیں جو تحریر کی گئیں، ان کا براہِ راست تعلق کوفہ سے نہ رہا ہو، تب بھی اس لئے تحریر کردی گئیں کہ کوفہ بھی ان حوادث سے بالواسطہ متاثر رہا۔

ان واقعات کی تصدیق تمام مشہور تاریخوں سے کی جاسکتی ہے۔

بنی امیّہ کے آپسی اختلاف کا اشارہ اور اس کے بعد زوال

''بنی امیہ کے لئے ایک مردو ہے جس میں وہ دوڑ لگا رہے ہیں، جب ان میں باہمی اختلاف رونما ہو تو پھر بجو بھی ان پر حملہ کریں تو ان پر غالب آجائیں گے۔'' (۴۶۴۔کلمات قصر)

بنی امیہ کی حکومت بہت مضبوط حکومت تھی۔ امیر معاویہ کو ابوبکر کے زمانے میں اس کے بھائی کے انتقال کے بعد شام کا گورنر بنایا گیا تھا، پھر خلیفہ عمر نے اپنے زمانے میں مصلحتاً معاویہ کو بہت مضبوط کیا۔ یہاں تک کہ عثمان کے دور خلافت میں امیر معاویہ اس پوزیشن میں تھے کہ صوبہ زیادہ مضبوط تھا مرکز کے مقابلے میں۔۔۔لیکن بنی امیہ کی یہ مضبوط حکومت کہ جو حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد بلاشرکت غیر تھی، بہت جلد زوال پذیر ہوئی۔ اگر ہم خاندانی حکومتوں پر نظر ڈالیں تو تاریخ میں ایسی بہت کی Dynasties مل جائیں گی جو کئی ہزار سال تک حکمراں رہیں، لیکن بنی امیہ کی حکومت پوری صدی بھی نہیں پکڑ سکی، اس کی سب سے بڑی وجہ اس خاندان کا بے مثال ظلم رہا، خصوصاً واقعۂ کربلا نے بنی امیہ کے زوال میں بہت اہم رول ادا کیا۔ لوگ بنی

امیہ کے سامنے کھڑے ہونے کی جرأت نہیں کر پا رہے تھے، بعدِ کربلا باقاعدہ انقلابات کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا۔ ایسے ہی وقت میں خاندان کے آپسی اختلافات حکومتوں کو زوال تک پہنچانے میں بڑے مددگار ہوتے ہیں۔ جب تک خاندان متحد رہتا ہے، حکومت پر پکڑ برقرار رہتی ہے۔ لیکن جب خاندان ہی میں بغاوت ہونے لگتی ہے تو حکومت کی جڑیں ہلنے لگتی ہیں۔ بنی امیہ کے ساتھ بھی یہی ہو۔ امیر معاویہ نے اپنے جانشینوں کو ایک بہت مضبوط حکومت ورثہ میں دی تھی مگر ظلم کی خبیث بیماری نے اس کی جڑوں کو کھالیا اور جب خاندان میں آپسی اختلافات شروع ہوئے تو بنی امیہ کی حکومت کا یہ بھاری بھرکم درخت کمزور جڑوں پر کھڑا نہ رہ سکا اور دھڑام سے صرف ۹۲ سال میں گر گیا۔ حضرت علی نے ان میں آپسی اختلافات کی خبر ان کا زمانہ شروع ہونے ہی سے قبل دی ہے۔ دیکھئے کس قدر خوبصورتی سے ان کی شان وشوکت کی حکومت کے لئے یہ الفاظ استعمال کئے ہیں کہ جب ان میں آپسی اختلافات رونما ہوں گے تو ''بجو'' بھی یعنی بہت کمزور بھی ان پر غالب آجائیں گے۔ بنی امیہ حکومت میں تھے، بنی عباس کے پاس باقاعدہ کوئی بنی امیہ جیسی طاقت نہ تھی، لیکن اس کے بعد بھی انھوں نے بنی امیہ پر غلبہ پایا۔

علامہ مفتی جعفر صاحب قبلہ نے اس ضمن میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ من وعن پیش کرتا ہوں۔ لیکن مفتی جعفر صاحب کی تحریر سے قبل سید رضی نے جو وضاحت کی اُسے ضرور ذہن نشین کرلیں۔ فرماتے ہیں:

> ''مرود، ارواد سے مُفعَل کے وزن پر ہے اور اس کے معنی مہلت اور فرصت دینے کے ہیں، اور یہ بہت فصیح اور عجیب وغریب کلام ہے۔ گویا آپؑ نے ان کے زمانۂ مہلت کو ایک میدان سے تشبیہ دی ہے جس میں انتہا کی حد تک پہونچنے کے لئے دوڑ رہے ہیں، چنانچہ جب اپنی آخری حد تک پہنچ جائیں گے تو ان کا نظام درہم برہم ہوجائے گا۔''

مفتی جعفر صاحب قبلہ بیان فرماتے ہیں:

''یہ پیشین گوئی بنی امیہ کی سلطنت کے زوال اور انقراض کے متعلق ہے جو حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ اس سلطنت کی بنیاد معاویہ ابن ابی سفیان نے رکھی اور ۹۰ برس گیارہ مہینے اور تیرہ دن کے بعد ۱۳۲ ہجری میں مروان الحمار پر ختم ہوگئی۔ بنی امیہ کا دور ظلم و ستم اور قہر و استبداد کے لحاظ سے آپ اپنی نظیر تھا، اس عہد کے مطلق العنان حکمرانوں نے ایسے ایسے مظالم کیئے کہ جن سے اسلام کا دامن خوں بار، تاریخ کے اوراق سیاہ اور روح انسانیت مجروح نظر آتی ہے۔ انھوں نے اپنے شخصی اقتدار کو برقرار رکھنے کے لئے ہر تباہی و بربادی کو جائز قرار دے لیا تھا، مکہ پر فوجوں کی یلغار کی، خانۂ کعبہ پر آگ برسائی، مدینہ کو اپنی بہیمانہ خواہشوں کا مرکز بنایا اور مسلمانوں کے قتل عام سے خون کی ندیاں بہا دیں۔ آخر ان سفاکیوں اور خونریزیوں کے نتیجہ میں ہر طرف سے بغاوتیں اور سازشیں اُٹھ کھڑی ہوئیں اور ان کے اندرونی خلفشار اور باہمی دام آرائی نے ان کی بربادی کا راستہ ہموار کردیا، اگرچہ سیاسی اضطراب ان میں پہلے ہی سے شروع ہو چکا تھا مگر ولید ابن یزید کے دور میں کھلم کھلا نزاع کا دروازہ کھل گیا اور ادھر چپکے چپکے بنی عباس نے بھی پر پرزے نکالنے شروع کردیئے اور مروان الحمار کے دور میں ''خلافت الہیہ'' کے نام سے ایک تحریک شروع کردی اور اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے انہیں ابو مسلم خراسانی ایسا امیر سپاہ مل گیا، جو سیاسی حالات و واقعات کا جائزہ لینے کے علاوہ فنون حرب میں بھی پوری مہارت رکھتا تھا۔ چنانچہ اُس نے خراسان کو مرکز قرار دے کر امویوں کے خلاف ایک جال بچھا دیا اور عباسیوں کو برسرِ اقتدار لانے میں کامیاب ہوگیا۔''

یہ شخص ابتداء میں گمنام اور غیر معروف تھا، چنانچہ اسی گمنامی و پستی کی بناء پر حضرت نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو ''ہجو'' سے تعبیر کیا ہے کہ جو ادنیٰ اور فرومایہ لوگوں کے لئے بطور استعارہ استعمال ہوتا ہے۔

بنی امیّہ کی حکومت ان کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد پھر کبھی ان میں واپس نہ آسکنے کی پیشین گوئی

زوال اور عروج تو مسلسل آتے اور جاتے رہتے ہیں، یہ ایک گھومتے ہوئے پہیہ کی مانند ہے جس کا اوپر کا حصہ نیچے ضرور آتا ہے اور نیچے کا حصہ اوپر ضرور جاتا ہے۔ خصوصاً حکومتوں کے سلسلہ میں یہ کوئی نئی بات نہیں، لیکن عروج وزوال کی حقیقت کے بیچ حضرت امیرؑ نے بنی امیہ کی حکومت کے لیے جو پیشین گوئی کی ہے وہ انسانی عقل کو حیران کر ڈالنے والی ہے۔ آپؑ نے فرمایا:

> ''میں قسم پر قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرے بعد بنی امیہ کو یہ خلافت اس طرح تھوک دینا پڑے گی جس طرح بلغم تھوکا جاتا ہے۔ پھر جب تک دن، رات کا چکر چلتا رہے گا وہ اس کا ذائقہ نہ چکھیں گے اور نہ اس کا مزہ اُٹھا سکیں گے۔'' (نہج البلاغہ۔ خطبہ نمبر ۱۵۶)

حضرت علیؑ کے زمانے میں بنی امیہ کی کوئی حکومت نہیں تھی، جس کی نشاندہی اس خطبہ میں کی گئی ہے، خلیفہ عثمان سے بنی امیہ کی حکومت کا آغاز ضرور ہوا لیکن عثمان شورائی نظام میں بندھے خلیفہ تھے، بظاہر وہ بادشاہ بھی نہ تھے، گو کہ ان کا بود و باش

پورا پورا سہرا حضرت ابوبکر اور ان کے مشیر حضرت عمر کے سر ہے۔ ابوبکر کے زمانے میں یہ ابوسفیان کی بلیک میلنگ سے بچنے کا ایک طریقہ تھا مگر بعد میں عمر نے پالیسی کے تحت انھیں بنی ہاشم کے خلاف تقویت دی۔

حضرت امیرؑ نے بنی امیہ کے حکمرانوں کے لئے جو پیشین گوئی کی ہے، حضرت رسول خداؐ بھی ویسی ہی باتیں ان لوگوں کے تعلق سے بیان فرما چکے تھے۔ شاہد زعیم فاطمی تحریر کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے فرمایا:

> ''تم پر ایسے لوگ مسلط ہو جائیں گے کہ اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو وہ تمھیں غلط راستے پر ڈال دیں گے، اور اگر تم ان کی نافرمانی کرو گے تو تمھیں ذلیل ورسوا کریں گے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہؐ ایسے وقت میں ہمارے لئے کیا حکم ہے؟ فرمایا تم عیسیٰؑ کے اصحاب کے مانند اپنے دین پر قائم رہنا کہ انھیں آروں سے چیرا گیا، سولیوں پر لٹکا دیا گیا، مگر ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ اللہ کے راستے میں مرجانا اس کی نافرمانی کرتے ہوئے زندہ رہنے سے ہزار گنا بہتر ہے۔''
>
> (سیّدنا علی ابن ابی طالب اور ان کے سیاسی حریف)

الغرض بنی امیہ کا دورِ حکومت اسلام پر اور صالح مسلمانوں پر بڑی مصیبت کا زمانہ تھا۔ خلفاء یوں تو اسلام کے داعی اور جانشینِ پیغمبر کہہ کر تخت نشین ہوتے تھے، مگر شاہی محل، زنا کاری، اور شراب نوشی کے اڈّے بنے ہوئے تھے۔ دینداروں کا صرف مذاق ہی نہیں اُڑایا جاتا تھا بلکہ دین دار سختیوں اور مصیبتوں میں مبتلا تھے اور حضرتؑ نے جیسا فرمایا تھا بنامِ دین اس کھلی بے دینی کو دیکھ کر خون کے آنسو روتے تھے۔ جن محلوں سے پیغامِ اسلام اور تعلیماتِ قرآن نشر ہونا چاہیے تھیں، ان محلوں میں موسیقی کی محفلیں آراستہ ہوتی تھیں۔ برہنہ اور نیم برہنہ رقاصائیں رقص کرتی تھیں اور خلافت مآب اسلامی احکامات کی قبر پر بیٹھ کر رقص وسرود سے لطف اندوز ہوتے

یہ بات بہت Common ہے کہ ایک مرتبہ اگر کوئی پارٹی یا حکمراں برطرف کر دیا جاتا ہے یا کسی بادشاہ کے مخالف اس پر غالب آجاتے ہیں تو اکثر اپنے حامیوں کی مدد سے اور منصوبوں سے جلد یا بدیر پھر کرسیٔ اقتدار تک یہ حکمراں پہونچ جاتا ہے۔ تاریخیں اس طرح کی داستانوں اور ایسے انقلابات سے لبریز ہیں، مگر اس پیشین گوئی میں حضرت بنی امیہ کے اقتدار میں آنے اور پھر ذلت کے ساتھ اقتدار سے ہٹا دیے جانے کی پیشین گوئی کرتے ہوئے یہ بھی خبر دے رہے ہیں کہ رہتی دنیا تک پھر بنی امیہ حکومت کا لطف نہ اٹھا سکیں گے۔

اب آپ تاریخ کے تمام استناد دیکھ لیجئے۔ ۱۳۲ ھجری میں بنی امیہ کا آخری فرماں روا مروان بن محمد بن مروان جب مصر میں عباسی حامیوں کے ہاتھوں لڑتا ہوا مارا گیا تو پھر اموی خاندان کبھی اقتدار کے قریب نہ پھٹک سکا، جس حکومت کو قائم کرنے کے لئے آل محمد کو بری طرح تباہ کیا گیا اور امام حسینؑ کا خون بہایا گیا تھا وہ بنی امیہ کی حکومت پورا سینکڑا بھی نہ چھو سکی اور محض ۹۲ سال کے اندر بوسیدہ مکان کی چھت کی طرح گر گئی جبکہ بنی عباس نے ۵۲۵ سال حکومت کی۔ انتہا یہ ہوگئی کہ خود معاویہ کا پوتا معاویہ ابن یزید تختِ حکومت لینے پر رضا مند نہ ہوا۔ معاویہ کی حکومت ۴۱ ہجری میں قائم ہوئی تھی اور ۱۳۲ ہجری میں مروان حمار کے ساتھ یہ سلسلۂ حکومت ختم ہو گیا، اور بنی عباس اقتدار میں آگئے۔ اور بنی امیہ لطفِ حکومت سے ایسے محروم ہوئے کہ پھر انھوں نے کبھی بوئے حکومت نہ سونگھی۔ یہی حضرت علیؑ نے فرمایا تھا۔

یہاں ایک بات بہت اہم ہے اس کا ذکر کرنا انتہائی ضرورتی ہے۔ بنی عباس نے بنی امیہ کو جس طرح تہہ تیغ کیا اس کی مثالیں تاریخ عالم میں کہیں ملی نہیں تھیں۔ انھوں نے اپنے دور خلافت کا آغاز ہی بنی امیہ کی لاشوں پر بیٹھ کر کیا۔ بنی امیہ کے سرداروں کی لاشوں کی باقیات کو قبروں سے نکال کر سولی پر لٹکایا گیا۔ انھیں جلا کر راکھ منتشر کی گئی۔ عبداللہ ابن علی نے ایک دن بنی امیہ کے بہت سے نوجوانوں کو قتل

کرایا پھر ان کی لاشوں پر دسترخوان بچھا کر کھانا کھایا گیا۔ حالانکہ ان میں کچھ زخمی لوگ بھی تھے جو کراہ رہے تھے صورت حال یہ تھی کہ لاشوں کے اوپر بنی عباس بیٹھ کر لذیذ کھانوں کا لطف اٹھا رہے تھے اور نیچے زخمی ایک ایک کر کے دم توڑ رہے تھے۔

(تاریخ اسلام، اکبر شاہ نجیب آبادی، جلد ۲)

اس قتل عام سے بچ کر کسی طرح ایک اموی شہزادہ عبد الرحمٰن بن محمد بن ہشام چھپتے چھپاتے اندلس پہونچ گیا۔ اندلس میں بنی امیہ کے خیر خواہوں کی ایک بڑی تعداد تھی۔ میری اوپر کی تحریر سے ایک جھلک اس قتل عام کے ہولناک طریقے پر پڑتی ہے جسے بنی عباس نے بنی امیہ کے ساتھ اپنایا۔ چنانچہ جب عبد الرحمٰن اندلس پہونچا تو وہاں اس کو اموی حامیوں کی زبردست ہمدردی ملی اُس نے بنی عباس کے مظالم کو جو پہلے ہی اپنے بامِ عروج پر تھے خوب حاشیہ چڑھا کر سنایا۔ عبد الرحمٰن کے حامیوں کی مدد سے عبد الرحمٰن نے اندلس میں ایک الگ حکومت قائم کر لی جس کا سلسلہ تقریباً ۲۹۰ سال تک قائم رہا۔ ایک نظر میں دیکھنے سے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے پیشین گوئی متاثر ہوگئی۔ لیکن ذرا سا فکر کرنے اور حالات پر نظر کرنے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ حقیقت واقعہ کیا ہے۔

حقیقت واقعہ یہ ہے کہ عبد الرحمٰن نے جو اندلس میں جا کر حکومت قائم کی وہ اس حکومت بنی امیہ کا سلسلہ نہیں تھا جسے باقاعدہ خلافت بنی امیہ کی سند ملی۔ یہی وجہ ہے کہ خلافت کے سلسلہ میں بنی امیہ کے زوال کے بعد علمائے اسلام اندلس کے سلسلۂ حکومت کو خلافت سے نہیں جوڑتے بلکہ خلافت بنی عباس میں منتقل کی جاتی ہے اور بنی امیہ کے بعد یہ سلسلہ بنی عباس کی طرف چلا آتا ہے۔ چنانچہ جس خلافت کے ہاتھ سے نکل جانے کی حضرت امیرؑ نے پیشین گوئی فرمائی تھی وہ مروان ثانی کے زوال کے بعد ختم ہوگئی اور مسلمانوں میں نئے خاندان، خاندان بنی عباس کی خلافت کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ حضرت علیؑ نے جو فرمایا تھا عین وہی ہوا اور پھر بنی امیہ کی طرف لوٹ کر یہ

خلافت کبھی نہیں پلٹی بلکہ دوسرے سلسلوں میں منتقل ہوتی گئی اور بنی امیہ ہمیشہ کے لئے اس سے محروم رہے۔

رومی فوج ایک لاکھ تھی۔ سخت خونریز جنگ ہوئی۔ حضور اکرمؐ اس موقعہ پر مدینہ میں مسجد نبوی کے صحن میں تشریف فرما تھے، مگر میدان جنگ کا پورا نقشہ آپ کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ حضرت زید، حضرت جعفر ابن ابی طالب اور عبداللہ ابن رواحہ کی دردانگیز خبر بھی سنائی۔ گویا علمِ غیب کی دوربین سے آپؐ میدان جنگ کا نظارہ کر رہے تھے۔
ایک دوسری مثال ملاحظہ فرمایئے :

''حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم کا گزر دو قبروں کے پاس سے ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ ان دونوں قبروں پر عذاب نازل ہو رہا ہے۔ ایک کا گناہ چغل خوری ہے اور دوسرا پیشاب کی چھینٹوں سے خود کو نہیں بچاتا تھا۔ پھر آپ نے دونوں قبروں پر ایک ایک سبز ٹہنی لگا دی۔ اصحاب کے استفسار پر فرمایا کہ ''جب تک یہ شاخیں سبز رہیں گی، عذاب میں تخفیف ہوگی۔''

(صحیح بخاری، کتاب الوضو، حدیث ۲۱۴، ص ۵۳)

علمِ غیب کے ذریعہ حضورؐ نے عذاب کے متعلق بھی جان لیا اور گناہوں کے متعلق بھی۔

اسی علمِ غیب کے ذریعہ حضور اکرمؐ نے قیامت سے پہلے کے حالات، امام مہدیؑ کے ظہور کی علامات، دجال کا خروج، خروجِ دابہ، ملوکیت کی فتنہ انگیزیاں اور اس قسم کی بے شمار پیشین گوئیاں کی ہیں۔

حضرت علیؑ اور دیگر ائمۂ ہدیٰ کے علم کا سرچشمہ بھی یہی ازلی وابدی علم ہے۔ آپ نے زبانِ رسالت مآب چوسی ہے اور آپ بابِ مدینۃ العلم ہیں۔ خود فرماتے ہیں:

''لقد علمنی رسول اللہ الف باب کل باب یفتح الف باب''

بنی امیّہ کے مظالم کی پیشین گوئی

''خدا کی قسم! وہ ہمیشہ یونہی ظلم ڈھاتے رہیں گے اور کوئی اللہ کی حرام کی ہوئی چیز ایسی نہ ہوگی جسے وہ حلال نہ سمجھ لیں گے اور ایک بھی عہد و پیمان ایسا نہ ہوگا جسے وہ توڑ نہ ڈالیں گے۔ یہاں تک کہ کوئی اینٹ، پتھر کا گھر اور اُون کا خیمہ ان کے ظلم کی زد سے محفوظ نہ ہوگا اور ان کی بُری طرح نگہداشت سے لوگوں کا اپنے گھروں میں رہنا مشکل ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ دو قسم کے رونے والے کھڑے ہو جائیں گے ایک دین کے لئے رونے والا اور ایک دنیا کے لئے۔ اور یہاں تک کہ تم میں سے کسی ایک کا ان میں سے کسی ایک سے داد خواہی کرنا ایسا ہی ہوگا جیسے غلام کا اپنے آقا سے کہ وہ سامنے تو اطاعت کرتا ہے اور پیٹھ پیچھے برائی کرتا ہے اور دل کی بھڑاس نکالتا ہے۔ اور یہاں تک نوبت پہونچ جائے گی کہ تم میں سے جو اللہ کا زیادہ اعتقاد رکھنے والا ہوگا اتنا ہی وہ زحمت و مشقت میں بڑھا چڑھا ہوگا۔ اس صورت میں اگر اللہ تمھیں امن و عافیت میں رکھے تو اس کا شکر کرتے ہوئے اس کو

قبول کرو اور اگر ابتلاء و آزمائش میں ڈالے جاؤ تو صبر کرو اس لئے کہ اچھا انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے۔" (نہج البلاغہ خطبہ-۹۶)

شارحین نہج البلاغہ نے فرمایا ہے کہ حضرت امیر کا یہ خطبہ بنی امیہ کے بے دین بادشاہوں کے لئے ہے اور ان کی سیاہ کاریوں کو آشکار فرماتا ہے۔ ابھی بنی امیہ کی حکومت کا قیام بھی نہیں ہوا ہے، نہ ابھی حکمراں مسند حکومت پر آئے ہیں مگر آنے والے وقت کے بنی امیہ کے بادشاہوں کا کردار حضرت بیان فرما رہے ہیں۔ عین وہی تاریخ کی آنکھوں نے دیکھا جو ہونے سے پہلے حضرت امیر نے لوگوں کو بتا دیا تھا۔ بنی امیہ کا دور دین و شریعت کی رو سے انتہائی منحوس ثابت ہوا۔ علماء اہلسنت کے یہاں سرکار دوعالم کی حدیث ہے کہ

"خلافت میرے بعد ۳۰ برس تک ہے۔ اس کے بعد پھاڑ کھانے والی حکومت" (ترمذی-ابوداؤد)

بقول محققین علماء ۳۰ برس کی خلافت امام حسن کے خلع خلافت پر پوری ہوئی۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس کے بعد امیر معاویہ کے زمانے سے اس بے دین ملوکیت کا آغاز ہوا جس کی نحوست کے سائے سے عالم اسلام آج تک پیچھا نہیں چھڑا سکا۔ رسولؐ نے فرمایا:

"قریب ہے میرے اہلبیتؑ میرے بعد قتل کئے جائیں اور مصائب جھیلیں، سب سے زیادہ شدید بغض وعداوت میں اہلبیتؑ کے بنی امیہ ہیں اور بنو مغیرہ اور بنی مخزوم۔" (صواعق محرقہ، علامہ ابن حجر مکی)

امام حسنِ مجتبیٰؑ نے فرمایا کہ میرے نانا نے فرمایا اگر بنی امیہ میں سے روئے زمین پر کوئی بھی باقی نہ بچے سوائے بوڑھی اور ناتواں ضعیفہ کے تو وہ بھی دینِ خدا کو غلط راستے پر لے جائے گی۔ (بحار الانوار، جلد ۴۴، ص ۴۳)

امیر معاویہ کے دور حکومت کے اس آغاز سے ۹۲ سال جب تک اموی

حکومت قائم رہی ۔ دین و شریعت کا خون بہایا جاتا رہا۔ اس دور میں ہر وہ کام بنام اسلام ہوا جس کی شریعت و دین نے ممانعت کی تھی ۔ دراصل بنی امیہ کے سردار ابوسفیان نے اسلام اس وقت قبول کیا جب اس کو یقین ہو گیا کہ اب اس کے دن گئے اور اسلام کے دن آچکے ہیں۔ اسلام اور پیغمبرؐ کے لئے اس کے دل میں جو نفرت تھی وہ اسلام سے قبل کی اس کی پوری زندگی میں چھائی پڑی ہے۔ اس نے اسلام کے خلاف بدر کو چھوڑ کر تمام جنگوں کی سرداری کی ۔ جنگ بدر بھی اسی کی شرارت کی وجہ سے پیش آئی۔ فتح مکہ کے وقت انتہائی مجبوری کے عالم میں اس نے اسلام قبول کیا جو اس کی زبان تک رہا، دل میں نہیں اتر سکا۔ استیعاب جلد ۲ میں ہے کہ ابوسفیان کا اسلام خلوص کا نہ تھا۔

طبری و تاریخ روضۃ المناظر میں ہے کہ جب سرکار دو عالم مکہ کے قریب پہنچے تو حضرت عباسؓ نے جن کے مراسم ابوسفیان سے خوب تھے، پیغمبرؐ کی خدمت میں چھپا کر حاضر کیا اور آنحضرتؐ نے اپنے چچا کے کہنے سے ابوسفیان کو امان عطا کر دی۔ پھر فرمایا کہ ابوسفیان کیا اس کا وقت نہیں آیا کہ تو کلمۂ لا الہ کو جانے۔ ابوسفیان نے کہا 'کیوں نہیں' آنحضرتؐ نے فرمایا کہ'' کیا اس کا وقت نہیں آیا کہ تو میری رسالت کی تصدیق کرے'' ابوسفیان نے بلا تکلف کہا'' اس معاملہ میں میرے دل میں کھٹک ہے''۔ یہ سن کر حضرت عباسؓ نے ابوسفیان کو ڈانٹا اور کہا'' وائے ہو تجھ پر، تصدیق رسالت کر، ورنہ قتل کر دیا جائے گا'' تب ابوسفیان نے کلمۂ شہادتین جاری کیا۔

دوسرا اہم واقعہ جس کو مورخ ابوالفداء اور دیگر نے تحریر کیا ہے وہ یہ کہ جب پیغمبرؐ نے صبح اپنے لشکر کو مکہ میں داخلہ کا حکم دیا تو حضرت علیؑ کو یہ ذمہ داری سونپی کہ لشکر کو ایک تنگ درّے سے گزارا جائے۔ پالیسی یہ تھی کہ تنگ راستے سے لشکر کافی دیر تک گزرے گا تو کفارِ مکہ پر رعب غالب آجائے گا۔ مقصد یہ تھا کہ کہیں سے مقابلہ آرائی اور فساد کا شائبہ نہ رہے کہ خونریزی ہو۔ پیغمبرؐ اس مشن کو بغیر خون بہائے مکمل کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ جس وقت لشکر درّے کے درمیان سے گزر رہا تھا، پیغمبرؐ نے حضرت

عباس کو حکم دیا کہ ابو سفیان کو لے جا کر لشکر کا منظر دکھائیں۔ مقصد اس کو نفسیاتی طور پر مغلوب کرنے کا تھا، تا کہ شرارت کا ہر اندیشہ جاتا رہے۔ چنانچہ حضرت عباس اس کو اپنے ساتھ لے کر گئے اور لشکر کا مکہ میں داخلہ دکھانے لگے۔ ابو سفیان آنکھیں پھاڑے یہ منظر دیکھتا رہا۔ قبیلہ پر قبیلہ اپنے پرچم اور سرداروں کے ساتھ دیر تک مکہ میں داخل ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ پیغمبرؐ جب اپنے سبز پوش لشکر کے ساتھ گزرنے لگے تو ابو سفیان برداشت نہ کر سکا اور بے ساختہ بولا:

''عباس! تیرا بھتیجہ تو بڑی سلطنت اور حکومت والا ہو گیا۔''

حضرت عباس نے کہا:

''وائے ہو تجھ پر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ حکومت نہیں، نبوت ہے۔'' (تاریخ کامل، جلد 6 و تاریخ ابوالفداء)

یہ دو واقعات اس کے Over night اسلام کا خلوص سمجھنے کے لئے کافی ہیں۔ یہی تمام بنی امیہ کی کیفیت رہی۔ پیغمبرؐ نے ابو سفیان اور دیگر بنی امیہ کو مؤلفۃ القلوب کے زمرے میں رکھا اور تمام عمر ان کی رعایت کی لیکن ان کے دل سے اسلام کی نفرت کبھی نہ نکل سکی۔ چنانچہ جنگ تبوک میں جب مسلمان پسپا ہوئے تو اس نے خوش ہو کر کہا ''ابھی تو یہ سمندر پار تک بھاگیں گے۔'' (ابوالفداء) عثمانی دور میں جب اس کا گزر حضرت حمزہ کی قبر سے ہوا تو اس نے قبر کو لات مار کر کہا ''اٹھ دیکھ جس حکومت کے لئے ہم اور تو لڑتے تھے، وہ اب کس کے قبضے میں ہے۔''

یہ تھا کل بنی امیہ کا اسلام۔ ظاہر ہے اگر ایسے خطرناک اسلام دشمن ہاتھوں میں ''اسلامی حکومت'' آ جائے تو وہ اسلامی نظریات کو کس حد تک برباد کریں گے، اس کا اندازہ لگانا قطعی مشکل نہیں۔ حیف صد حیف ایسے سخت ترین دشمن اسلام کو ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت حضرت ابو بکر نے اسلامی حکومت میں حصہ دیا۔ پہلے ابو سفیان حضرت علیؑ کے پاس انھیں ابھارنے پہنچا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ:

''یا علی! تمھارے ہوتے ہوئے سرداری تمیم میں پہنچ جائے، یہ کیسے ممکن ہے۔ تم اٹھو اپنا حق لینے کے لئے۔ میں مدینے کی گلیوں اور کوچوں کو سپاہیوں سے بھر دوں گا۔'' (طبری۔ روضۃ الصفا)

یقیناً ابوسفیان نے جو کچھ کہا تھا وہ کر گزرنے کی پوزیشن میں تھا۔ اس کا نسلی افتخار اسے مجبور کر رہا تھا۔ اس کے لئے یہ انتہائی کراہت کی صورت تھی کہ ایک چھوٹے قبیلہ والے کی حکومت قریش جیسے مضبوط قبیلے پر ہو جائے۔ مگر حضرت علیؑ کے جواب نے اس کا دل خون کر دیا۔ حضرتؑ نے انتہائی بے رخی کے ساتھ تلخ لہجے میں فرمایا ابوسفیان، تو کب سے اسلام کا دوست ہو گیا، راستہ وہ ہے، چلا جا۔ (طبری)

اب ابوسفیان کے سامنے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ حکومت سے مفاہمت کرے۔ چنانچہ اس نے ابوبکر کے پاس جا کر اپنی طاقت کا احساس کرایا۔ ابوبکر بنی امیہ کی طاقت سے ناواقف نہ تھے۔ انھوں نے ابوسفیان کے بڑے بیٹے یزید ابن ابوسفیان کو شام کا حاکم بنا دیا۔ (اس بلیک میلنگ کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو'' روضۃ الصفاء جلد ۲۔ عقد الفرید جلد ۲)

سچ یہ ہے کہ سقیفہ کے بعد اسلام پر یہ دوسری کاری ضرب تھی اور اسلامی آئین کی زندگی کے بدترین دن شروع ہو چکے تھے۔ کچھ عرصے کے بعد ابوسفیان کا بیٹا یزید جب شام میں انتقال کر گیا تو حکومت نے شام کی گورنری کا عہدہ ابوسفیان کے دوسرے بیٹے معاویہ کو عطا کر دیا۔ حضرت عمر نے اپنے دورِ حکومت میں امیر معاویہ کو بھرپور قوت دی۔ حضرت عمر نے ایک جانی بوجھی پالیسی کے تحت معاویہ کو مضبوط کیا۔ وہ پالیسی یہ تھی کہ بنی ہاشم اس پوزیشن میں آ ہی نہ سکیں کہ وہ قابل ذکر رہ جائیں۔ اگر معاویہ کو حضرت عمر نے اس پوزیشن کو نہ پہنچایا ہوتا تو بنی ہاشم کو وہ بدترین دن نہ دیکھنے پڑتے جو انھوں نے دیکھے۔ اس کارنامے کا سہرا حضرت عمر کے سر ہے کہ انھوں نے ایک بے حیثیت شخص اور مؤلفۃ القلوب میں شامل دشمنِ رسول، دشمنِ اسلام اور دشمنِ

بنی ہاشم کو اس طاقت تک پہنچایا۔ یہ ایک طویل موضوع ہے اور اس وقت اس کا محل نہیں۔ میں اپنی گفتگو کو پایۂ ثبوت تک پہنچانے کے لئے شبلی نعمانی کا یہ بیان درج کرتا ہوں جو انھوں نے حضرت عمر کا اپنے گورنروں کو کنٹرول کرنے کے ضمن میں تحریر کیا ہے۔ تحریر کرتے ہیں:

> ''جس وقت کوئی عامل مقرر ہوتا تھا، اس کے پاس جس قدر مال اور اسباب ہوتا تھا، اس کی مفصل فہرست تیار کرا کر محفوظ رکھ لی جاتی تھی اور عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی ترقی ہوتی تھی تو اس سے مواخذہ کیا جاتا تھا۔'' (الفاروق، جلد ۲، ص ۱۳)

کیا امیر معاویہ کے ساتھ بھی یہی قانون نافذ ہوا؟ کیا کسی کو بتائے جانے کی ضرورت ہے کہ امیر معاویہ گورنر بن کر کیسے خود مختار ہو چلے۔۔۔۔۔۔کیا کسی سے یہ پوشیدہ ہے کہ گورنر بننے کے بعد ان کے مالی حالات میں کیسا طلاطم برپا ہوا؟ کیا یہ کسی سے پوشیدہ ہے کہ معاویہ کا جاہ وحشم خود عمر کے اپنے دور میں کس بلندی پر پہنچا؟ تب اگر ان سے کوئی مواخذہ نہیں ہوا تو کیوں نہیں ہوا؟ یہ سوال کئی جوابوں کو اپنی کوکھ میں پوشیدہ رکھے ہے۔

پھر جب عثمان کا دور شروع ہوا تو گویا بلّی کے سامنے ملائی کی ہانڈی آگئی۔ امیر معاویہ نے اس دور کا اپنے حق میں زبردست استعمال کیا۔ یہاں تک کہ حضرت عثمان کے بعد جب حضرت علیؑ نے انھیں معزول کیا تو وہ اس پوزیشن میں تھے کہ علیؑ سے ٹکرا گئے۔ (گویا صوبہ اتنا مضبوط تھا کہ مرکز سے ٹکرا گیا) قصاص قتلِ عثمان کے نام پر انھوں نے حضرت علیؑ سے مطالبۂ قصاص کیا، حالانکہ نہ انھیں قصاص کا حق حاصل تھا، نہ علیؑ اس کے لئے جواب دہ تھے۔ پھر صفین ہوئی، تحکیم ہوئی، علی کی شہادت ہوئی، امام حسنؑ سے خلع خلافت ہوا اور آخر کار حضرت ابوبکر نے اپنے دورِ خلافت میں بنی امیہ کو جو حصہ دیا تھا وہ پھیل کر پوری سلطنتِ اسلامیہ پر چھا گیا۔ بنی امیہ کو اقتدار میں لانے کا

پورا پورا سہرا حضرت ابوبکر اور ان کے مشیر حضرت عمر کے سر ہے۔ ابوبکر کے زمانے میں یہ ابوسفیان کی بلیک میلنگ سے بچنے کا ایک طریقہ تھا مگر بعد میں عمر نے پالیسی کے تحت انھیں بنی ہاشم کے خلاف تقویت دی۔

حضرت امیرؑ نے بنی امیہ کے حکمرانوں کے لئے جو پیشین گوئی کی ہے، حضرت رسول خداؐ بھی ویسی ہی باتیں ان لوگوں کے تعلق سے بیان فرما چکے تھے۔ شاہد زعیم فاطمی تحریر کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے فرمایا:

> ''تم پر ایسے لوگ مسلط ہو جائیں گے کہ اگر تم ان کی اطاعت کروگے تو وہ تمھیں غلط راستے پر ڈال دیں گے، اور اگر تم ان کی نافرمانی کروگے تو تمھیں ذلیل ورسوا کریں گے۔ صحابہ نے عرض کی یارسول اللہؐ ایسے وقت میں ہمارے لئے کیا حکم ہے؟ فرمایا تم عیسیٰؑ کے اصحاب کے مانند اپنے دین پر قائم رہنا کہ انھیں آروں سے چیرا گیا، سولیوں پر لٹکا دیا گیا، مگر ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ اللہ کے راستے میں مرجانا اس کی نافرمانی کرتے ہوئے زندہ رہنے سے ہزار گنا بہتر ہے۔''
>
> (سیّدنا علی ابن ابی طالب اور ان کے سیاسی حریف)

الغرض بنی امیہ کا دورِ حکومت اسلام پر اور صالح مسلمانوں پر بڑی مصیبت کا زمانہ تھا۔ خلفاء یوں تو اسلام کے داعی اور جانشینِ پیغمبر کہہ کر تخت نشین ہوتے تھے، مگر شاہی محل، زناکاری، اور شراب نوشی کے اڈّے بنے ہوئے تھے۔ دینداروں کا صرف مذاق ہی نہیں اُڑایا جاتا تھا بلکہ دین دار سختیوں اور مصیبتوں میں مبتلا تھے اور حضرتؑ نے جیسا فرمایا تھا بنامِ دین اس کھلی بے دینی کو دیکھ کر خون کے آنسو روتے تھے۔ جن محلوں سے پیغامِ اسلام اور تعلیماتِ قرآن نشر ہونا چاہیے تھیں، ان محلوں میں موسیقی کی محفلیں آراستہ ہوتی تھیں۔ برہنہ اور نیم برہنہ رقاصائیں رقص کرتی تھیں اور خلافت مآب اسلامی احکامات کی قبر پر بیٹھ کر رقص وسرود سے لطف اندوز ہوتے

تھے۔اس پورے سلسلۂ حکومت میں صرف عمر ابن عبدالعزیز کا زمانۂ خلافت امن ، عدل وانصاف سے پُر تھا۔وہ بنی امیہ کے دوسرے شاہوں سے قطعی مختلف ،نرم طبیعت، انسانیت دوست، دیندار اور اہلبیتؑ کے حقوق کا بہت حد تک احترام کرنے والے تھے۔ایک دوسری فرد جو بنی امیہ میں بہت قابلِ احترام گزری وہ معاویہ ابن یزید ہے،جس نے یزید کے بعد تخت حکومت پر یہ کہہ کے بیٹھنے سے انکار کر دیا کہ جس حکومت کے پائے آلِ محمدؐ کے خون میں ڈوبے ہوں میں ایسے تخت پر نہیں بیٹھ سکتا۔سچ پوچھئے تو معاویہ ابن یزید کی شخصیت عمر بن عبدالعزیز سے زیادہ قابلِ احترام ہے کہ عمر بن عبد العزیز نے تو بہر حال تخت حکومت قبول کر لیا لیکن معاویہ بن یزید نے اپنے تخت ہی پر ٹھوکر ماردی جس پر آلِ رسولؐ کا خون تھا۔اس کی قیمت بہر حال اسے اپنی جان دے کر چکانی پڑی۔لیکن یہاں چونکہ شاہانِ بنی امیہ سے متعلق گفتگو ہے،لہٰذا وہ ہماری بھی بحث سے باہر ہے اور حضرت کی پیشین گوئی سے بھی باہر ہے۔

ہم شاہانِ بنی امیہ کے کردار پر فرداً فرداً روشنی ڈالنے سے پہلے دیکھیں کہ مؤرخین حضرات کے ان کے متعلق کیا خیالات ہیں اور ان کی حکومت کا معاشرہ پر کیا اثر پڑا۔کیونکہ ان کا طرزِ حکومت اور تباہ کاریاں ہی پیشین گوئی کے سلسلے سے ہمارا موضوع ہے۔

بنی امیہ کے دلدادہ اور ان کی ہر برائی کا جواز پیدا کر کے ان کی مدح سرائی کرنے والے بنی امیہ کے دوست مؤرخ اکبر شاہ نجیب آبادی بھی آخر کار بنی امیہ کے دورِ حکومت کا جائزہ لیتے ہوئے ایسا لکھنے پر مجبور ہو گئے:

> ”بنوامیہ نے اپنی حکومت وخلافت کے قیام واستحکام کے لئے ظلم وتشدد اور لوگوں کے قتل کرنے میں دریغ وتامل نہیں کیا۔خلفائے بنوامیہ کے سب سے زیادہ نامور اور کارگزار اہلکار وصوبیدار وہی تھے جو سب سے زیادہ لوگوں کو بلا دریغ قتل کرنے اور سختی سے کام لینے والے تھے۔
>
> (تاریخ اسلام،جلد ۲)

آگے صفحہ ۲۳۸ پر تحریر کرتے ہیں:

''بنی امیہ کے جرائم میں ایک جرم یہ بھی قابلِ تذکرہ ہے کہ اسلام نے خاندانوں اور قبیلوں کی تفریق و امتیاز کو مٹا کر سب کی ایک ہی برادری اور ایک ہی قبیلہ بنا دیا تھا۔ بنو امیہ نے قبیلوں کی عصبیت اور امتیاز کو از سرِ نو پھر زندہ کر دیا اور حمیت الجاہلیہ کو پھر واپس بلانے کا سامان فراہم کر دیا۔''

ایک اور موقع پر تحریر فرماتے ہیں:

''خفیہ تدبیروں، سازشوں اور چالاکیوں میں بنی امیہ کو عرب کے دوسرے قبائل پر فضیلت حاصل تھی اور ان کی خلافت کا قیام انھیں چیزوں سے امداد حاصل کرنے کا نتیجہ تھی۔''

یہ بیان بھی قابلِ توجہ ہے:

''خلافت بنی امیہ میں مال و دولت اور شان و شوکت کو کامیابی سمجھا جانے لگا اور بیت المال کا روپیہ ان لوگوں کے لئے زیادہ صرف ہونے لگا جو خلافت و سلطنت یعنی خاندانِ بنی امیہ کے لئے باعثِ تقویت اور مفید ثابت ہوتے تھے۔ جن لوگوں سے بنی امیہ کو کسی امداد و اعانت کی توقع نہ ہوتی تھی یا جن کا خوش رکھنا وہ اپنے لئے ضروری نہیں سمجھتے تھے، ان کی طرف سے بے التفاتی برتی جاتی تھی اور ان کے حقوق ان کو نہ ملتے تھے۔ یہ رسم بد بعد کی خلافتوں میں اور بھی ترقی کر گئی تھی۔ اسی نسبت سے عام طور پر مسلمانوں میں اغراض پرستی اور باہمی رقابت بڑھتی گئی۔''

(تاریخ اسلام، جلد ۲)

جلی عبارتوں کو بار بار غور سے پڑھیے کیا وہی حالات نہیں ہیں جن کا ذکر حضرت علیؑ نے اپنی حیات میں کر دیا تھا؟ بنی امیہ کا پورا زمانہ خون اور آگ کا زمانہ ہے۔ عمر بن عبد العزیز کے مختصر سے زمانہ خلافت کو چھوڑ کر سارے حاکم گردن

بے گناہوں کے خون میں ڈوبے کھڑے ہیں۔ حضرت علیؑ کی پیشین گوئی کی صداقت تاریخ سے کرانے کے لئے آیئے ایک طائرانہ نظر تمام شاہانِ بنی امیہ کی طرف ڈالیں۔

قرآن مجید کی آیت ''کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے خدا کی نعمت کو چھوڑ کر کفر اختیار کرلیا۔'' کے متعلق حضرت عمر فرماتے تھے ''اس سے قریش کے دو نہایت بدمعاش خاندان مراد ہیں۔ وہ بنو مغیرہ اور بنو امیہ ہیں۔'' (منتخب کنزالعمال، جلد اوّل)

ابن مسعود کہتے تھے کہ میں نے رسولؐ کو فرماتے سنا کہ ''ہر مذہب کے لئے کوئی نہ کوئی مصیبت ہوتی ہے اور اس مذہب اسلام کی مصیبت بنی امیہ ہیں۔''

سعید بن مصیب کہتے تھے کہ حضرت رسولؐ نے خواب میں دیکھا کہ بنوامیہ منبروں پر چڑھے ہوئے ہیں۔ حضرتؐ کو اس سے بڑا صدمہ ہوا تو خدا نے وحی نازل کی کہ یہ صرف دنیا ہے جس پر ان لوگوں نے قبضہ کرلیا ہے۔ اس پر رسولؐ کی تسکین ہوگئی۔ (منتخب کنزالعمال۔ جلد ۵)

بنی امیہ کے پہلے بادشاہ امیر معاویہ

امیر معاویہ نے بھی فتحِ مکہ کے موقع پر اپنے باپ کے ساتھ اسلام قبول کیا تھا۔ اسلام دشمنی میں وہ اپنے باپ کی کاربن کاپی تھے۔ جب تک بنی امیہ کا زور رہا، انھوں نے پورے دم خم سے اسلام کو مٹانے کی کوشش کی مگر فتح مکہ کے موقع پر پورے بنی امیہ نے اپنی پالیسی بدل لی۔ ان لوگوں نے اسلام قبول کر کے اپنی جانیں بھی بچالیں اور اسلام کے خلاف مورچہ سنبھالنے کے لئے مناسب وقت کا انتظار بھی کرتے رہے۔ جب پیغمبرؐ اسلام کا انتقال ہوا تو ابوسفیان اس وقت مدینہ میں نہیں تھا۔ وہ زمانہ کفر میں تمام کفار کا سردار تھا۔ اور آج بھی تمام بنی امیہ کے علاوہ سارے منافقین اس کی مٹھی میں تھے۔ اوپر ہم نے رقم کردیا ہے کہ کس طرح ابوسفیان کے شر کو دبانے کے لئے اس کے بیٹے یزید ابن ابوسفیان کو شام کی حکومت دے دی گئی۔ تقریباً چار سال

رسول اللہؐ نے مجھے علم کے ہزار باب تعلیم فرمائے اور میں نے ہر باب سے ہزار باب کھول لیے۔

(خصال صدوق، جلد ۲، ص ۱۷۶)

حدیثِ پیغمبرؐ ہے کہ پروردگار نے اہلبیتؑ کے بارے میں فرمایا کہ یہ سب تمھارے بعد میرے علوم کے خزانہ دار ہیں۔

(کافی، جلد ۱، ص ۹۳)

اس سینہ بہ سینہ علم کے متعلق امیر المومنینؑ کا فرمان ہے :

''آگاہ ہو جاؤ جو علم لے کر حضرت آدمؑ آئے تھے اور جس کے ذریعہ تمام انبیاءؑ کو فضیلت حاصل ہوئی ہے، سب کے سب خاتم النبیینؐ کی عترت میں پائے جاتے ہیں۔ تو آخر تم لوگ کدھر بہک رہے ہو اور کدھر جا رہے ہو؟''

(ارشاد، جلد ۱، ص ۲۳۲)

ایک اور حدیثِ پیغمبرؐ اہلبیتؑ کے اعلم ہونے پر دلالت کرتی ہے :

''یاد رکھو میری عترت کے نیک کردار اور میرے خاندان کے پاکیزہ نفس افراد بچوں میں سب سے زیادہ ہوش مند، اور بزرگوں میں سب سے زیادہ صاحب علم ہوتے ہیں۔ خبردار انھیں تعلیم نہ دینا کہ یہ تم سب سے اعلم ہیں۔ یہ نہ تمھیں ہدایت کے دروازے سے باہر لے جائیں گے، اور نہ گمراہی کے دروازے میں داخل ہونے دیں گے۔''

(عیون اخبار الرضا، ص ۲۰۴)

اصول کافی کے مطابق امام محمد باقرؑ نے جو کچھ زرارہ سے فرمایا، اس سے ثابت ہے کہ اللہ اور رسولؐ کے بعد تمام علوم کا سرچشمہ ذات امیر المومنین ہے:

''زرارہ روایت کرتے ہیں میں امام محمد باقرؑ کی خدمت میں حاضر تھا کہ

حکومت کرنے کے بعد یزید کا 'ٹی بی' میں مبتلا ہو کر انتقال ہو گیا۔ حضرت عمر نے ابوسفیان کا حکومت میں حصہ برقرار رکھتے ہوئے اب اس کے چھوٹے بیٹے معاویہ کو شام کا عامل بنادیا۔ شام ایک بڑا اور زرخیز صوبہ تھا اور اس پر مختلف حصوں میں کئی عامل مقرر کئے جاتے تھے۔ حضرت عمر نے معاویہ پر مہربانی فرماتے ہوئے پورے علاقے کا امیر معاویہ کو اکیلا گورنر بنادیا۔ ظاہر ہے کہ یہ ان کی پوزیشن کو انتہائی حد تک مضبوط کرنا تھا۔ وہ حضرت عمر ہی کے زمانے میں شاہانہ انداز اپنانے لگے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر نے اپنے دورہ کے دوران جب ان کے بود و باش پر انھیں ٹوکا تو انھوں نے جواب دیا کہ ہمیں مجبوراً ایسا طرز اپنانا ہوتا ہے کیونکہ سرحدیں روم سے لگی ہوئی ہیں اور وہ بڑی بادشاہت ہے۔ ظاہر ہے یہ ایسا جواب نہ تھا جس کو قبول کیا جاتا۔ مگر حضرت عمر نے ان کی کوئی سرزنش نہیں کی۔ یہاں تک کہ جب حضرت عثمان کا زمانہ آیا تو وہ مکمل طور پر خودمختار ہو گئے۔ اپنی طبیعت اور طینت سے وہ بہت تیز اور عیارانہ طبع تھے۔ مگر قرآن میں وہ شجر ملعونہ کے ایک حصہ کے طور پر یاد کئے گئے ہیں۔ علامہ طبری نے بیان فرمایا ہے:

''وہ درخت جس پر قرآن میں لعنت کی گئی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ خدا کی مراد اس ملعون خاندان سے خاندانِ بنی امیہ ہیں۔'' (تاریخ طبری، جلد ۴)

امیر معاویہ چونکہ over night مسلمان تھے اور فتحِ مکہ سے عین پہلے تک کیونکہ اسلام کا نام اور پیغمبرؐ کی شان دیکھ کر وہ انگاروں پر لوٹ جاتے تھے، لہٰذا ان کا مجبوری کا اسلام کبھی ان کے دل تک نہ اتر سکا۔ اس سلسلہ میں تاریخ کا یہ واقعہ میں ثبوت کے طور پر پیش کروں گا جس کو بہت سے نامی گرامی مورخین نے تحریر کیا ہے۔

''مطرف بن مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ اپنے باپ

کے ساتھ معاویہ کے پاس گیا۔ میرے باپ برابر ان کے پاس جایا کرتے تھے۔ ایک روز جو وہ اس کے پاس سے آئے تو پھر نماز میں نہیں گئے۔ میں نے کچھ دیر انتظار کیا۔ پھر خیال ہوا کہ شاید کوئی خاص بات ہوگئی ہو۔ تو میں نے ان سے پوچھا کہ کیا بات ہے کہ آج شام سے آپ کو غمگین پا رہا ہوں۔ کہا کہ بیٹا میں ایک کافرترین اور خبیث ترین انسان کے پاس سے آرہا ہوں۔ میں نے کہا کیا بات ہے۔ کہا کہ بیٹا میں نے آج تنہائی میں معاویہ سے کہا کہ آپ عمر طبعی کو پہنچے، اب تو کچھ انصاف و خیر کیجئے۔ آپ ضعیف ہو چکے، اپنے بھائی بنی ہاشم کی طرف ذرا نظر کیجئے اور صلۂ رحم کیجئے۔ کیونکہ اب ان لوگوں کے پاس ایسی کوئی طاقت نہیں ہے جس سے آپ کو ڈر ہو۔ اس نیکی سے آپ کا ذکر خیر رہے گا اور ثواب ہوگا۔ اس نے کہا کہ کون سے ذکر کے باقی رہنے کی امید کروں؟ ہمارے برادران بنی تیم نے حکومت پائی اور انصاف کیا اور جو کچھ کرنا تھا کیا۔ آخر وہ بھی ہلاک ہوئے اور ان کا ذکر بھی ختم ہوا، سوا اس کے کہ کوئی شخص ابوبکر کا نام لے لے۔ پھر ہمارے بھائی عدی مالک ہوئے اور جدوجہد کی اور دس برس تک حکومت کرنے کے بعد وہ بھی ہلاک ہوئے اور ان کا ذکر بھی ختم ہوگیا، بجز اس کے کہ کوئی عمر کا نام لے لے۔ لیکن ابو کبشہ کو دیکھو (حضرت رسولؐ کو توہین کی غرض سے کفار ابو کبشہ کہا کرتے تھے، معاویہ نے اسی توہین کے ساتھ پیغمبرؐ کا نام لیا ہے) کہ دن میں پانچ وقت اشھد ان محمد رسول اللہ پکارا جاتا ہے۔ پس خدا کی قسم کچھ نہ باقی رہے گا، سب دفن ہو جائیں گے۔" (نصائح کافیہ، ص ۹۴)

اس واقعہ سے معاویہ کا اسلام اچھی طرح ظاہر ہوگیا۔ اذان میں نام محمدؐ سن کر اس کا دل آگ سے بھر جاتا تھا۔ اس کے بس میں نہیں تھا کہ دین اور اذان کو

مٹا ڈالے۔ اس واقعہ سے اس تاریخی حقیقت کا بھی انکشاف ہوتا ہے کہ بنی امیہ کے اقتدار کے آغاز میں ہی بنی ہاشم کی کیفیت اس درجہ کو پہنچ چکی تھی کہ امیر معاویہ کے قریب ترین ساتھی مغیرہ، جن کا بنی ہاشم کو کچلنے میں پورا تعاون تھا، بنی ہاشم کی حالت دیکھ کر ہمدردی محسوس کرتے تھے۔ یہ حقیقت بھی ظاہر ہوتی ہے کہ معاویہ رسولؐ دشمنی میں اس قدر گہرائی کو پہنچے ہوئے تھے کہ خود ان کے اپنے ہم پیالہ وہم نوالہ ساتھیوں کو بھی اس کا اندازہ نہ تھا۔ جب انھوں نے اپنے دل کو کھول کر دکھایا تو مغیرہ جیسا بے ضمیر، بے ایمان اور بے دین بھی ان سے نفرت محسوس کرنے لگا۔

ان کے حالات کا اندازہ لگانے کے لئے ایک اور واقعہ پر نظر ضروری ہے۔ علامہ طبری نے ۶۰ ہجری کے واقعات میں تحریر کیا ہے:

''ایک مرتبہ معاویہ اور عمرو عاص میں کچھ ان بن ہوگئی۔ اسی زمانے میں مصر کا ایک وفد معاویہ کے پاس آیا۔ عمرو عاص نے ان کو سکھا دیا کہ جب معاویہ کے سامنے جانا تو اس کو امیر المومنین کہہ کر سلام نہ کرنا۔ معاویہ کو اس کی خبر ہوگئی۔ اس نے دربار خوب آراستہ کیا۔ اور ہر طرف زرّیں کمر غلام ننگی تلواریں لے کر کھڑے کر دیے اور ان سے کہہ دیا کہ مصر کا وفد جب آئے تو ان کے ساتھ کوئی نرمی نہ کرنا، بلکہ بہت سختی سے پیش آنا۔ اس کے بعد مصر والوں کو دربار میں داخلہ کی اجازت دی گئی۔ چنانچہ ان میں سے جو بھی داخل ہوا، اس نے اہل دربار کا تیور دیکھ کر اپنی موت کا یقین کرلیا۔ پہلا شخص جو معاویہ کے سامنے پہنچا وہ ابن الخیاط کہا جاتا تھا۔ اس نے سر جھکا کر 'السلام علیک یا رسول اللہ' کہا۔ پھر اس کے کُل ساتھیوں نے یوں ہی سلام کیا اور معاویہ ان کا سلام قبول کرتا رہا۔ جب یہ لوگ نکلے تو عمرو عاص نے کہا کہ خدا تم لوگوں پر لعنت کرے۔ ہم نے معاویہ کو امیر المومنین کہہ کر سلام کرنے کو منع کیا تھا، تم لوگوں نے اس کو

رسول اللہ کہہ کر سلام کیا۔" (تاریخ طبری، جلد ۴، واقعات ۶۰ ہجری)

اس واقعہ سے امیر معاویہ کی کیفیات پر بہت واضح روشنی پڑتی ہے۔ ممکن ہے اور بہت ممکن ہے کہ ابن الخیاط نے دربار کی سختی کے سبب ہڑ بڑا کر "السلام علیک یا امیرالمومنین" کہنا چاہا ہو، مگر بدحواسی کے سبب "السلام علیک یارسول اللہ" کہہ گیا ہو۔ لیکن فوراً امیر معاویہ کو ڈانٹ کر تصحیح کرنا چاہئے تھی۔ اگر مثلاً! ابن الخیاط کے الفاظ کی طرف متوجہ نہیں ہو سکے تھے تو بعد میں آنے والے لگاتار یہی تکرار کرتے رہے۔ اس پر بھی معاویہ خاموش رہے۔ خاموش ہی نہیں رہے، بلکہ مطمئن رہے۔ اب اس کے بعد ان کی اس بے دینی میں بھی اگر کسی کو ان کی دین داری نظر آئے تو اس کے علاوہ کیا کہوں کہ اس نے اپنی عقل کے دروازے پر عقیدت کے اندھے پہرے داروں کی پوری فوج کھڑی کر رکھی ہے۔

بعض حضرات نے یہ ذمہ لے رکھا ہے کہ وہ بہر طور بنی امیہ اور خصوصاً معاویہ کے حق میں ماحول ہموار کرتے رہیں گے۔ ایسا ہر دور میں ہوا ہے۔ آج بھی پیٹرو ڈالرس کے بوطے پر یہ کام خوب زور شور سے چل رہا ہے۔ مگر حقیقتِ حال یہ ہے کہ امام نسائی فرماتے ہیں:

> "معاویہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں سوائے ایک حدیث کے کہ اللہ اس کا پیٹ نہ بھرے۔"

امیر معاویہ کی حکومت۔۔۔۔۔ بے دینی کا عروج

امیر معاویہ کا دورِ حکومت اسلام کے لئے مصائب اور سختیوں کا زمانہ تھا۔ اب وہ بے روک ٹوک اسلامی حکومت کے فرمانروا تھے۔ انھوں نے اسلامی احکامات کو پس پشت رکھ کر قیصر و کسریٰ والی حکومت قائم کر لی۔ ان کے کارناموں اور باطل عقائد کی ایک لمبی فہرست ہے۔ خاندان بنی عباس کے خلیفہ معتضد نے جو ۲۷۹ ہجری سے

۲۸۹ ہجری تک خلیفہ رہا، ایک عام فرمان لکھا تھا جس میں اس نے بنی امیہ اور معاویہ کے کردار اور خصائص بیان کئے تھے۔ یہ فرمان تمام معتبر کتب اہلسنت میں موجود ہے، جن میں علامہ ابن الوردی کی تاریخ، علامہ ابن کثیر، تاریخ کامل، تاریخ خمیس، تاریخ ابوالفداء، جلال الدین سیوطی کی تاریخ الخلفاء اور تاریخ طبری وغیرہ بھی شامل ہیں۔ اس میں اس نے بنو امیہ کو مؤلفۃ القلوب، بنو امیہ کا جنت وجہنم سے انکار، آنحضرتؐ کا اپنے منبر پر بنی امیہ کو دیکھ کر پھر زندگی بھر تبسم نہ کرنا، رسول کا ارشاد کہ معاویہ کو منبر پر دیکھو تو قتل کر دو، حضرت عمار کی شہادت باغی گروہ کے ہاتھوں، مقتولین معاویہ کا ذکر، معاویہ کا زیاد کو ناجائز بھائی بنانا، یزید کا خلیفہ بنانا وغیرہ چیزیں رقم کی ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ معاویہ اور بنی امیہ کے عیوب معاویہ کے ۲۷۳ سال بعد آنے والے حکمران معتضد کو بھی خوب معلوم تھے، جن کو مستند مان کر علمائے اہل سنت نے اپنی تاریخوں میں تحریر کر دیا۔

علامہ جلال الدین سیوطی اپنی مشہورِ زمانہ تصنیف ''تاریخ الخلفاء'' میں تحریر کرتے ہیں:

> ''آپ کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں مگر بہت کم ان میں سے بچی ثابت ہوئی ہیں۔''

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ معاویہ نے اپنی اسلام سے قبل کی دشمنِ اسلام امیج کو سنبھالنے اور اپنی حکومت کو مضبوط بنانے، لوگوں کو اپنا ہمنوا بنانے کے لئے حدیثیں گڑھوائی تھیں۔ علامہ ابن ابی الحدید نے بھی شرح نہج البلاغہ میں یہ بات تحریر کی ہے۔ انھوں نے اس شرح کی چوتھی جلد میں صحابیٔ رسول حضرت ابن مسعود کے حوالے سے تحریر کیا ہے:

> ''جب تم لوگ معاویہ کو میرے منبر پر خطبہ پڑھتے دیکھو تو اس کا سر کاٹ لینا۔ حسن بصری نے کہا کہ قسم خدا کی نہ لوگوں نے اس کا سر کاٹا، نہ انھوں

نے فلاح پائی۔''

حضرت امیرؑ نے جیسا کہ پیشین گوئی میں فرمایا تھا کہ شاہانِ بنی امیہ کے ہاتھوں زبردست قتل وغارت گری ہوگی، امیر معاویہ کا زمانہ بھی اس سے خالی نہیں ہے۔ بنی امیہ کے حامی درباری شاعر جیسے لوگوں نے کوشش کی ہے کہ وہ معاویہ کو حلیم الطبع ثابت کریں، مگر سچ یہ ہے کہ جیسی شخصیات ان کے دور میں محض ان کے خیالات کا ہمنوا نہ ہونے کے جرم میں قتل کر ڈالی گئیں، وہ ایسی شخصیات تھیں جن کا بدل زمانہ دوبارہ پیدا نہ کر سکا۔ ان کے حلم کے جو چرچے ہیں ان کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے مشہور دیوبندی عالم شہید شاہد زعیم فاطمی یوں طبری کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

> ''امیر معاویہ کا حلم اور ان کی قوت برداشت سیاسی مصلحتوں کی پیداوار تھی جیسا کہ انھوں نے اس کا اظہار عائشہ بنت عثمان کے سامنے کیا۔ عائشہ نے امیر معاویہ سے اپنے باپ کے قاتلوں سے انتقام لینے کا مطالبہ کیا تو انھوں نے اس کے جواب میں کہا تھا 'بھتیجی! لوگوں نے ہماری اطاعت قبول کی اور ہم نے انھیں جان کی امان بخشی۔ ہم نے ان سے نرمی کا برتاؤ کیا، حالانکہ ہمارے دل میں ان کے لئے غیظ وغضب کے جذبات ہیں۔'' (طبری)

بعد میں یوں فرماتے ہیں:

> ''یہ ہے امیر معاویہ کے حلم اور ان کی بردباری کی حقیقت۔ وہ خود بھی اپنی زبان سے کہہ رہے ہیں کہ اس حلم کی تہہ میں غیظ وغضب چھپا ہوا ہے۔ امیر معاویہ کا یہ حلم ان کی طبیعت کا جوہر نہ تھا کیونکہ وہ ایک بزدل انسان تھے اور بزدل کبھی حلیم نہیں ہوتا۔ البتہ وہ ایک شاطر سیاست داں ضرور تھے، جو مصلحتِ وقت کے مطابق پینترے بدلتا ہے۔ ورنہ جہاں تک مخالفوں سے انتقام لینے کا تعلق ہے، وہ حد درجہ

بے رحم اور قسی القلب واقع ہوئے تھے۔ جب صفین کی جنگ میں معاویہ کی فوج کے ہاتھوں عمار شہید ہوئے تو ان کا سر کاٹ کر معاویہ کے پاس لایا گیا۔ جاہلیت کی اس وحشیانہ رسم کو امیر معاویہ نے اختیار کیا۔ کیا حلم ایسا ہوتا ہے۔'' (سیدنا علی ابن ابی طالب اور ان کے سیاسی حریف)

میں مرحوم شاہد زعیم فاطمی کا قطعی طور پر ہم خیال ہوں۔ امیر معاویہ کا حلم ان کا دوسرا اور باہری چہرہ تھا۔ ان کا اصل اندر کا چہرہ ابن ابی الحدید نے دیکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

''سفیان بن عوف عامری کا بیان ہے کہ مجھے معاویہ نے بلا کر کہا' میں اسلحوں سے سجا ہوا لشکر تمھارے ساتھ روانہ کر رہا ہوں۔ تم فرات کے کنارے کنارے چل کر ہی پہنچو۔ اگر وہاں کوئی لشکر ملے تو حملہ کر دو، ورنہ آگے بڑھ کر انبار پہنچو۔ وہاں قتل و غارت گری کرو۔ وہاں بھی کوئی مزاحمت نہ ہو تو بڑھتے چلے جاؤ اور مدائن تک پہنچ جاؤ۔ اچھی طرح سمجھ لو انبار اور مدائن پر حملہ ویسا ہی ہے جیسے خود کوفہ پر حملہ کرنا۔ تمھارے یہ حملے اہل عراق کے دلوں کو سہا دیں گے اور ان میں جو ہمارے ہوا خواہ ہیں انھیں بڑی خوشی ہوگی۔ لوگوں کو ہماری طرف دعوت دینا اور جس کو بھی اپنی رائے پر نہ پاؤ اسے قتل کر دینا۔ جس گاؤں سے گزرو اسے لوٹ لو اور جتنا مال و متاع ملے، اپنے قبضہ میں کر لو۔ زر و مال کی تباہی قتل جیسی ہی ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ جانکاہ۔'' (شرح نہج البلاغہ۔ علامہ ابن ابی الحدید)

مدائن اور انبار میں حضرت علیؑ سے عقیدت رکھنے والوں کی بڑی بھاری تعداد موجود تھی۔ اسی لئے امیر معاویہ نے یہ کہا کہ وہاں پر حملے کوفہ پر حملے جیسے ہی ہیں۔ ابن ابی الحدید کی یہ تحریر آئینہ ہے یہ دیکھنے کے لئے کہ شیعیانِ علیؑ کا مال و خون اس ''حلیم الطبع'' حاکم نے کس طرح اپنے کمانڈروں کو مباح کر رکھا تھا۔ فوجیوں کے

مزاج میں یوں بھی تشدد ہوتا ہے۔ پھر بنی امیہ نے تو چھانٹ چھانٹ کر ظالم افسر مقرر کئے تھے۔ ایسے میں انھیں چھوٹ دے دینا کہ قتل بھی کریں اور مال بھی لوٹیں۔ گویا کہ ظلم کے سیلاب کا رخ حضرت علیؑ کے حامیوں کی طرف موڑ کر اس میں سب کو بہا لے جانا تھا۔

ضحاک بن قیس اپنے ایک دوسرے کمانڈر کو امیر معاویہ کا یہ حکم بھی ملاحظہ فرمائیں:

> ''تم کوفہ کی جانب پہنچو۔ راستے میں جتنے عرب تمھیں علی کے مطیع ملیں، ان پر حملہ کردو۔ اگر اسلحہ خانہ ان کا نظر آئے تو لوٹ لو۔ صبح اگر ایک شہر میں ہو شام دوسرے شہر میں۔''

چنانچہ ضحاک نے اس حکم کی تعمیل اس طرح کی کہ اس کے راستے میں جتنے گاؤں آئے، لوٹ لئے۔ جتنے عرب (علیؑ کے چاہنے والے) ملے، سب کو قتل کیا، یہاں تک کہ ثعلبیہ پہنچا۔ یہاں حاجیوں کا ایک قافلہ ملا۔ ان کے سارے مال واسباب چھین لئے۔ آگے بڑھ کر عمر بن قیس بن مسعود، جو حضرت عبداللہ ابن مسعود صحابیٔ پیغمبرؐ کے بھتیجے تھے، ملے۔ ان کو اور ان کے ساتھ بہت سے صحابہ کو قتل کیا۔ یہ لوگ حج کے لئے جا رہے تھے۔'' (''مقتولینِ معاویہ''۔ از احسن دانا پوری)

حضرت علیؑ نے جو فرمایا تھا، کیا بنی امیہ کی حکومت کا آغاز ہوتے ہی سب کچھ شروع نہیں ہوگیا؟ جب امیر معاویہ، جن کو ''حلیم الطبع'' ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، کے ظلم کا عالم یہ تھا، تو ان حکام کے ظلم کی کیا حد رہی ہوگی جن کو ہوا خواہانِ بنی امیہ بھی خونخوار تسلیم کرتے ہیں۔

بنی امیہ سے متعلق حضرت علیؑ کی پیشین گوئی کو اس تحریر کے فریم میں بھی دیکھیے:

> ''عبداللہ بن عامر کو امیر معاویہ نے بصرہ کا عامل بنایا تھا۔ اس نے اپنی پہلی سی روش اختیار کی، جس کا وہ حضرت عثمان کے زمانے میں پابند تھا۔ یعنی اپنے مفاد کو مقدم رکھا اور لوگوں کے مفاد سے بے توجہی برتی۔ چنانچہ اس نے اپنے بس بھر دولت جمع کر لی اور لوگوں کے لئے ان کی

لگام ڈھیلی کر دی کہ برائیوں اور آوارگیوں کی طرف چلنے لگیں۔"

("مقتولینِ معاویہ"۔ از احسن داناپوری)

بسر بن ارطاۃ کو معاویہ نے یمن کا گورنر بنایا۔ یہ انتہائی سفاک اور شقی القلب آدمی تھا۔ امیر معاویہ نے اس کو حکم دیا کہ مکہ اور مدینہ ہوتے ہوئے یمن تک پہنچے اور ہر اس آبادی میں جہاں علیؑ کے لوگ موجود ہوں، ان کو ڈرا دھمکا کر معاویہ کے لئے بیعت لے، وگرنہ قتل کر ڈالے۔ چنانچہ بُسر نے مدینہ پر قابض ہو کر سخت رویہ اپنایا۔ انصار کو گالیاں دیں، مدینہ کے بہت سارے مکانوں میں آگ لگوادی اور لوٹ مار کا بازار گرم کیا۔ یہی طرز اس نے یمن میں اپنایا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس کے دولڑکے یمن میں تھے۔ ان کے نام عبدالرحمٰن اور قثم تھے۔ ان دونوں کو پکڑ کر اس نے ان کی ماں کے سامنے ذبح کر ڈالا۔ جب تک یہ حیات رہیں جنونی کیفیت میں مبتلا رہیں۔ (تاریخ ابوالفداء۔ تاریخ کامل ابن اثیر) کچھ بچے کھیلتے نظر آئے۔ قریب میں ایک کنواں تھا۔ اس نے سب کو کنویں میں ڈال دیا۔ یہ معصوم وہیں ڈوب کر مر گئے۔ نجران میں پہنچ کر وہاں کے معروف سردار عبداللہ ابن عبدالمدان الحارثی اور ان کے لڑکوں کو قتل کیا۔ اس نے عورتوں کو گالیاں دیں اور انھیں بازاروں میں فروخت کیا۔

اعثم کوفی کا بیان ہے کہ اکیلے بسر نے ۳۰،۰۰۰ ہزار لوگوں کو قتل کیا۔ یہ بھی دھیان رہے کہ یہ تیس ہزار کی تعداد آج کے زمانے کی نہیں، بلکہ ایک ہزار سال پہلے کی ہے۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب دنیا کی آبادی آج کے مقابلے بہت کم تھی اور خصوصاً عرب کی آبادی تو بہت ہی کم تھی کیونکہ دنیا کے دیگر ممالک کے مقابلہ میں عرب کی آبادی آج بھی بہت کم ہے۔ پھر اس کم تعداد آبادی میں سے ایک مخصوص طبقہ کے، جو کہ اقلیت تھا، ۳۰۰۰۰ لوگوں کا قتل کر دیا جانا اس طبقہ کا عظیم نقصان اور سخت ترین بربادی تھی۔ ان واقعات کی تفصیلات کے لئے تاریخ کی تمام مستند کتابوں، جیسے "تاریخ اسلام" شاہ معین الدین ندوی۔ "تاریخ اسلام" اکبر شاہ نجیب آبادی۔ "تاریخ اسلام" مولانا

علی نقی نقوی۔ ''تاریخ اسلام'' احسان اللہ عباسی۔ 'تاریخ اعثم کوفی'۔ تاریخ طبری، تاریخ کامل، استیعاب (برحاشیہ 'اصابہ') وغیرہ سے شہادتیں حاصل کی جاسکتی ہیں۔

حضرت حجر بن عدی کا قتل

امیر معاویہ کے دورِ حکومت کے ہولناک ترین واقعات میں سے حضرت حجر بن عدی کا بہیمانہ قتل ایک سخت ترین واقعہ ہے۔ حضرت حجر پیغمبرؐ کے اصحاب میں انتہائی برگزیدہ شخصیت کے حامل تھے۔ وہ حضرت علیؑ کے طرفداروں اور ان کے جاں نثار شیعوں میں شمار ہوتے تھے۔ جنگ جمل اور جنگ صفین دونوں میں ان کی گراں قدر خدمات تھیں۔ حضرت علیؑ نے ان کو امام حسنؑ کے ساتھ جمل کی تیاریوں کے لئے معین کیا تھا۔ چنانچہ ان کی مدد سے ۹۶۵۰ کا لشکر تیار ہوا۔ علامہ طبری لکھتے ہیں کہ تحکیم کے گواہوں میں سے ایک حجر بھی تھے۔ صفین میں وہ کندہ کے سپہ سالار مقرر ہوئے تھے۔ باوجود اس کے کہ وہ جمل اور صفین میں حضرت علیؑ کے پُرجوش حامی اوران کے لشکر میں پیش پیش تھے، ان کی پارسائی، تقویٰ اور زہد کے سبب ان کے مخالفین بھی ان کا بڑا احترام کرتے تھے۔ انھوں نے جب سے اسلام قبول کیا تھا، ان کا طریقہ تھا کہ ہر وقت باوضو رہتے تھے۔ اور جب وضو ختم ہوجاتا تو فوراً وضو کرتے اور ہر تجدید وضو کے بعد دو رکعت نماز ادا کرتے تھے۔

امیر معاویہ نے جب زیاد کو کوفہ کا گورنر بنا کر بھیجا تو اس نے حضرت علیؑ کے شیعوں پر سخت نگاہ رکھی۔ حضرت حجر کو بھی اس نے ہر نماز میں حاضر رہنے کی تاکید کی۔ بعض مورخین کے مطابق اپنے پہلے ہی خطبے میں اور بعض مورخین کے مطابق کسی اور خطبے میں زیاد نے حضرت علیؑ پر لعن شروع کیا تو حضرت حجر نے اسے کنکریاں پھینک کر ماریں۔ خطبہ چھوڑ کر زیاد محل میں چلا گیا اور حجر اور ان کے ساتھیوں کی گرفتاری کے آرڈر جاری کردیے۔ علامہ طبری کی روایت کے مطابق زیاد نے خطبے کو اس قدر طول

ایک مردکوفی نے امیر المومنینؑ کے دعوۂ سلونی کے بارے میں دریافت کیا۔امام نے جواباً فرمایا کہ بے شک کسی شخص کے پاس کوئی علم نہیں مگر یہ کہ اس کا مصدر امیر المومنینؑ کا علم ہے۔لوگ جدھر چاہیں، چلے جائیں، مگر بالآخر مصدر یہی گھر ثابت ہوگا۔'' (کافی، جلد۱، ص۳۴۹)

خطبہ ۱۴۴، نہج البلاغہ میں امیر المومنینؑ فرماتے ہیں :

''کہاں ہیں وہ لوگ جن کا خیال ہے کہ ہمارے بجائے وہی 'راسخون فی العلم'' ہیں، حالانکہ یہ صریحی جھوٹ ہے اور ہمارے اوپر ظلم ہے، کہ خدا نے ہمیں بلند بنایا ہے اور انھیں پست قرار دیا ہے۔ہمیں علم عنایت فرمایا ہے اور انھیں اس علم سے الگ رکھا ہے۔ہمیں اپنی بارگاہ میں داخل کیا ہے اور انھیں دور رکھا ہے۔ہمارے ہی ذریعہ ہدایت حاصل کی جاتی ہے اور تاریکیوں میں روشنی حاصل کی جاتی ہے۔''

امام حسینؑ فرماتے ہیں :

''میں نہیں جانتا کہ لوگ ہم سے کس بات پر عداوت رکھتے ہیں، جبکہ ہم رحمت کے گھر، نبوت کے شجر اور علم کے معدن ہیں۔''

(نزہۃ الناظرہ، ص-۸۵)

امام محمد باقرؑ کی چند احادیث اور نقل کرتا ہوں جو بہت سے حقائق کو اظہر من الشمس کرتی ہیں۔

(۱) ''پروردگار کے لئے ایک علم خاص ہے اور ایک عام۔علم خاص وہ ہے جس کی اطلاع ملائکہ مقربین اور انبیاء مرسلین کو بھی نہیں ہے اور علم عام وہ ہے جسے اس نے ملائکہ اور مرسلین کو عنایت فرمایا ہے اور ہم تک یہ علم رسول اکرمؐ کے ذریعہ پہنچا ہے۔''

دے دیا تھا کہ نماز کا وقت جانے لگا تو حجر نے خطبے کے درمیان ''الصلوٰۃ'' ''الصلوٰۃ'' کہہ کر متوجہ کیا۔ مگر جب زیاد نظر انداز کرتا رہا اور وقتِ نماز جانے لگا تو حجر نے کنکریاں ماریں اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ انھیں کے ساتھ دوسرے لوگ بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ مجبوراً زیاد منبر سے اتر آیا اور نماز پڑھا دی۔ مگر امیر معاویہ کو حجر کی بہت سی شکایتیں لکھ بھیجیں۔ معاویہ نے جواب دیا کہ حجر کو زنجیروں میں جکڑ کر شام روانہ کردو۔ (تاریخ طبری، جلد ٦)

علامہ ابن کثیر تحریر کرتے ہیں کہ جب مغیرہ کوفہ کو گورنر تھا تو اونٹوں پر مال بار کر کے شام بھیجا جارہا تھا۔ حجر نے اونٹ کی مہار پکڑ لی اور کہا کہ خدا کی قسم جب تک حق داروں کو حق نہ پہنچ جائے یہ مال کہیں نہیں جاسکتا۔ یہ خبر جب معاویہ کو پہنچی تو انھوں نے مغیرہ سے باز پرس کی اور حجر کے ساتھ تشدد سے کام لینے کی تاکید کی۔ اس کے درباری بھی کہتے کہ آپ نے حجر کو چھوٹ دے رکھی ہے۔ وہ حکومت کے کاموں پر تنقید کرتے ہیں، انھیں قتل کردو۔ تب مغیرہ نے کہا کہ میرا آخری وقت ہے، کیا خوب کہ میں قتل کی ابتدا کروں اور ان کا خون بہاؤں۔ وہ تو سعادت اخروی حاصل کریں اور میں ان کو قتل کر کے شقاوت میں مبتلا ہوجاؤں۔ معاویہ کو دنیا میں عزت ملے اور مغیرہ قیامت کے دن ذلیل ورسوا ہو۔ (طبری، جلد ٦)

معاویہ نے مغیرہ کو معزول کر کے زیاد کو اس تاکید کے ساتھ کوفہ بھیجا کہ وہ گورنری کا چارج مغیرہ سے لے اور حجر اور ان کے ساتھیوں پر سخت نگاہ رکھے۔

زیاد تو پہلے ہی حضرت علیؑ کے شیعوں پر سخت تھا۔ اس نے آتے ہیں سب کو مسجد میں بلا لیا اور خطبہ دیا۔ اسی خطبہ میں یہ حجر کا واقعہ پیش آیا کہ انھوں نے حضرت علیؑ پر سب کرنے پر زیاد کو کنکریاں ماریں۔ زیاد نے حجر اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کرالیا۔ گرفتاری کے واقعات بہت طویل ہیں۔ ان کے قبیلے کے علاوہ دیگر اہل کوفہ نے انھیں کافی دن جان پر کھیل کر پوشیدہ رکھا۔ زیاد حجر سے پرخاش رکھتا تھا۔ امیر

معاویہ کی طرف سے اسے پہلے ہی ان پر نگاہ رکھنے اور سختی کرنے کا حکم تھا۔ اس واقعہ نے اسے حجر کے خلاف رپورٹ شام بھیجنے کا موقع دے دیا۔ لیکن وہ حجر کی شخصیت کی گراں قدری سے خوب واقف تھا۔ چنانچہ اس نے حجر کے خلاف انتہائی مضبوط کیس تیار کیا۔ اس نے باقاعدہ حجر کے خلاف گواہیوں کا اہتمام کیا اور ساری گواہیوں کو ایک رجسٹر میں قلم بند کرایا۔۔۔۔۔عوام کے علاوہ اس نے خواص کی گواہیاں بھی رقم کرائیں۔ ان دنوں کوفہ administrative نقطۂ نظر سے چار محلوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ اور ہر ایک محلہ کا ایک رئیس ہوتا تھا۔ اس نے چاروں رؤسا کو بلا کر حجر کے خلاف گواہی کا مضمون ان لوگوں کو سنایا اور ان سے گواہیوں پر دستخط کرائے۔ گواہی کا مضمون اس طرح تھا:

''حجر نے اپنے پاس لوگوں کو جمع کیا، خلیفہ کو اعلانیہ برا کہا، امیر المومنین سے جنگ کرنے پر لوگوں کو آمادہ کیا۔ اس کا عقیدہ ہے کہ آل ابوتراب کے علاوہ خلافت کسی کے لئے نہیں ہے۔ اس نے شہر میں خروج کیا۔ امیر المومنین کے عامل کو نکال دیا اور ابوتراب کی طرف سے عذر اور ان پر ترحم کیا۔ ان کے دشمنوں اور اہل حرب سے برأت کی اور یہ لوگ جو اُن کے ساتھ ہیں (حجر کے ساتھ گرفتاران کے ساتھی) ان کا عقیدہ بھی اسی کا سا ہے۔''

ابوبردہ ابن ابوموسیٰ نے اس طرح اپنی گواہی تحریر کی:

''ابوبردہ بن موسیٰ رضائے الٰہی کے لئے شہادت دیتا ہے کہ حجر بن عدی نے اطاعت اور جماعت کو ترک کیا اور خلیفہ پر لعن کی۔ جنگ وفتنہ پر لوگوں کو آمادہ کیا کہ وہ بیعت کو توڑیں اور امیر المومنین معاویہ کو خلافت سے معزول کریں۔ انھوں نے خدا کے ساتھ اعلانیہ کفر کیا۔''

حجر کے معاملے میں زیاد کو اندیشہ تھا کہ ان کی حمایت میں لوگ اٹھ کھڑے

ہو سکتے ہیں اور مختلف سفارشیں بھی معاویہ کو پیش کی جا سکتی ہیں۔ اس لئے وہ کوئی کی گواہیوں میں چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ ان چاروں اہم گواہوں کے بعد اس نے مختلف قبائل کے دیگر سرداروں کو بلا کر دیگر کی گواہیاں تیار کرائیں۔ مؤرخین کا بیان ہے کُل ۷۰ رگواہوں کے بیانات رقم کئے گئے۔ علامہ طبری نے کچھ گواہوں کے نام اس طرح تحریر کئے ہیں:

''اسحاق بن طلحہ، موسیٰ بن طلحہ، اسمٰعیل بن طلحہ، منذر بن زبیر، عمارہ بن عقبہ، عبدالرحمٰن بن ہناد، عمر بن سعد بن ابی وقاص، عامر بن مسعود، محرز بن جاریہ، عبیداللہ ابن مسلم حضرمی، عتاق بن شرجیل، وائل بن حجر حضرمی، کثیر بن شہاب، قطن بن عبداللہ، صائب بن اقرع ثقفی، شیث بن ربعی، عبداللہ بن ابی عقیل ثقفی، مصقلہ بن ہبیر شیبانی، تقصاع بن شور، حجار بن البحر عجل، عمرو بن عجل، عمرو بن حجاج زبیری، لبید بن عطارد تیمی، محمد بن عمیر تیمی، سوید بن عبدالرحمٰن تیمی، شمر بن ذی الجوشن، شداد بن الہیثم الہلالی، مروان بن الہیثم الہلالی، محفض بن تغلبہ، عبدالرحمٰن بن قیس اسدی، حارث بن ازمع ہمدانی، شداد بن ازمع ہمدانی، کریب بن مسلمہ جعفی، عبدالرحمٰن ابن ابی سیرۃ الجعفی، زمر بن قیس جعفی، قدامہ بن عجلان ازدی، عزرہ احمس، عمر بن قیس اللجہ وداعی، ہانی بن عبد وادی اور ابو بردہ بن موسیٰ وغیرہ۔''

مختار ابن ابو عبیدہ ثقفی کو بھی گواہی دینے کے لئے بلایا گیا تھا جو کہ مشہور شیعہ علی تھے، مگر وہ خاموشی سے کوفہ سے باہر نکل گئے۔ اسی طرح عروہ بن مغیرہ بن شعبہ، جو کہ شیعہ علی تو نہ تھا، مگر مغیرہ کا فرزند ہونے کے سبب اسکی گواہی بھی اہم تھی، طلب کیا گیا۔ لیکن زیاد سے سیاسی مخالفت اور حجر کے خلاف گواہ نہ بننے کی وجہ سے وہ بھی کوفہ چھوڑ کر چلا گیا۔

طبری اور چند دوسرے مؤرخین کا یہ بھی کہنا ہے کہ زیاد نے ان شہادتوں کے علاوہ کچھ مصنوعی شہادتیں بھی لکھوادیں کہ جو لوگ اہم تھے مگر بعض وجوہات کے سبب ان کی گواہیاں نہیں ہوسکی تھیں۔ چنانچہ طبری تحریر کرتے ہیں کہ سری بن وقاص حارثی اس وقت موجود نہیں تھا لیکن اس کا نام زیاد نے جعلی طریقہ سے شاملِ گواہی کیا۔اسی طرح اسماء بن خارجہ اور ہیثم اسود نخعی دونوں حجر کے خلاف گواہی دینے سے معذرت کرتے رہے مگر زیاد نے زبردستی ان کی گواہیاں تحریر کرادیں۔

تمام گواہیوں سے فارغ ہو کر کیس کو انتہائی مضبوط پوزیشن میں لانے کے لئے اس نے قاضی شریح سے حجر کے خلاف گواہی رقم کرانے کے لئے بات کی۔ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ قاضی شریح نے کہا ''میں نے حجر بن عدی سے زیادہ کسی کو نماز پڑھنے والا نہیں دیکھا۔'' زیاد نے خاموشی اختیار کی اور ایسا ظاہر کیا جیسے وہ قاضی شریح سے متفق ہوگیا، لیکن اس نے خاموشی سے قاضی شریح کی جعلی گواہی بھی اس رجسٹر میں قلم بند کردی۔

گواہوں کی گواہیاں قلمبند ہوجانے کے بعد زیاد نے رات کے اندھیرے میں حضرت حجر اور ان کے گیارہ دیگر ساتھیوں کو زنجیروں میں جکڑ کر وائل بن حجر اور کثیر بن شہاب حارثی کی سرکردگی میں دمشق کی طرف روانہ کردیا۔

حضرت حجر کے دیگر گیارہ اصحاب جو زنجیر بستہ کرکے شام بھیجے گئے ان کے نام درج ذیل ہیں:

''۱۔ارقم بن عبداللہ کندی ۲۔شریک بن شداد الحضرمی ۳۔صفی بن فیل ۴۔قبیصر بن ضبیعہ عبسی ۵۔کریم بن عیفن خثعمی ۶۔عاصم بن عوف بجلی ۷۔ورقا بن سمی بجلی ۸۔کرام بن حیان غزی ۹۔عبدالرحمٰن بن حسان فزی ۱۰۔محرز بن شہاب تیمی ۱۱۔عبداللہ بن حویہ سعدی۔

قیدیوں کی دمشق روانگی کے بعد قاضی شریح پر یہ راز کھلا کہ حجر اور ان کے

ساتھی بغاوت کے جرم میں معاویہ کے پاس روانہ کر دیئے گئے ہیں اور زیاد نے خود اس کا نام بھی گواہوں میں تحریر کر دیا ہے۔ جب یہ بات قاضی شریح پر کھلی تو وہ زیاد سے ناراض ہوا اور اُس سے ملاقات کی۔ پھر ایک خط لے کر خود غریبین تک ان لوگوں کے تعاقب میں پہنچا جہاں کثیر بن شہاب اور وائل بن حجر ان قیدیوں کو لے کر پہنچ چکے تھے۔ قاضی شریح نے خط کثیر بن شہاب کو دیا اور کہا کہ میرا یہ خط امیر المومنین کو پہنچا دینا۔ کثیر کے علم میں غالباً یہ بات تھی کہ قاضی شریح کا نام غلط طرح سے گواہی میں درج ہوا ہے۔ اس نے بات کو محسوس کیا اور قاضی سے کہا کہ خط کا مضمون ظاہر کر دیں۔ قاضی شریح نے کہا کہ میں مضمون ظاہر کرنے سے عاجز ہوں، امیر المومنین سے کوئی حاجت بیان کی ہے۔ کثیر نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ جب تک مجھ پر مضمون ظاہر نہ ہو جائے میں خط نہیں لے سکتا کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ خط میں کہیں کوئی ایسا مدعا ہو کہ امیر المومنین کی ناگواری کا سبب بنے۔ کثیر کے انکار کے بعد قاضی نے خط وائل بن حجر کو دیا۔ اس نے لے لیا۔ یہاں سے یہ قیدی روانہ ہوئے تو کچھ ہی مسافت کے بعد زیاد نے ۲ قیدی اور پیچھے سے بھیجے۔ ان قیدیوں کو عامر بن اسود عجلی لے کر آیا اور یہ دونوں قیدی عتبہ بن اخنس اور سعد بن نمران تھے۔ اس طرح اب یہ کُل ۱۴ قیدی دمشق روانہ ہوئے۔

جب یہ قیدی دمشق پہنچ گئے اور آمد سے معاویہ کو مطلع کیا گیا تو انھوں نے وائل وکثیر کو بلا کر زیاد کا خط طلب کیا۔ مہر توڑی، خط پڑھا۔ زیاد نے لکھا تھا:

''زیاد بن ابی سفیان کی طرف سے بندۂ خدا امیر المومنین معاویہ کو!

امابعد! خدا نے اس بلا کو بڑی خوبی سے امیر المومنین سے دور کر دیا اور باغیوں کے دفع کرنے کی زحمت سے انھیں بچا لیا۔ اس فرقۂ ترابیہ سبائیہ کے شیاطین نے جس کا سرگروہ حجر بن عدی ہے، امیر المومنین سے مخالفت کی اور جماعت مسلمین سے مفارقت کی اور ہم

لوگوں سے جنگ کی۔ خدا نے ہمیں ان پر غلبہ دیا اور ہم ان کے گرفتار کرنے میں کامیاب ہوئے۔ شہر کے اشراف، معزز اور دیندار لوگوں کو میں نے بلایا، انھوں نے جو کچھ دیکھا اس کی گواہی دی۔ میں نے اس کو (حجر اور ساتھیوں کو) آپ کے پاس بھیج دیا ہے اور صلحاء اور فضلاء کی تمام گواہیاں بھی آپ کو خط کے ساتھ بھیج دی ہیں۔''

معاویہ نے زیاد کا خط اہل دربار کو سنایا۔ پھر گواہیاں پڑھ کر سنائی گئیں۔ ابھی یہ ہوا ہی تھا کہ وائل نے شریح کا خط بھی معاویہ کو دے دیا۔ خط میں تحریر تھا:

''بندۂ خدا امیر المومنین کی طرف، شریح بن ہانی کی طرف سے

اما بعد! مجھے معلوم ہوا ہے کہ زیاد نے حجر بن عدی کے خلاف میری گواہی بھی تحریر کی ہے۔ حالانکہ حجر کے لئے میری گواہی یہ ہے کہ وہ نماز کو قائم کرنے والے، زکوٰۃ دینے والے، حج وعمرہ بجالانے والے اور اچھی باتوں کا حکم دینے والے ہیں۔ منکرات سے روکنے والے ہیں۔ ان کی جان و مال حکومت کے لئے حرام ہے۔''

معاویہ نے قاضی شریح کا خط وائل اور کثیر کو پڑھ کر سنایا اور کہا کہ شریح نے خود کو تم لوگوں سے الگ کر لیا ہے۔ معاویہ نے زیاد کو خط لکھا جس میں تحریر کیا:

''تمھاری گواہیاں حجر کے بارے میں میری نظر سے گزریں۔ میں نے غور کیا تو کبھی یہ رائے ہوئی کہ ان کو چھوڑ دینا قتل کرنے سے بہتر ہے اور کبھی یہ رائے ہوئی کہ قتل کرنا چھوڑنے سے بہتر ہے۔''

زیاد کو جب خط ملا اور اس نے معاویہ کو تردد میں دیکھا تو بہت حواس باختہ ہوا۔ اس نے فوراً تیز رفتار سواریوں کے ساتھ ایک خط یزید بن حجیہ تیمی کے ساتھ روانہ کیا۔ تحریر تھا:

''مجھے تعجب ہے کہ حجر اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں آپ کو کیا شبہ ہوا۔ جو لوگ اس کے حالات سے باخبر ہیں انھوں نے تو اس کے خلاف

گواہیاں دی ہیں، جنھیں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اب اگر آپ اس شہر
پر قبضہ رکھنا چاہتے ہیں تو حجر اور اس کے ساتھیوں کو ہرگز میرے پاس
روانہ نہ کریں۔"

معاویہ ابھی کچھ فیصلہ کرنے ہی والا تھا کہ کچھ قیدیوں کی سفارشیں پہنچ گئیں۔
یزید بن اسد بجلی، جو معاویہ کا درباری تھا، اس نے اپنے عم زاد کی سفارش کی اور رہائی
کی درخواست کی۔ ان کی سفارش میں معاویہ کو پہلے ہی ایک خط جریر بن عبداللہ بجلی کا
مل چکا تھا، جس میں انھوں نے تحریر کیا تھا کہ "یہ دونوں اہل جماعت سے ہیں۔ کسی
بدخواہ نے زیاد سے ان کی شکایت کر دی ہے۔ ان دونوں نے نہ تو کوئی بدعت کی ہے،
نہ حکومت اور خلیفہ کے مخالف ہیں۔ بلکہ خوش عقیدہ اور وفادار ہیں۔ لہٰذا امیر المومنین
سے انھیں نفع ملنا چاہیے۔" اب جو یزید بن اسد بجلی نے سفارش کی تو معاویہ نے انھیں
رہائی دے دی۔ اور اس طرح یہ تو موت کی آغوش سے نکل گئے۔ اب جب یہ نرمی
ہوئی تو وائل بن حجر نے ارقم بن عبداللہ کندی کے لئے کہا۔ معاویہ نے انھیں بھی رہائی
دے دی۔ ابوالاعور اسلمی نے عتبہ بن اخنس کی سفارش کی، معاویہ نے انھیں بھی رہا
کر دیا۔ حمزہ بن مالک نے سعد بن عمران ہمدانی کے لئے کہا، ان کو بھی چھوڑ دیا گیا۔
حبیب بن مسلمہ نے عبداللہ بن حویہ سعدی کی سفارش کی، وہ بھی آزاد ہوئے۔ دربار
میں مالک بن ہبیرہ نے اپنے عم زاد حضرت حجر کی سفارش کی۔ معاویہ نے کہا "وہ تو
رئیس قوم ہے اس کو چھوڑ دوں گا تو سارے شہر کو مجھ سے بدعقیدہ کر دے گا۔" ہبیرہ کے
اصرار کو معاویہ نے نظرانداز کر دیا۔ آخر ہبیرہ ناراض اور مایوس ہو کر دربار سے اٹھ آیا۔

اب معاویہ نے حجر اور ان کے اصحاب کے پاس ہدبہ بن فیاض قضاعی اور
حصین بن عبداللہ کلابی اور ابوشریف بدئی کو بھیجا۔ یہ لوگ بوقت شام مرج عذرا
پہنچے۔ جن لوگوں کی سفارشیں منظور ہوئی تھیں، انھیں الگ کر دیا۔ پھر باقی آٹھ لوگوں
سے کہا:

''ہم لوگوں کو حکم ہے کہ تمھیں بتائیں کہ اگر تم علیؑ پر لعن کہو گے اور ان سے اظہار بیزاری کرو گے تو تمھیں رہائی ہے، ورنہ پھر قتل۔ امیر المومنین کا خیال ہے کہ خود تمھارے وطن والوں کی گواہیوں سے تمھارا قتل ان پر جائز ہو چکا ہے۔ البتہ رہائی کی صورت یہ باقی ہے کہ علی پر تبرّا کہو۔''
حجر اور ان کے ساتھیوں نے جواب دیا ''ہم سے یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔''

ان میں سے دو، عبدالرحمٰن بن حسان غزی اور کریم بن عفیف نے کہا کہ ہم کو معاویہ سے روبرو کرادو، پھر وہ علی کے بارے میں جو سننا چاہیں گے، ہم کہہ دیں گے۔ چنانچہ ان دونوں کو معاویہ کے پاس روانہ کر دیا گیا۔

اس کے بعد قبریں کھودی گئیں اور کفن تیار ہو گئے۔ یہ رات حجر اور ان کے ساتھیوں نے عبادت میں گزاری۔ صبح ہوئی تو قتل کے ارادے سے معاویہ کے کارندے آگئے اور بولے ''رات تمھاری طولانی نمازیں دیکھیں۔ اب علی سے تبرّا کرو'' سب نے انکار کیا۔ چنانچہ ایک ایک نے ایک ایک کو قتل کے ارادے سے پکڑ کر کھینچ لیا۔ اس کے بعد قتل کی کارروائی شروع ہوئی اور ان مظلومین کے خون سے زمین سرخ ہونے لگی۔ جس وقت حجر کو قتل کرنے کے لئے بڑھے تو انھوں نے کہا ''میں اتنی مہلت چاہتا ہوں کہ وضو کرلوں۔'' وضو کی مہلت مل گئی۔ وضو کے بعد کہا اتنی مہلت اور دے دے کہ دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ کہا پڑھ لو۔ حجر نے نماز ادا کی۔ غرض کہ نماز پڑھ کر کھڑے ہوئے، فرمایا کہ:

''اتنی مختصر نماز اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ پڑھی، اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ تم یہ خیال کرو گے کہ مجھے موت کا ڈر ہے اور میں وقت کو نماز کی آڑ میں ٹال رہا ہوں تو دو رکعتوں کو بہت طول دیتا کہ یہ زندگی کی آخری نماز تھی۔''
(ابن خلدون۔ جلد ۳)

پھر فرمایا:

''بار الہا! ہم تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں اس امت کے مقابلے میں۔ بے شک اہل کوفہ نے ہمارے خلاف (جھوٹی) گواہیاں دیں اور اہل شام ہم کو قتل کر رہے ہیں۔''

ابھی اتنا ہی کہہ پائے تھے کہ ہدبہ بن فیاض قضاعی جو کہ کانا تھا، حجر کی طرف تلوار کھینچ کر بڑھا، اس وقت حجر کے ہاتھ پاؤں میں تھرتھری پڑ گئی۔ ہدبہ نے کہا ''تم تو کہتے تھے کہ مجھے موت سے اضطراب نہیں۔ بہتر ہے کہ تم اپنے دوست علی سے بیزاری اختیار کرلو اور قتل سے بچ جاؤ۔'' حضرت حجر نے انتہائی مظلومانہ انداز میں کہا ''مجھے کس طرح اضطراب نہ ہو کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ قبر کھدی ہوئی ہے، کفن پھیلا ہوا ہے، تلوار کھنچی ہوئی ہے۔ واللہ میں اضطراب میں بھی ایسا کوئی کلمہ زبان پر نہیں لاؤں گا جس سے خدا ناراض ہو'' اس کے بعد حجر نے وصیت کی:

''نہ میری بیڑیاں، ہتھکڑیاں اتاری جائیں، نہ میرا خون دھویا جائے۔ (غسل نہ دیا جائے۔ انھیں اپنی موت کے شہادت کی موت ہونے کا پختہ یقین تھا، کیونکہ شہید کے لئے نہ تو غسل ضروری ہے اور نہ کفن۔ اس کا خون ہی غسل ہے اور اس کا وہ لباس جس میں شہادت کے وقت تھا کفن) میں بروز قیامت معاویہ سے اسی حال میں ملاقات کروں گا۔''

(استیعاب۔ اسد الغابہ۔ اصابہ)

ہدبہ نے بے رحمی سے تلوار چلادی اور ان کا سر تن سے جدا ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

میں نے حجر کے واقعے کو تھوڑا تفصیل سے لکھا، کیونکہ یہ تاریخ کا ایک بڑا واقعہ اور اموی مظالم اور فکر کی بہت روشن مثال ہے۔ سچ یہ ہے کہ جتنی تفصیل سے اس واقعہ کو میں لکھنا چاہتا تھا، نہیں لکھا۔ کیونکہ توازن کا برقرار رکھنا بھی پیشِ نظر تھا۔ میں حضرت حجر بن عدی اور ان کے اصحاب کے روشن کارنامہ سے ہمیشہ بہت متأثر رہا

ہوں۔ان سرفروشوں پر کروڑوں سلام۔

جس وقت میں حضرت حجر بن عدی پر یہ مضمون تحریر کررہا ہوں، ملک شام سے ایک بہت ہی ہولناک خبر موصول ہوئی ہے۔آج کل شام میں صدر بشار الاسد کے خلاف بغاوت اپنے پورے شباب پر ہے۔بشار الاسد کی حکومت کا تختہ پلٹنے کے لئے وہاں باغی ہر ممکن حربہ اپنائے ہوئے ہیں۔ان باغیوں میں القاعدہ بھی در پردہ شامل ہے۔فری سیرین آرمی کے نام سے ایک مسلح بغاوت بشار الاسد کے خلاف گزشتہ کئی سال سے چل رہی ہے۔اس وقت یہ بغاوت اپنے پورے شباب پر ہے، کیونکہ باغیوں کو امریکہ، اسرائیل، یوروپ، اور سعودی عرب سے ہر طرح کی مدد مل رہی ہے۔لطف کی بات یہ ہے کہ ساری دنیا میں امریکہ القاعدہ کو نشانہ بنارہا ہے، مگر شام میں بشار الاسد کی حکومت کا تختہ پلٹنے کے لئے القاعدہ فکر کی حمایت کررہا ہے۔یہ فری سیرین آرمی والے کوئی مذہب نہیں رکھتے۔مسجدِ اموی کا گنبد انھوں نے بلاسٹ سے اُڑادیا ہے۔مقامات مقدسہ کی یہ بے حرمتی کرنا چاہتے ہیں۔روضۂ حضرت زینبؓ ان کی ہٹ لسٹ میں سرِ فہرست ہے۔زینبیہ پر تو اللہ کا شکر ہے کہ ابھی ان کا بس نہیں چل سکا،مگر شام سے یہ ہولناک خبر مل رہی ہے کہ انھوں نے صحابیٔ رسولؐ حضرت حجر کے روضہ کو منہدم کرکے ان کی قبر بھی کھود ڈالی ہے اور ان کی لاش مطہر کو نکال کر کسی نامعلوم جگہ لے گئے ہیں۔تادمِ تحریر، لاشِ مطہر کہاں ہے، کہاں دفنایا گیا ہے، دفنایا گیا ہے یا نہیں،کوئی خبر موصول نہیں ہورہی ہے۔جبکہ عالمِ اسلام میں سخت اضطراب کا عالم ہے۔ہر جگہ تعزیتی جلسے اور احتجاجی مظاہرے ہورہے ہیں۔افسوس کہ صحابیٔ رسول کو قبر میں بھی چین نہیں مل سکا۔انٹرنیٹ پر اور اخباروں میں کھدی ہوئی قبر کو دکھایا جارہا ہے۔اردو روزنامہ ''انقلاب'' دہلی نے فوٹو کے ساتھ خبر رساں ایجنسی کے حوالے سے یہ خبر بھی دی ہے کہ جب لاش قبر سے نکالی گئی تو بالکل تروتازہ تھی اور اس پر خستگی کے قطعی آثار نہیں تھے۔سچ ہے یہ شہیدوں کی شان ہے جسے قرآن نے ضمانت کے طور پر بیان کیا

(بصائر الدرجات، ص ۱۳، ۱۱۲)

(۲) ''آدمؑ جو علم لے کر آئے تھے وہ واپس نہیں گیا، بلکہ یہیں اس کی وراثت چلتی رہی اور حضرت علیؑ اس امت کے عالم تھے اور ہم میں سے کوئی عالم دنیا سے نہیں جاتا مگر یہ کہ اپنے جیسا عالم چھوڑ کر جاتا ہے۔''
(کافی، جلد ا، ص ۲۲۲)

(۳) ''ہم وہ اہلبیتؑ ہیں جنھیں علمِ خدا سے عالم بنایا گیا ہے اور ہم نے اس کی حکمت سے حاصل کیا ہے اور قول صادق کو سنا ہے۔ لہٰذا ہمارا اتباع کرو تا کہ ہدایت حاصل کر لو۔'' (بصائر الدرجات، ص ۵۱۴)

الغرض یہ علم سلسلۃ الذہب کے توسط سے یکے بعد دیگرے معصوم کو ملتا رہا اور ائمہ ہدیٰ آئندہ کے واقعات کی اطلاعات دیتے رہے۔ نہج البلاغہ میں جو مولاؑ کی پیشین گوئیاں آئی ہیں وہ اخبار غیبیہ کا عظیم ذخیرہ ہیں۔ خطبہ نمبر ۱۳ میں اہل بصرہ کی مذمت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

''تمہارے دین کا ظاہر کچھ ہے، باطن کچھ۔ تمھاری سرزمین کا پانی شور ہے۔ تم میں اقامت کرنے والا گناہوں کے جال میں جکڑا ہوا ہے، اور تم میں سے نکل جانے والا پروردگار کی رحمت کو پا لینے والا ہے۔ وہ منظر میری آنکھوں میں پھر رہا ہے جبکہ تمھاری مسجد یوں نمایاں ہوگی جس طرح کشتی کا سینہ یا سینے کے بل بیٹھا ہوا شتر مرغ، درانحالیکہ اللہ نے تمھارے شہر پر اس کے اوپر اور اس کے نیچے سے عذاب بھیج دیا ہوگا اور وہ اپنے رہنے والوں سمیت ڈوب چکا ہوگا۔''

جنگ نہروان کا نتیجہ آغازِ جنگ سے قبل بتا دینا، مروان بن حکم کے لئے انتہائی مختصر مدت خلافت کی پیشین گوئی، جناب میثم تمار کو وہ درخت دکھانا جس پر وہ

ہے۔ حالانکہ میڈیا میں دوسری خبروں میں یہ بھی تشہیر ہوئی ہے کہ ان ظالموں کو لاش مل ہی نہیں سکی۔ انھوں نے غیر معمولی سطح تک کھدائی کی مگر وہاں لاش موجود نہ تھی۔ اس خبر کے سچ ہونے کے امکان اس لئے بہت زیادہ ہیں کہ IS والے اپنے مظالم کے Vedio بنا کر سوشل میڈیا پر خوب ڈالتے اور تشہیر کرتے ہیں، لیکن حجر کی کھدی ہوئی قبر کی تصاویر تو انھوں نے وائرل کیں مگر حجر کی لاش کو کہیں نہیں دکھایا گیا۔

پوری دنیا میں اموی فکر کے لوگ ایسی قبیح حرکات انجام دے رہے ہیں۔
اس واقعہ سے چند روز قبل اردن میں حضرت جعفر طیار کے روضۂ پاک میں آگ لگادی گئی تھی۔ اور اس سے پہلے حضرت عمار یاسر کی قبر کو رقّہ (سیریا) میں منہدم کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ بحرین میں سعودی فوجیوں نے، جو وہاں بحرین حکومت کے خلاف شیعہ بغاوت کو کچلنے پہنچے تھے، صحابہ کرام کے مزارات مقدسہ کی بے حرمتی کی۔ سعودی حکمرانوں نے شہدائے بدر، پیغمبرؐ کے اجداد، اصحابِ رسولؐ، جنت البقیع کے مدفونین، خصوصاً حضرت فاطمہؑ اور اولادِ فاطمہ کی قبروں کے ساتھ جو دلدوز حرکات کی ہیں، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ لیکن یہ لوگ نہیں جانتے کہ جن کے ذکر اور شان کی بقا کی ذمہ داری خود خدا نے لی ہو، وہ قبروں پر بلڈوزر چلا کر، یا قبروں سے جسمِ پاک کو نکال کر ان کی شان میں ذرا کمی نہیں کر سکتے، البتہ اپنے دلوں کے حالات اور بغض و کدورت کو یوں ظاہر کر دیتے ہیں۔

جن اصحابِ حجر نے حجر کے ساتھ جام شہادت پیا، ان شہیدانِ مودت کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ شریک بن شداد حضرمی ۲۔ صیفی بن فسیل شیبانی ۳۔ قبیصہ بن ضبیعہ عبسی ۴۔ محرز بن شہاب سعدی ۵۔ کدام بن حیان نمزی

عبدالرحمٰن بن حسان نمزی کو معاویہ نے زیاد کے پاس واپس بھیج دیا تھا۔ زیاد نے ان کے ساتھ غضب کی بربریت کا مظاہرہ کیا۔ اس شقی نے ان کو قس ناطف میں زندہ

گڑوادیا۔

اصحاب حجر میں سے یہ حضرات سفارشوں پر چھوڑ دیئے گئے اور موت کے جبڑوں میں سے نکل کر واپس آ گئے:

ا۔عاصم بن عوف بجلی ۲۔ورقاء بن سمی بجلی ۳۔عبداللہ بن حویہ تمیمی
۴۔ارقم بن عبداللہ کندی ۵۔عتبہ بن اخنس سعدی ۶۔سعید بن نمران ہمدانی ۷۔کریم بن عفیف خثعمی۔

ابن سیرین کا بیان ہے کہ اپنے آخری دور میں معاویہ کہتا تھا:

''اے حجر! تمھاری وجہ سے میرا روز حشر بہت طویل ہے۔''

اور یہ بھی تحریر ہے کہ معاویہ کہتا تھا:

''میں نے جس کو بھی قتل کیا اس کے متعلق یہ جانتا ہوں کہ کس بات پر قتل کیا مگر حجر کے بارے میں میں نہیں جانتا کہ میں نے کیوں قتل کرایا''

(تاریخ کامل، جلد ۳)

''البدایہ'' میں ہے کہ اپنی موت کے وقت معاویہ خود سے ہمکلام تھے۔ انھوں نے تقریباً تین مرتبہ کہا ''حجر بن عدی! میرا یومِ حساب تیرے قتل کے سبب بڑا طویل ہوا۔''

حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کے بہیمانہ قتل اور مظلومانہ شہادت کی خبر جب عالم اسلام کو ہوئی تو جیسے زلزلہ آ گیا۔ ہر ایک نے اس خونِ ناحق پر سخت ناگواری کا اظہار کیا۔

اُمّ المومنین عائشہ کو جب قتلِ حجر کی خبر پہنچی تو انھوں نے معاویہ سے کہلا بھیجا کہ کیا حجر کے قتل کرتے وقت تو نے اللہ کو بھلا دیا تھا؟

تاریخ ابن عساکر میں ہے کہ عائشہ نے کہا:

''معاویہ تو نے حجر اور اس کے ساتھیوں کا قتل عام کیا۔ خدا کی قسم میں نے رسول اللہ کو کہتے سنا ہے کہ ادرا کے نشیب میں ۷ رلوگ قتل کئے جائیں گے جن کے سبب اللہ غضب ناک ہوگا اور ساتوں افلاک میں تلاطم ہوگا۔''

ملا متقی کنز العمال کی تیرہویں جلد میں ابوالاسود کی زبانی لکھتے ہیں:

''معاویہ عائشہ سے ملاقات کو پہنچے تو عائشہ نے کہا تم نے حجر اور ان کے ساتھیوں کو کیوں قتل کیا؟ انھوں نے کہا مادرِ مہربان! میں نے قوم کی بہتری ان کو قتل کرنے میں دیکھی۔
عائشہ نے کہا میں نے رسول کو کہتے سنا ہے کہ ادرا میں کچھ لوگ قتل کئے جائیں گے جن کے قتل سے اللہ اور اس کے ملائکہ غضبناک ہوں گے۔''

حضرت حجر بن عدی کی شہادت کے واقعہ کو تقریباً تمام مورخین نے انتہائی اثر انگیزی کے ساتھ لکھا ہے۔ ان میں چند مشہور نام ہیں:

ڈاکٹر طٰہٰ حسین ''علیؑ و بنوہ'' میں۔ ''البدایہ النہایہ'' جلد ۲۔ ''تاریخ کامل'' ابن اثیر جلد ۳۔ ''تاریخ ابن عساکر'' جلد ۱۲۔ ''تاریخ ابن خلدون'' جلد ۳۔ ''الاصابہ'' جلد اوّل۔ ''اسد الغابہ'' جلد اوّل۔ ''مستدرک حاکم، جلد ۳۔ ''اخبار الطوال''۔ ''تاریخ ابوالفداء''۔ مسعودی کی ''مروج الذہب'' جلد ۳۔ ''تاریخ یعقوبی'' جلد ۲۔

عبداللہ بن عمر کو جب حجر کے قتل کا علم ہوا تو دھاڑیں مار کر روئے۔
امیر معاویہ کے اس گورنر کے دیگر کارنامے بھی دل کو دہلا دینے والے ہیں۔
ظاہر ہے یہ سب ظالم گورنر امیر معاویہ کے پسندیدہ ترین گورنر تھے۔ انھیں کی چھوٹ پر ان تمام گورنروں نے قوم کو ظلم کی چکی میں پیس ڈالا۔ خون کے دریا بہا دیے۔ لوگوں کے حلق سے نوالے چھین لئے۔ لہٰذا یہ تمام مظالم جو ان کے گورنروں کی طرف سے کئے

گئے سیدھے سیدھے امیر معاویہ کے کھاتے میں جاتے ہیں۔ اب اگر اس کے بعد بھی معاویہ ''حلیم الطبع'' کہے جائیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک گونگا، بہرہ، اندھا اسلام بھی ہے جو لوگوں کا پسندیدہ ہو چکا ہے۔

حضرت علیؑ پر سب و شتم

امیر معاویہ کے سیاہ کارناموں میں سے ایک انتہائی نفرت انگیز کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے حضرت علیؑ پر سب و شتم کا آغاز کرایا۔ یہ اتنا شرمناک، ہولناک اور سخت ترین معاملہ ہے کہ اس پر دل خون کے آنسو روتا اور روح کرب کے سمندر میں ڈوب جاتی ہے۔

چنانچہ تواریخ اس بات پر گواہ ہیں کہ امیر معاویہ نے اپنے تمام عاملوں کو یہ فرمان جاری کیا کہ خطبۂ جمعہ میں باقاعدگی سے علی پر لعن کہا جائے۔ اگر ذرا غور کریں تو یہ محض معاویہ کی حضرت علیؑ سے دشمنی تک محدود ایک عمل نہیں تھا، بلکی تھوڑی سی فکر ہی آپ کو اس نتیجہ تک پہنچا دے گی کہ یہ حضرت علیؑ کے خلاف امیر معاویہ کی ایک سنگین سازش تھی۔ دراصل خطبۂ جمعہ میں حضرت پر لعن شامل کرانا ایک سوچی سمجھی اسکیم تھی۔ خطبۂ جمعہ کے لئے آج بھی تمام عالم اسلام میں تمام مسالک کا اجتماعی فیصلہ ہے کہ خطبۂ جمعہ واجب خطبہ ہے۔ امیر معاویہ نے بڑی چالاکی سے ایک نماز کی طرح ہی واجب عمل میں حضرت علیؑ پر لعن کو اس عمل کا ایک حصہ بنا دینا چاہا تا کہ آنے والے وقتوں میں حالات کتنے ہی تبدیل بھی ہو جائیں تب بھی حضرت علیؑ پر لعن ایک واجب کی حیثیت اختیار کئے رہے۔

مولانا شاہد زعیم فاطمی دیو بندی اس ہولناک رسم پر اپنا دردِ دل یوں بیان کرتے ہیں:

''اگر اجتہاد اسے کہتے ہیں کہ اپنے عہد کے شریف ترین انسان، ابن عم

پیغمبرؐ، دخترِ رسول کے شوہر، اور بقول اقبال ''تاجدارِ ھل اتیٰ، مرتضیٰ، مشکل کشا، شیرِ خدا'' اور ''مسلمِ اوّل شہ مرداں علی'' پر لعن وملامت کی باقاعدہ مجالس منعقد کی جائیں اور تبرائیوں کو انعام واکرام سے نوازا جائے تو خدارا ہمیں بتایئے کہ یہ اجتہاد ہے یا الحاد اور کیا یہ اجتہادی غلطی ہے یا کفر وارتداد۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

حضرت علی پر یہ سبّ وشتم صرف دمشق تک محدود نہ تھا بلکہ امیر معاویہ خود بھی اور ان کے تمام گورنر خطبۂ جمعہ میں بڑے التزام کے ساتھ دشنام طرازی کی یہ رسم ادا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ مسجدِ نبوی میں عین روضۂ اطہر کے سامنے حضورؐ ہی کے منبر سے حضورؐ کے محبوب ترین صحابی کو مغلظات کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔''

(سیدنا علی ابن ابی طالب اوران کے سیاسی حریف)

آگے تحریر فرماتے ہیں:

''جس پیغمبر نے "سباب المومن فسوق" (مسلمان کو گالی دینا فسق ہے) کی تعلیم دی ہو اور جس نے "اذکروا اموانکم بالخیر" (اپنے مرے ہوؤں کو بھلائی سے یاد کرو) کا سبق سکھایا ہو، خود اسی کے آستانۂ جلال میں کھڑے ہو کر اس کی امت کا ایک فرد اس کے قرابت داروں اور عزیز ترین ساتھیوں کو گالیوں سے نوازتا ہے اور ہماری بے غیرتی اور بے حسی کا عالم یہ ہے کہ ہم ایسا کرنے والے کی تعریف میں قصیدے لکھتے ہیں اور کتابیں چھاپتے ہیں اور آسمان پھٹ نہیں پڑتا اور زمین کا کلیجہ شق نہیں ہو جاتا۔''

یہ ہولناک عمل اس قدر ضروری خیال کیا جاتا تھا کہ خطیب پورے جوش و خروش میں یہ بدعت انجام دیتا اور یہی خطبۂ جمعہ کا اہم ترین جز ہوتا تھا۔ امام حسنؑ نے

اپنے شرائطِ صلح میں ایک شرط رکھی جس میں امیر معاویہ کو پابند بنایا گیا تھا کہ وہ حضرت امیرؑ پر لعن بند کرائے۔ معاویہ اس پر تیار نہیں ہوا۔ آخر کار اس شرط پر بات طے ہوئی کہ امام حسنؑ و حسینؑ کی موجودگی میں تبرّا نہیں کیا جائے گا۔'' (تاریخ کامل، جلد ۳)

جیسا کہ ہم نے اوپر تحریر کیا کہ اس منحوس عمل کی اس پابندی کے ساتھ ادائگی میں ایک خاص پالیسی تھی اور وہ یہ کہ علیؑ پر سب جزوِ دین بن جائے۔ سچ یہ ہے کہ جس طرح پیغمبرؐ نے علیؑ کی محبت کو جزوِ دین بتایا تھا اور علیؑ سے منسلک ہونے کی تاکید کی تھی، امیر معاویہ اپنے دورِ اقتدار میں ان احادیث کو لوگوں کے اذہان سے محو کر کے علیؑ سے نفرت کو جزوِ دین بنانے کی تمنا رکھتے تھے۔ حق یہ ہے کہ اگر امیر معاویہ اور بنی امیہ کے نامۂ اعمال میں دنیا کی ہر نیکی اور اچھائی ہو تب بھی صرف یہ ایک گناہ ایسا تھا کہ ساری نیکیوں کو جلا کر خاک کر دینے کو کافی تھا۔

قرآن کی آیتیں جن کی مدح میں نازل ہوں اور پیغمبر جس کی مدح میں بہت ساری حدیثیں بیان فرمائیں اور جو پیغمبرؐ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہو اس کے خلاف یہ عمل سیدھے سیدھے اللہ اور رسول سے بغاوت کے مترادف ہے۔

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد اِن الفاظ میں اپنا رنج ظاہر کرتے ہیں:

''سب سے پہلے سرزمینِ اسلام میں جو رحم و محبت اور صلح و اخوت ہی کی تخم ریزی کے لئے ہی بنی تھی، سب و شتم و لعن و تبرے کا تخم بنو امیہ نے بویا اور مقدس مساجد اسلام میں، جو صرف عبادت و طاعتِ الٰہی واذکار واشغال مقدسہ کے لئے بنائی گئی تھیں، اپنے اغراضِ نفسانیہ منکرہ سیاسیہ سے اہلبیتِ نبوت اور حضرت امیرؑ پر اعلانیہ لعنت بھیجنا شروع کی اور جمعہ کے خطبۂ ثانیہ میں فعلِ شنیع و منکر کو، کہ نہیں جانتا کہ کن الفاظ سے تعبیر کروں، داخل کر دیا۔ چنانچہ تکبیر و تسبیح کی صداؤں میں خطیب منبر پر چڑھتے تھے اور تحمید و تقدیس و صلواۃ و تسلیم کے بعد آخر میں حضرت علیؑ پر

اعلانیہ لعنت بھیجتے تھے اور پھر شمشیرِ ظلم سے لوگوں کی زبانوں کو اس طرح لرزاں و ترساں رکھتے تھے کہ کسی کو اس صریح فسقِ عظیم و معصیتِ کبریٰ و ہتکِ شریعتِ الٰہیہ کے خلاف لب کشائی کی جسارت نہ ہوتی تھی۔''

(الہلال، جلد ۲، شمارہ ۲۱، ۱۹۱۳ء)

سمجھا جا سکتا ہے کہ اسلامی اسکالرس اور امت میں امیر معاویہ کے اس عمل سے کس قدر بے چینی اور غم وغصہ ہے۔

جسٹس نہال احمد اپنی عالمی شہرت یافتہ کتاب ''ناصبان ملک عضوض'' میں، جو انھوں نے محمود احمد عباسی کی بدنامِ زمانہ کتاب ''خلافتِ معاویہ و یزید'' کی رد میں تحریر کی تھی، امیر معاویہ کے اس گھناؤنے کارنامے پر یہ تحریر دیتے ہیں:

''تاریخ اسلام گواہ ہے کہ جو شہرت اور خاص قسم کی اہمیت سلاطین جائرین مستبدین میں امیر معاویہ اور ان کے جانشینان متابعین کی گالیوں اور لعن گوئی کو حاصل ہوئی ہے، وہ تاریخ عالم میں کسی دوسرے سلطانِ وقت کی گالیوں اور لعن گوئی کو ہرگز ہرگز حاصل نہیں ہوئی اور غالباً قیامت تک بھی کسی کی گالیوں کو وہ وقعت اور اہمیت حاصل نہ ہو سکے گی جو ان ناصبانِ ملک عضوض کی گالیوں کو حاصل ہو چکی ہے۔ آج تک بھی کتب واسفار و اخبار و آثار میں ان سلاطینِ جائرین کی ان دشنام طرازیوں کو خاص اہمیت دی جاتی ہے اور جو بھی نامی گرامی صاحب قلم مسلمانوں میں پیدا ہوتا ہے وہ امیر معاویہ وغیرہ کے سبّ وشتم ولعن کا ذکر کیے بغیر اپنے فرائضِ تصنیف و تالیف کو مکمل نہیں سمجھتا۔''

(ناصبانِ ملکِ عضوض۔ جسٹس نہال احمد، ص ۲۳۰)

علامہ ابن ابی الحدید تحریر فرماتے ہیں کہ معاویہ منبر پر کہا کرتا تھا:

''خداوندا! ابوتراب نے تیرے دین میں الحاد کیا ہے اور تیری راہ سے

سب کو روکا ہے۔ پس اس پر سخت ترین لعنت کر اور دردناک عذاب میں
مبتلا کر۔" (شرح نہج البلاغہ۔ جلد ۴)

اسی طرح کا مضمون "نصائحِ کافیہ" میں بھی ہے۔

مؤرخ ابوالفداء اپنی تاریخ میں اس مضمون کو یوں رقم کرتے ہیں:

"معاویہ اور ان کے عمال نمازِ جمعہ کے خطبوں میں حضرت عثمان کے واسطے سے دعائیں مانگا کرتے تھے اور جناب علی مرتضیٰ کو دشنام دیا کرتے تھے اور مغیرہ بھی اپنے آقا امیر معاویہ کی اطاعت گزاری میں اسی طرح دشنام دیا کرتا تھا اور امام حسنؑ نے ۴۰ ہجری میں حکومت معاویہ کے سپرد کی۔ اس وقت سے ۹۹ ہجری تک خلفائے بنی امیہ حضرت علیؑ اور آپ کے اہلبیتؑ کو دشنام دیا کرتے تھے۔ جب عمر بن عبدالعزیز والیٔ ملک ہوئے تو انھوں نے یہ دشنام طرازیاں موقوف کرائیں اور یہ حکمِ امتناعی انھوں نے اپنے نائبین کو لکھ کر بھیجا"

الفاظ کے تھوڑے بہت تغیر کے ساتھ یہی مضمون تاریخ خمیس میں بھی موجود ہے۔

"عقد الفرید" کی اس تحریر کو بار بار غور سے پڑھیے تو آپ کو حیرت ہوگی کہ یہ سب کس طرح عالمِ اسلام میں اتنے عرصہ تک چلتا رہا اور اس عظیم گناہ کے ارتکاب کے بعد بھی لوگ خود کو مسلمان سمجھتے رہے۔ "عقد الفرید" کی عبارت یوں ہے:

"امیر معاویہ جب اپنی بیعت کسی سے لیتے تو یہ شرط پیش کی جاتی تھی کہ علیؑ پر تبرّا کریں۔"

"نصائحِ کافیہ" کی یہ تحریر دیکھیں:

"اس عمل کا اہتمام اس شدت سے تھا کہ ایک شخص نے اُن سے کہا کہ اب تو تم اپنے سب مقاصد میں کامیاب ہوگئے، اب اگر علی پر سب و شتم

کرنا چھوڑ دو تو ٹھیک ہوگا۔ معاویہ نے جواب دیا کہ جب تک صغیر سن
اشخاص اس طریقہ پر بڑے نہ ہو جائیں اور بڑے آدمی اس طریقے پر
بوڑھے نہ ہو جائیں، اور یہاں تک کہ ایک بھی فضیلتِ علی بیان کرنے
والا باقی نہ رہ جائے، بخدا میں اپنے اس عمل سے باز نہ آؤں گا۔''

(نصائح کافیہ، ص ۷۰)

اس تحریر سے اچھی طرح سمجھ میں آ گیا کہ معاویہ کی نیت کیا ہے۔۔۔۔۔
۔۔ دراصل صرف حصولِ اقتدار پر آ کر رک جانا ان کا مشن نہیں تھا بلکہ نسلوں میں
حضرت علیؑ کے خلاف بغاوت چھوڑ جانا ان کا مشن تھا۔۔۔۔تھوڑا غور کیجئے تو یہ وہ
آگ ہے جو بدر کے دن ان کے دل میں لگی تھی اور وراثت میں یزید تک پہنچی اور امام
حسینؑ کا سر دیکھ کر اس نے بدر کے بزرگوں کا بدلہ چکتا کرنے کی بات کہی۔ (طبری)
علامہ شبلی نعمانی اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''سیرت النبی'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''حدیثوں کی تدوین بنی امیہ کے زمانے میں ہوئی، جنھوں نے پورے
۹۰ رسال تک سندھ سے ایشیائے کوچک اور اندلس تک مساجد جامع
میں آلِ فاطمہ کی توہین کی اور جمعہ میں برسرِ منبر حضرت علیؓ پر لعن کہلوایا۔
سیکڑوں، ہزاروں حدیثیں امیر معاویہ وغیرہ کے فضائل میں بنوائیں۔''

(سیرت النبی، شبلی نعمانی، جلد اوّل)

اس سے پتہ چلا کہ لعن کا یہ سلسلہ بنی امیہ کا جو سلسلہ اُندلس میں بنی امیہ کے
بنی عباس کے ہاتھوں زوال کے بعد عبدالرحمٰن اموی نے قائم کیا تھا، وہاں بھی یہ خبیث
رسم قائم کی گئی۔

علامہ ابوالاعلیٰ مودودی کا بیان ہے:

''ایک اور نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہ کے عہد میں یہ شروع ہوئی

کہ وہ خود، اوران کے حکم سے ان کے تمام گورنر، خطبوں میں برسرِ منبر
حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سب وشتم کی بوچھار کرتے تھے۔حتیٰ کہ
مسجد نبوی میں منبر رسول پر عین روضۂ نبوی کے سامنے حضور کے محبوب
ترین عزیز کو گالیاں دی جاتی تھیں اور حضرت علیؓ کی اولاد اوران کے
قریب ترین رشتہ دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سنتے تھے۔ کسی کے
مرنے کے بعد اس کو گالیاں دینا شریعت تو درکنار، انسانی اخلاق کے بھی
خلاف تھا۔اور خاص طور پر جمعہ کے خطبے کو اس گندگی سے آلودہ کرنا تو
دین واخلاق کے لحاظ سے سخت گھناؤنا فعل تھا۔''

(''خلافت وملوکیت''، ص ۱۷۴)

یہ ایک انتہائی شرمناک، افسوسناک اور اسلام مخالف فعل تھا۔خدا کی پناہ کہ زمانہ کیسا بدلا کہ جس منبر پر رسولؐ علیؓ کے فضائل بیان کرتے تھے، اسی منبر پر علی کے خلاف لعن کہا جائے؟ اور وہی لوگ جو رسولؐ کی زبان سے علیؓ کے فضائل سن چکے ہوں، وہی لوگ ایک ایسے شخص سے، جس نے ساری زندگی اسلام دشمنی، رسول دشمنی میں گزاری، اس نے اور اس کے باپ نے اسلام کے خلاف جنگیں لڑیں اور سر بچانے کے لیے مصلحتاً اسلام قبول کرلیا ہو، علیؓ کے خلاف لعن سنیں اور خاموش رہیں۔ کچھ لوگوں کے لئے تو یہ یقیناً مجبوری تھی، لیکن اکثریت کے لئے بے حسی اور بے دینی بھی۔

جولوگ تفصیلات اس موضوع پر ملاحظہ کرنا چاہیں وہ ان تاریخوں کو پڑھیں:

طبری، جلد ۴۔ ابن اثیر جلد ۳، ۴۔ البدایہ، جلد ۸ وجلد ۹۔ طبقات
ابن سعد جلد ۷۔ الاستیعاب، جلد اول۔ ابن کثیر جلد ۳۔ مجمع
البلدان۔عقد الفرید جلد ۲۔ ربیع الابرار زمخشری۔سیوطی وغیرہ وغیرہ۔

ام المومنین ام سلمہ نے اس سلسلہ میں ایک خصوصی خط امیر معاویہ کو تحریر کیا تھا جس میں لکھا تھا:

مصلوب کیے جائیں گے، کمیل بن زیاد نخعی کو انکی شہادت کی خبر دینا اور ان کی قبر کی جگہ سے آگاہ کرنا، سرزمین کربلا پر گریہ فرماتے ہوئے امام حسینؑ کو ان کی اور ان کے رفقاء کی خبر شہادت سنانا، مختار ابن ابوعبیدہ ثقفی کے لیے ۔۔۔۔۔۔کربلا کی پیشین گوئی کرنا اور اس جیسی بے شمار خبریں امام علیؑ کے بے پناہ علم غیب کی اور آپ کے باب مدینۃ العلم ہونے کی کچھ مثالیں ہیں۔

عمِ محترم، خطیبِ اسلام ڈاکٹر عباس نقوی صاحب قبلہ نے نہج البلاغہ سے ان تمام پیشین گوئیوں کو نہ صرف یہ کہ جمع کر لیا ہے، بلکہ ان کے تاریخی تناظر کو بہت ہی عمدہ زبان اور جہاں جہاں ضرورت تھی، اپنی گرانقدر بحثوں کے ساتھ پیش کیا ہے۔

دورِ جدید کی سائنسی تحقیقات اور حضرت امیرؑ کی اس سلسلہ میں پیشتر اطلاعات نے اس کتاب کو بڑا ہی کارآمد اور خصوصاً نوجوانوں کے لئے تو بہت ہی کارآمد بنا دیا ہے۔ انٹرنیٹ کے اس دور میں یہ کتاب انشاء اللہ ان کی کئی طرح رہنمائی کرے گی۔

دعا کرتا ہوں کہ رب کریم کی بارگاہ میں ان کی یہ کاوش قبول ہو، اور لوگ اس سے خوب استفادہ کریں۔

''تم علیؑ پر نہیں، اللہ اور اس کے رسول پر اپنے منبر سے تبرّا کرتے ہو۔
کیونکہ ایسی حدیث رسولؐ کی موجود ہے۔''

مگر اس خط کا معاویہ پر کوئی اثر نہ ہوا۔ (عقد الفرید۔ جلد ۲)

اس مضمون پر بہت کچھ لکھنا چاہیے مگر فی الحال اسی پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ یہ بات طے ہوگئی کہ معاویہ نے رسولؐ سے بغاوت کر کے علیؑ پر سبّ وشتم کی ابتداء کی۔

یہ رسمِ بد تقریباً ۸۰ رسال تک قائم رہی۔ جب عمر عبد العزیز خلیفہ ہوئے تو انھوں نے بڑی محنت اور کاوش سے اس لعنت کی رسم کو بند کرایا اور تمام گورنروں کو حکم نامہ بھیجا کہ اب کے بعد کوئی خطیب حضرت علیؑ کے خلاف کوئی غلط لفظ زبان سے ادا نہ کرے۔ عمر ابن عبد العزیز کے انتقال کے بعد پھر دوبارہ سے اموی دیدہ دلیروں نے یہ گناہ عظیم کی رسم شروع کر ڈالی۔

امیر معاویہ بنی امیہ کی حکومت کے بانی تھے اور ان کے دور کی ابتداء ہی خوفناک خونریزی سے ہوئی۔

ابوالحسن مدائنی اپنی معروف تصنیف ''کتاب الاحداث'' میں رقم کرتے ہیں:

''معاویہ کے دورِ حکومت میں تمام لوگوں سے زیادہ مصیبت میں اہل کوفہ تھے۔ اس لئے کہ وہاں شیعیانِ علیؑ کثیر تعداد میں تھے۔ وہاں کا حاکم بھی زیاد بن سمیہ مقرر کیا گیا تھا۔ اس نے شیعوں کو پوری جستجو کے ساتھ گرفتار کیا اور وہ ان کو خوب پہچانتا تھا (زیاد دراصل کچھ دن تک حضرتؑ کا طرفدار بن کر حضرت علیؑ کے ذریعے عہدہ دار رہ چکا تھا) اس نے ان لوگوں کو جہاں پایا قتل کیا، ہاتھ پاؤں قطع کئے اور آنکھوں میں سلائیاں پھروائیں اور درختوں پر سولیاں دلوائیں اور عراق سے جلاوطن کیا۔ یہاں تک کہ کوئی مشہور ومعروف شخص ان میں کا باقی نہ رہا۔''

(نصائح کافیہ، ص ۷۰)

زیاد کو اپنا بھائی بنانا

امیر معاویہ کا واحد مقصد اپنا اقتدار مضبوط کرنا اور پکڑ بنائے رکھنا تھا۔ چنانچہ انھیں اس سلسلہ میں کسی حرام حلال کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ زیاد کو اپنا بھائی بنانے کیلئے انھوں نے شریعت کا یہ قاعدہ اور پیغمبرؐ کی یہ حدیث روند ڈالی کہ ''بیٹا صاحب فراش کا ہے اور زانی کے لئے پتھر ہیں۔'' اس واقعے پر ابوالاعلیٰ مودودی یوں رقم کرتے ہیں:

> ''زیاد بن سمیہ کا استلحاق بھی حضرت معاویہ کے ان افعال میں سے ہے جن میں انھوں نے سیاسی اغراض کے لئے شریعت کے ایک مسلّم قاعدے کی خلاف ورزی کی تھی۔ زیاد طائف کی ایک لونڈی سمیہ نامی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ لوگوں کا بیان یہ تھا کہ زمانۂ جاہلیت میں حضرت معاویہ کے والد جناب ابوسفیان نے اس لونڈی سے زنا کا ارتکاب کیا تھا اور اسی سے وہ حاملہ ہوئی۔ حضرت ابوسفیان نے خود بھی ایک مرتبہ اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ زیاد انھیں کے نطفے سے ہے۔ جوان ہو کر یہ شخص اعلیٰ درجہ کا مدبّر، منتظم، فوجی لیڈر اور غیر معمولی قابلیتوں کا مالک ثابت ہوا۔ حضرت علیؑ کے زمانۂ خلافت میں وہ ان کا زبردست حامی تھا اور اس نے بڑی اہم خدمات انجام دی تھیں۔ ان کے بعد حضرت معاویہ نے اس کو اپنا حامی و مددگار بنانے کے لئے اپنے والد ماجد کی زنا کاری پر شہادتیں لیں اور اس کا ثبوت بہم پہنچایا کہ زیاد انھیں کا ولد الحرام ہے۔ پھر اسی بنیاد پر اسے اپنا بھائی اور اپنے خاندان کا فرد قرار دیا۔'' (خلافت وملوکیت۔ ص ۱۴۵)

حالانکہ اس کے ولد الزنا ہونے کی بنا پر امیر معاویہ کی حقیقی بہن ام المومنین حضرت ام حبیبہ نے اسے اپنا بھائی تسلیم کرنے سے انکار کیا اور وہ اس سے پردہ فرمایا

کرتی تھیں۔ (الاستیعاب، جلد اوّل۔ ابن خلدون، جلد ۳)

لیکن معاویہ نے اپنے والد کے اس زنا کو اپنی حکومت مضبوط کرنے کے لئے کیش کیا۔

گورنروں کو کھلی چھوٹ

حضرت علیؑ کی جس پیشین گوئی پر ہم گفتگو کر رہے ہیں، اس میں جن چیزوں کا ذکر ہے اور آنے والے دنوں میں جن سختیوں کے سامنے آنے کا تذکرہ ہے، امیر معاویہ کے ہی دور سے وہ تمام چیزیں شروع ہو چکی تھیں۔

علامہ ابوالاعلیٰ مودودی نے اس کو اس طرح بیان کیا ہے:

''حضرت معاویہ نے اپنے گورنروں کو قانون سے بالاتر قرار دیا اور ان کی زیادتیوں پر شرعی احکام کے مطابق کارروائی کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کا گورنر عبداللہ ابن عمرو بن غیلان ایک مرتبہ بصرہ میں منبر پر خطبہ دے رہا تھا۔ ایک شخص نے دورانِ خطبہ اس کو کنکر مار دیا۔ اس پر عبداللہ نے اس شخص کو گرفتار کرایا اور اس کا ہاتھ کٹوا دیا۔ حالانکہ شرعی قانون کی رو سے یہ ایسا جرم نہ تھا جس پر ہاتھ کاٹا جائے۔ حضرت معاویہ کے پاس استغاثہ کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ میں ہاتھ کی دیت تو بیت المال سے ادا کروں گا مگر میرے عمال سے قصاص لینے کی کوئی سبیل نہیں۔'' (خلافت وملوکیت، ص ۱۴۵)

پھر آگے لکھتے ہیں:

''زیاد کو جب حضرت معاویہ نے بصرے کے ساتھ کوفہ کا بھی گورنر مقرر کیا اور وہ پہلی مرتبہ خطبہ دینے کے لئے کوفے کی جامع مسجد کے منبر پر کھڑا ہوا تو کچھ لوگوں نے اس پر کنکر پھینکے۔ اس نے فوراً مسجد کے

دروازے بند کرا دیئے اور کنکر پھینکنے والے تمام لوگوں کو (جن کی تعداد ۳۰ سے ۸۰ تک بتائی جاتی ہے) گرفتار کر کے اسی وقت ان کے ہاتھ کٹوا دیے۔ کوئی مقدمہ ان پر نہ چلایا گیا، کسی عدالت میں وہ نہ پیش کئے گئے، کوئی باقاعدہ قانونی شہادت ان کے خلاف پیش نہ ہوئی۔ گورنر نے اپنے انتظامی حکم سے اتنے لوگوں کو قطعِ ید کی سزا دے ڈالی جس کے لئے قطعاً کوئی شرعی جواز نہ تھا مگر دربارِ خلافت سے اس کا بھی کوئی نوٹس نہ لیا گیا۔''

پھر تحریر کرتے ہیں:

''اس سے بڑھ کر ظالمانہ افعال بُسر بن ارطاۃ نے کئے، جسے حضرت معاویہ نے پہلے حجاز و یمن کو حضرت علیؓ کے قبضے سے نکالنے کے لئے بھیجا تھا اور پھر ہمدان پر قبضہ کرنے کے لئے مامور کیا تھا۔ اس شخص نے یمن میں حضرت علیؓ کے گورنر عبید اللہ ابن عباس کے دو چھوٹے چھوٹے بچوں کو پکڑ کر قتل کر دیا۔ ان بچوں کی ماں اس صدمے سے دیوانی ہوگئی۔''

آگے بسر ابن ارطاۃ کے ہی معاملے میں لکھتے ہیں:

''اسی ظالم شخص کو حضرت معاویہ نے ہمدان پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا جو اس وقت حضرت علیؓ کے قبضہ میں تھا۔ وہاں اس نے دوسری زیادتیوں کے ساتھ ایک ظلم عظیم یہ کیا کہ جنگ میں جو مسلمان عورتیں پکڑی گئی تھیں انھیں لونڈیاں بنالیا۔ حالانکہ شریعت میں اس کا قطعاً کوئی جواز نہیں۔ یہ ساری کارروائیاں گویا اس بات کا عملاً اعلان تھیں کہ اب گورنروں اور سپہ سالاروں کو ظلم کی کھلی چھوٹ ہے اور سیاسی معاملات میں شریعت کی کسی حد کے وہ پابند نہیں۔'' (خلافت وملوکیت، ص۱۴۶)

کچھ حالات گورنروں کے پہلے ہی تحریر کر چکے ہیں۔

لاشوں کی بے حرمتی کا چلن

ایامِ جاہلیت کی وہ رسمیں جو اسلام نے ختم کر کے ان کی جگہ انسانی اقدار قائم کئے تھے، امیر معاویہ نے ان کو واپس پلٹایا۔ چنانچہ حضرت عمار صحابیٔ رسول کا سر کاٹ کر صفین میں معاویہ کے پاس لایا گیا۔ مودودی لکھتے ہیں:

> ''سب سے پہلا سر جو زمانۂ اسلام میں کاٹ کر لے جایا گیا وہ حضرت عمار بن یاسر کا سر تھا۔ امام احمد ابن حنبل نے اپنی ''مسند'' میں صحیح سند کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے اور ابن سعد نے بھی ''طبقات'' میں اسے نقل کیا ہے کہ جنگِ صفین میں حضرت عمار کا سر کاٹ کر حضرت معاویہ کے پاس لایا گیا اور دو آدمی اس پر جھگڑ رہے تھے۔ ہر ایک کہتا تھا کہ عمار کو میں نے قتل کیا ہے۔'' (خلافت وملوکیت، ص ۱۴۷)

اسی طرح حضرت علیؑ کے پُر جوش حامی اور صحابیٔ رسول حضرت عمرو بن حمق کا سر دوسرا سر تھا جسے معاویہ کے بدترین گورنر زیاد نے کٹوایا۔ حضرت عمرو بن حمق حضرت علیؑ کے بہت بڑے ہمنوا تھے اور معاویہ کی حکومت کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ چنانچہ زیاد جب شیعیانِ علیؑ کو کوفہ کا گورنر بننے کے بعد بری طرح قتل کر رہا تھا تو ان پر بھی چھاپہ ڈالا گیا۔ یہ کسی طرح کوفے سے باہر جانے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کی تلاش میں فوجی ٹکڑیاں لگی ہوئی تھیں، چنانچہ وہ ایک غار میں پوشیدہ ہو گئے۔ وہاں ایک سانپ نے انھیں کاٹ لیا اور ان کا انتقال ہو گیا۔ تعاقب کرنے والوں نے ان کا سر کاٹ لیا اور نیزے پر چڑھا کر زیاد کے پاس پھر وہاں سے دمشق لے گئے۔ معاویہ نے برسرِ عام کٹے ہوئے سر کا گشت کرایا اور پھر لے جا کر ان کی بیوی کی گود میں ڈال دیا گیا۔'' (طبقات ابن سعد۔ جلد ۶)

اسی طرح محمد ابن ابی بکر کو جو حضرت علیؑ کے مصر پر گورنر تھے، معاویہ کے مصر

پر قبضے کے بعد قتل کیے گئے اور بعد میں گدھے کی کھال میں رکھ کر جلوادیا گیا۔ (طبری، جلد ۴۔ ابن اثیر، جلد ۳۔ ابن خلدون)

پھر اسی ضمن میں یہ دستور سا بن گیا کہ مخالفین پر قابو پاکر قتل کرنے کے بعد ان کی لاشوں کو مثلہ کیا جائے۔ طبری لکھتے ہیں کہ معاویہ کے بعد یزید کے زمانے میں حضرت حسینؑ کا سر کاٹ کر کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے دمشق لے جایا گیا اور لاش پر گھوڑے دوڑادیئے گئے۔ (طبری، جلد ۴۔ ابن اثیر)

معاویہ کے بعد کے زمانے میں یہ جاہلانہ رسم پوری سرگرمی اور جوش سے جاری رہی۔ نعمان بن بشیر جو خود یزید کے زمانے تک بنی امیہ کے پر جوش حامی ہوا کرتے تھے، اختلاف کی بنا پر مروان نے انھیں قتل کراڈالا۔ (یزید کے بعد یہ عبداللہ ابن زبیر کے حامی ہوگئے تھے) اور سر کاٹ کر ان کی زوجہ کی گود میں ڈالا گیا۔ (طبقات ابن سعد)

اسی طرح عبداللہ ابن زبیر اور ان کے ساتھیوں عبداللہ بن صفوان اور عمارہ بن حزم کے سروں کو کاٹ کر مکہ، مدینہ اور پھر دمشق اور راستہ کے تمام شہروں میں تشہیر کیا گیا۔ ان کی لاشوں کو کئی روز تک سولی پر لٹکایا گیا۔ (طبری، جلد ۵۔ ابن خلدون، جلد ۳)

اسی طرح حضرت زید بن امام زین العابدینؑ اور حضرت عیسیٰ ابن زید کی لاشوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا گیا کہ اس کو سن کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ اسی کتاب میں حضرت زید و حضرت عیسیٰ کے ساتھ کیا گیا سلوک ان کے حالات میں درج ہے۔

مختار پر جب مصعب نے غلبہ پایا تو حالتِ روزہ میں انھیں شہید کرکے سر کاٹ کر در کوفہ پر لٹکایا اور ان کے ہاتھ کاٹ لئے یہ بنی امیہ کا قائم کردہ چلن اس نے بھی اپنایا۔ اس بد ترین ایام جاہلیت کی رسم کی تجدید امیر معاویہ نے کی۔ بعد والوں نے ان کی سیرت پر عمل کیا۔ اگر معاویہ نے یہ جسارت نہ کی ہوتی تو شاید بعد والوں کا ذہن اس طرف نہ جاتا۔

مولانا مودودی تحریر کرتے ہیں:

"قطعِ نظر اس سے کہ جن لوگوں کے مرنے کے بعد یہ سلوک ان کی

لاشوں کے ساتھ کیا گیا، وہ کس پائے کے لوگ تھے، سوال یہ ہے کہ کیا اسلام نے کسی کافر کے ساتھ بھی یہ برتاؤ کرنا جائز رکھا ہے؟''

(خلافت وملوکیت، ص ۱۴۸)

ام المومنین عائشہ کا قتل

امیر معاویہ کے زمانے میں ان کی مخالف نامی گرامی ہستیاں ان کے گورنروں اور عہدیداروں کے ہاتھوں قتل کی گئیں۔ بعض مورخین نے ام المومنین عائشہ کے قتل کی بھی باتیں بیان کی ہیں۔ ام المومنین دراصل یزید کی ولی عہدی کی سخت مخالف تھیں کہ جس کے لئے معاویہ جی توڑ کوشش کر رہے تھے۔ ایسے میں عائشہ کی مخالفت معاویہ کے پروگرام میں زبردست رکاوٹ تھی۔ چنانچہ انھوں نے حضرت عائشہ کو خاموش کرنے کا تہیہ کرلیا۔ انھیں نہ ان کے مرتبہ کا خیال ہوا، نہ ان کی عمر کا۔

علامہ ابن خلدون کہتے ہیں:

''۵۶ ہجری میں معاویہ نے مدینہ میں لوگوں کو یزید کی بیعت کے لئے دعوت دی۔ تب حضرت عائشہ نے اپنا اضطراب ظاہر کیا۔ معاویہ نے حضرت عائشہ کو اس وقت رات کے کھانے پر مدعو کیا۔ اس نے ایک گہرا گڑھا کھودنے کا حکم دیا، جس میں دھار دار ہتھیار سیدھے کر کے رکھوا دیئے۔ گڈھے کا منہ لکڑی کے ٹکڑوں سے بند کرا دیا اور اس پر قالین بچھا دیا گیا۔ اس پر ایک کرسی حضرت عائشہ کے بیٹھنے کو رکھی گئی۔ جیسے ہی وہ اس کرسی پر بیٹھیں، سب چیزیں گر گئیں اور وہ گڑھے میں گر گئیں۔ تب اس نے (معاویہ نے) گڑھے کو چونے سے پاٹنے کا حکم دیا۔ اس نے ان کو زندہ دفن کر دیا۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً ۶۴ رسال تھی۔ اس کے بعد وہ مدینے سے رخصت ہو کر مکّہ کی طرف روانہ

ہو گئے۔''

اسی طرح کی گفتگو حکیم ثنائی اور دیگر نے بھی کی ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھیں ''تاریخ حبیب السیر، واقعات ہجری ۵۸۔ مدارج النبوۃ وغیرہ۔

حضرت امام حسنؑ کو زہر

۴۹ ھجری میں عبدالرحمٰن ابن خالد کو، جو صحابیٔ رسول تھے، اپنے خصوصی طبیب ابن آثال کے ذریعے، جو یہودی تھا اور زہروں میں مہارت رکھتا تھا، زہر دلوا دیا۔ سبب یہ تھا کہ لوگ اس کا بہت احترام کرتے تھے اور کہتے تھے کہ معاویہ کے بعد یہی خلیفہ ہوگا۔ امیر معاویہ کیونکہ یزید کو امت کے سر پر بٹھانے کے مشن پر کام کر رہے تھے، لہٰذا ابن خالد کا وجود یزید کی تخت نشینی کے لئے بہت ہی خطرناک تھا۔ چنانچہ انھوں نے ابن آثال سے ایسا زہر تیار کرایا کہ عبدالرحمٰن مر بھی جائے اور معاویہ کی طرف لوگوں کا دھیان بھی نہ جائے۔ چنانچہ یہ راز راز رہ گیا۔ مالک ابن اشتر جب مصر کے گورنر ہو کر جا رہے تھے تو راستے میں ایک زمیندار کے ذریعے معاویہ نے اسی ابن آثال کے تیار کردہ زہر سے ان کو بھی شہید کرایا تھا۔ یہ بہت محفوظ راستہ تھا۔ چنانچہ انھوں نے یزید کی ولیعہدی پر باقاعدہ کام کرنے سے پہلے امام حسنؑ کو بھی اسی طرح راستے سے ہٹانے کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ ابنِ آثال کے ذریعے بہت ہی تیز زہر تیار کرایا گیا اور امام حسنؑ کی بیوی جعدہ جو کہ اشعث کی بیٹی تھی، کو ہموار کر کے اور درہم و دینار کے ساتھ اپنے بیٹے یزید کے ساتھ عقد کرنے کی شرط پر یہ زہر امام حسنؑ کو پانی میں ملا کر پلوا دیا گیا، جس کے اثر سے کلیجہ شق ہو گیا اور آپ کی شہادت ہو گئی۔

روضۃ الاحباب میں ہے کہ ''جب قضیہ صلح کو (معاویہ سے امام حسنؑ کی صلح کو) ایک مدت گزر گئی تو معاویہ کو اس بات کا خیال ہوا کہ یزید کو اپنا ولی عہد قرار دیں۔ اور مشاہیر زمانہ سے اس کے لئے بیعت لیں۔ مگر چونکہ وہ یقین کے ساتھ جانتے تھے

کہ امام حسنؑ کی موجودگی میں یہ معاملہ خاطر خواہ طے نہ ہوگا، لہٰذا اس کوشش میں مصروف ہوگئے کہ کسی طرح امام حسنؑ کے وجود سے میدان خالی ہوجائے۔''

تاریخ مروج الذہب میں ہے کہ ''معاویہ نے خفیہ طور پر جعدہ بنت اشعث زوجۂ امام حسنؑ سے کہلا بھیجا کہ اگر حسنؑ کے قتل میں تیرا کوئی حیلہ کارگر ہوجائے تو میں تجھے ایک لاکھ درہم انعام میں دوں گا اور تیرا نکاح یزید کے ساتھ کردوں گا۔ چنانچہ جعدہ نے امام حسنؑ کو زہر دے دیا۔''

اسی طرح ''استیعاب ابن عبدالبر'' میں ہے کہ امام حسنؑ کو ان کی بی بی جعدہ بنت اشعث نے زہر دے دیا اور محققین کے ایک گروہ کا قول ہے کہ معاویہ نے جعدہ سے خفیہ سازش کرکے امام حسنؑ کو زہر دلوادیا۔ یہ کتاب صحابہ کے حالات میں لکھی گئی ہے۔

امام ثنائی نے اپنی ''حدیقہ'' میں بھی یہ سب تذکرہ کیا ہے اور امام حسنؑ کا قاتل معاویہ کو قرار دیا ہے۔ خواجہ حسن نظامی نے اس معاملہ میں ''یزید نامہ'' کے کئی صفحات پر بہت پُراثر بحث کی ہے اور حوالوں سے قتل امام حسنؑ ثابت کیا ہے۔

طب کی ایک مشہور کتاب ''طبقات الاطباء'' جلد ۳ میں بھی ابن آثال جو کہ معاویہ کا خاص طبیب اور زہر بنانے میں ماہر تھا، اس کے حال میں یہ تذکرہ موجود ہے۔

شریعت کے قوانین میں بدلاؤ

امیر معاویہ نے دینِ رسول میں بہت سی بدعتوں کا آغاز کیا۔ ایک بدعت تو یہ تھی کہ بیٹھ کر خطبہ پڑھنے کا آغاز کیا، حالانکہ رسولؐ کھڑے ہوکر خطبہ پڑھتے تھے اور خلفائے راشدین اسی سنت کے پابند رہے۔

دوسری بدعت جو انھوں نے رائج کی وہ یہ کہ خطبۂ عید کو نماز پر مقدم کیا، حالانکہ رسولؐ کی سنت اس کے برعکس تھی۔

تیسری بدعت عید کے دن اذان مقرر کی قبل نماز۔ جبکہ خلفائے راشدین

تک بھی یہ دستور نہ تھا، کیونکہ پیغمبرؐ کی یہ سنت ہی نہ تھی۔

چوتھی یہ کہ تکبیر کو نماز سے کم کر دیا۔

پانچویں بدعت یہ کی کہ اپنی خدمت کے لئے خواجہ سرا مقرر کئے۔

چھٹی بدعت یہ کی کہ مسجد میں اپنی حفاظت کے واسطے مقصورہ بنوایا۔ اسی میں کھڑے ہوکر امامت کرتے تھے۔

ساتویں بدعت یہ کی کہ خانۂ کعبہ کو پوشش ڈالتے وقت برہنہ کرنا شروع کردیا، حالانکہ اس سے قبل تک ایک پوشش پر دوسری پوشش ڈالی جاتی تھی۔

ایک بدعت یہ کی کہ بیعت لیتے وقت حلف لینا شروع کر دیا۔

اپنے بیٹے کے لئے بیعت لی۔

یہ تمام بدعات ہم نے علامہ جلال الدین سیوطی کی ''تاریخ الخلفاء'' سے اخذ کی ہیں۔ خواجہ حسن نظامی نے اپنی مشہور تاریخی تصنیف ''یزید نامہ'' میں بھی شبعی کی ''علی الایام، جلد ۳'' سے یہ سب بدعات رقم کی ہیں۔

ایام جاہلیت کی قبیلہ تفریق کی واپسی

شروع میں ہم نے اکبر شاہ نجیب آبادی کے حوالے سے اس مذموم کام پر روشنی ڈالی ہے۔ انھوں نے بنی امیہ کے دورِ حکومت میں ان کے جرائم کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ تحریر کیا ہے کہ بنی امیہ نے قبیلوں کی اس عصبیت اور امتیاز پرستی کو دوبارہ زندہ کردیا، جس کو اسلام کی برکت سے ختم کر دیا گیا تھا۔

دراصل اس کا سہرا اموی سلسلۂ حکومت کے بانی امیر معاویہ ہی کے سر بندھتا ہے۔ انھوں نے اس کام کو باقاعدگی کے ساتھ انجام دیا کیونکہ ان کی سیاسی مصلحتیں اور حکومت کے مفادات اسی کے متقاضی تھے۔ چنانچہ انھوں نے ہمیشہ اس پر زور دیا اور کام کیا اور یہی صورتِ حال آگے کے حکمرانوں نے اور زیادہ توجہ سے قائم رکھی۔ بعد میں آنے

تقریظ

(مولانا سید حسین نواب صاحب قبلہ)

(ریزیڈنٹ عالم، جعفریہ سینٹر، اٹلانٹا، امریکہ)

''نہج البلاغہ کی پیشین گوئیاں'' کا مسودہ میرے سامنے ہے۔ خطیب اسلام عالیجناب ڈاکٹر عباس علی نقوی صاحب کی یہ پیش کش یقیناً وقت کی ضرورت کے عین مطابق ہے۔ نہ صرف ایسے مسلم نوجوانوں کو بلکہ تمام ایسے انسانوں کو جنھیں حق کی تلاش ہے ان تک حق پہنچانے میں یہ کتاب یقیناً مددگار ثابت ہوگی۔ ڈاکٹر عباس صاحب سے میرے دیرینہ تعلقات ہیں۔ میں جب جے پور میں طبیہ کالج کا طالب علم تھا تب وہ جے پور ہی میں ''راجستھان یونانی میڈیکل کالج'' میں کچھ وقت کے لئے لکچرر تھے، پھر ان کا انتخاب یوپی، ہیلتھ سروسز میں ہو گیا تو وہ وہاں سے چھوڑ کر چلے آئے۔ میں بھی کچھ عرصہ بعد مذہبی تعلیم کے لئے ایران چلا آیا پھر وہاں سے امریکہ آ گیا اور کچھ وقت کے لئے یہ تعلق التواء میں رہا۔ بعد میں جب وہ مجلسیں پڑھنے محرم وغیرہ میں لندن اور یورپ کے مختلف شہروں میں آنے لگے تو پھر سے یہ رابطہ بحال ہوا۔ ان کی صلاحیتوں سے میں اچھی طرح واقف ہوں اور ان کی یہ کاوش بہت ہی بے مثال ہے۔

والے امیر معاویہ کے دکھائے راستے پر چلے۔ خواجہ حسن نظامی تحریر فرماتے ہیں:

''معاویہ نے ساری زندگی اس احساس اسلامی کے فنا کردینے میں صرف کردی جو اسلام نے اخوت کا مسلمانوں میں پیدا کیا تھا۔ معاویہ کے جس قول کو دیکھو گے، جس فعل پر نظر کرو گے، صاف معلوم ہو جائے گا کہ وہی جاہلیت کی فخریہ باتیں ابھار رہے ہیں۔ وہی نسبی امتیازات کے برباد کن جذبے بھڑکا رہے ہیں۔ کبھی ان کے اقوال واطوار سے یہ نہ پایا گیا کہ انھوں نے کلمۂ وحدت پر طبائع کو برانگیختہ کیا ہو۔ انھوں نے جب کہا، یہی کہا 'ہم قریش ہیں، ہم عرب ہیں، ہم اکیلے ہیں، ہم ڈھیکے ہیں۔'' (یزید نامہ، خواجہ حسن نظامی، ص ۱۰۵)

یہ امیر معاویہ کے حالات ہیں جو اموی حکومت کے بانی ہیں۔ ان کا پایۂ تخت بے گناہوں کے خون میں ڈوبا ہوا ہے۔

خواجہ حسن نظامی امیر معاویہ کے ''سیاسی جرائم'' کے عنوان پر لکھتے ہوئے بہت ہی بے مثال بحث کرتے ہیں۔ ان کی بحث کا ایک حصہ قارئین کو ان جرائم کے نتائج ونقصانات سمجھانے میں بڑا معاون ثابت ہوگا۔ بیان کرتے ہیں:

''یہ چودھویں اور بیسویں صدی سیاست کی صدی ہے۔ اس دور میں معمولی معمولی آدمی بھی کلیاتِ سیاست پر بحث کرنا جانتے ہیں۔ یہ وہ زمانہ ہے جس نے تمام شخصی اور خودمختار حکومتوں کا ستیاناس کردیا اور دنیا کے ہر گوشے میں جمہوریت کے جھنڈے نصب ہو گئے۔ آج جن اصول مساوات اور باہمی مشارکت پر حکومت کی مشینیں چلائی جارہی ہیں یا اس کے مطالبات ہو رہے ہیں، یہ سب اسلامی جمہوریت کے اصول سے اخذ کیے گئے ہیں۔ ان میں اکثر خوبیاں اسلامی طرز جمہوریت کی ہیں اور دانشمند محسوس کرتے ہیں کہ جب تک قرن اول کے قانونِ

اسلامی کے بموجب موجودہ جمہوریت کو مکمل نہ کیا جائے گا، حیاتِ شہریت کامل نہ ہوگی۔ موجودہ عہد میں پوری جمہوریت کی مثالیں فرانس وامریکہ میں پائی جاتی ہیں، مگران میں بھی باوجود کمال اورعروج حاصل کرلینے کے افراد کا باہمی امتیاز باقی ہے۔ دولت منداور مفلس، عالم و جاہل، حسین وبدشکل، عورت اور مرد میں معاشرت کے بدیہی اختلافات ہیں۔ کھانے پینے میں امیر افراد غریب لوگوں کو اپنا شریک نہیں کرتے، رہنے سہنے میں ان میں بڑی تفریق ہے۔ امیروں کے محلے الگ ہیں اور غریبوں کے الگ۔ یہاں تک کہ عبادتِ خدا میں بھی ان کا اتحاد نہیں ہے۔ امیروں کے گرجا میں غریب نہیں جاسکتے۔ اورغریبوں کے عبادت خانوں میں امیر نہیں آتے۔

یہ جمہوریت کبھی کامیاب نہ ہوگی، جب تک اسلامی جمہوریت کی تقلید ان میں رواج نہ پائے۔ اسلام نے جس جمہوریت کی بنیاد رکھی تھی اس میں موجودہ جمہوری حکومتوں کے سب اوصاف تو تھے، مگر افراد کے یہ باہمی امتیازات اور تفرقے نہ تھے۔ ایک ادنیٰ درجہ کا مسلمان خلیفۂ وقت کے برابر نماز میں کھڑا ہوسکتا تھا۔ ساتھ کھانا کھاتا تھا۔ ساتھ بیٹھتا اُٹھتا تھا اور ذرا بھی فرق وامتیاز امیر غریب اور حاکم ومحکوم میں نہ تھا۔

رسول اللہ کے وقت میں بھی یہی جمہوریت تھی اور چاروں خلفاء کے زمانے میں بھی۔ مگر امیر معاویہ نے اس کو توڑ ڈالا۔ انھوں نے تلوار اور ڈپلومیسی کے زور سے اسلامی جمہوریت کے تمام قویٰ کو پامال کردیا اور قیصر وکسریٰ کے شخصی اقتدار کو اپنی ہستی میں نمایاں کرنے کی کوشش میں مصروف ہوگئے۔ ان کی ذات نے امیر وغریب کا امتیاز قائم

کر دیا۔ ان کے دورِ حکومت نے ذات پات کا فخر دوبارہ ابھار دیا، جس کو آنحضرتؐ نے زورِ مذہبیت سے دبا دیا تھا۔ انھوں نے افراد کی عمومیت و مساوات کو مٹا کر شخصیات کی تعریفیں پیدا کیں۔ وہ عام و خاص کی مل کے ایک رکابی میں طعام نوشی مفقود ہو گئی۔ وہ رائے کی آزادی اور بے باکی تلواروں نے اپنے ظلم و ستم سے نابود کر دی۔ یہاں تک کہ معاویہ نے عبادت میں بھی عوام سے امتیاز پیدا کیا اور بادشاہ کے لئے مسجد میں ایک محدود و مخصوص جگہ بنوائی جس نے شاہ و گدا کی مساوات کھو دی، جبکہ پروردگار کے سامنے بازو سے بازو ملا کر کھڑے ہوتے تھے۔ اگر معاویہ نہ ہوتے تو آج تمام دنیا کا جمہوری قانون اسلامی جمہوریت کے ماتحت ہوتا۔ معاویہ نے مسلمانوں کے سیاسی فروغ کو، جو اصولِ مساوات کی بجلیوں کے ساتھ تمام افقِ کائنات پر چمکنا چاہتا تھا، نفسیات کے بادلوں میں دبا دیا، چھپا دیا۔

آج معاویہ زندہ ہوتے تو ہندوستان کے بنگالی ان پر گولی چلاتے۔ یورپ کے سوشلسٹ (اشتراکی) ان کو ملیامیٹ کر دینے کی کوشش کرتے اور اگر وہ زندہ نہیں ہیں تو نہ سہی، ان کے اعمال و افعال تاریخوں میں زندہ ہیں، جن کو جمہوریت کے تمام فدائی اور حریت کے کُل شیدائی قیامت تک نفرت و حقارت سے یاد کریں گے اور مسلمانوں کا حزب الاحرار اپنی نئی نسلوں کو اس عدوئے مساوات کی دشمنی ورثہ میں دیا کرے گا۔" (''یزید نامہ''۔ از خواجہ حسن نظامی، ص ۱۲۹-۱۲۷)

یزید ابن معاویہ

یزید امیر معاویہ کا بیٹا ہے اور اموی سلطنت کا دوسرا بادشاہ ہے۔ اسی یزید کی محبت میں اندھے ہو کر امیر معاویہ نے ایسے کام کر ڈالے جن کی گرمی آج تک امت محسوس کر رہی ہے۔

امیر معاویہ کے جرائم میں ایک کے بعد ایک جرم ایسا ہے جس کو 'ایک سے بڑھ کر ایک' کہا جائے گا۔ ان کا ایک ظلم دیکھو تو لگتا ہے کہ بس یہ آخری ظلم ہے، اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے، لیکن جب ان کے اگلے قدم پر نگاہ پڑتی ہے تو پچھلا جرم اس جرم کے سامنے چھوٹا نظر آنے لگتا ہے۔

مسلمانوں میں جو شورائی نظام رائج تھا اور جس طرح خلفائے راشدین ایک کے بعد ایک مختلف طریقوں سے منتخب ہو رہے تھے، امیر معاویہ نے اس کو سخت ترین ضرب اپنے بیٹے یزید کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کر کے پہنچائی۔ اچھی طرح ان کو علم تھا کہ یہ کام آسان نہیں، مگر انھوں نے یہ کام انجام دینے کے لئے ہر حد سے گزرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔

حضرت امام حسنؑ کے خلع خلافت کے بعد، یعنی کہ دنیاوی حکومت معاویہ کے حق میں چھوڑ دینے کے بعد جب پورے عالمِ اسلام کے بلا شرکت غیرِ وہ سیاہ و سفید کے مالک ہو گئے تو ان کے دل میں یہ بات گھر کر گئی کہ اب حکومت کی یہ دلہن جو قسمت سے ان کے گھر آن اتری ہے، گھر سے باہر نہ نکلنے پائے۔ یزید کو اپنے بعد کسی بھی طرح امت کے سر مڑھ دینے کا انھوں نے پکا ارادہ کر لیا تھا۔ رائج شورائی نظام کے خلاف جا کر اپنے بدکردار اور آوارہ بیٹے کو، جس میں حکومت سنبھالنے کی کوئی اہلیت ہی نہیں تھی، ایک دم سے امت کا سربراہ بنا دینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ لیکن انھیں معلوم تھا کہ وہ اپنے وسائل سے یہ کر گزریں گے۔ اور انھوں نے اس معاملے میں ہر طرح کے

وسائل کا استعمال کر کے آخر یہ کام کر ہی دیا۔ حالانکہ امام حسنؑ کے معاملات کے وقت مجبوراً امام حسنؑ سے شرائطِ صلح میں یہ شرط طے کر لی تھی کہ

''معاویہ کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اپنا کوئی ولی عہد مقرر کرے، بلکہ شوریٰ کی رُو سے اس کے بعد مسلمانوں کا حاکم مقرر ہوگا۔'' (بعض تواریخ کے مطابق)

بلکہ طبری، حیوٰۃ الحیوان، ابن قتیبہ، اور اعثم کوفی نے تو یہ تحریر کیا ہے کہ شرط یہ تھی کہ معاویہ کے بعد امام حسنؑ خلیفہ ہوں گے اور اگر ان کا انتقال ہو جائے تو امام حسینؑ۔ میرے نزدیک بھی یہی شرط صحیح ہے اور یہی شرط طے کی گئی۔ لیکن اس شرط کے طے ہو جانے سے ان کی طبیعت میں بے چینی تھی۔ وقتی طور پر حالات کو اپنے حق میں کرنے کے لیے مصلحت یہی تھی کہ امام حسنؑ کی یہ شرط تحریری طور پر مان لی جائے، بعد میں کس طرح حالات کا رخ موڑنا ہے، وہ اس میدان کے ایکسپرٹ کھلاڑی تھے۔ اوّل تو اقتدار کو مضبوط کرنا تھا۔ جب ہاتھ میں تلوار، پاؤں کے نیچے تخت اور جیب میں مال وزر ہوگا تو سب کچھ مرضی کے مطابق ہوتا جائے گا۔

امیر معاویہ نے پاؤں مضبوط ہوتے ہی اپنے مشن پر کام شروع کر دیا۔ عموماً کہا یہ جاتا ہے کہ ان کے دل میں یہ خیال مغیرہ بن شعبہ نے ڈالا۔ وہ معاویہ کی طرف سے کوفہ و بصرہ کے گورنر تھے۔ معاویہ کسی بات کو لے کر ان سے کبیدہ خاطر تھے اور انھیں معزول کرنا چاہتے تھے۔ لیکن جیسے ہی انھیں اس کی بھنک لگی، وہ شام آپہنچے۔ معاویہ نے اچانک انھیں شام میں دیکھا تو کہا ''یہ اچانک آمد کیوں؟'' کہنے لگے ایک ضروری خیال دل میں آیا۔ بات رازداری کی تھی، اس لئے بذاتِ خود آنا مناسب سمجھا۔ معاویہ نے استفسار کیا تو کہنے لگے ''خیال آیا کہ کیوں نہ اپنے بعد آپ یزید کی خلافت کے لئے ابھی بیعت لے لیں۔'' امیر معاویہ کیونکہ یزید کے چال چلن سے واقف تھے اور اس کی شہرت اور مقامات پر بھی تھی، لہٰذا انھوں نے کہا ''مگر یزید کی

بیعت کے لئے لوگ رضامند کیونکر ہوں گے؟'' اس نے کہا بصرہ کی ذمہ داری میں لیتا ہوں، حجاز کو مروان سنبھال لے گا، اور زیاد کوفہ کو درست کر لے گا۔ امیر معاویہ کو یہ بات اچھی لگی۔ ان کی مغیرہ سے ناراضگی ختم ہوگئی اور یہ اپنے مشن پر لگ گئے۔ اسی دن سے یزید کی ولی عہدی کا خیال معاویہ کے دل میں آیا۔ لیکن سچ یہ ہے کہ مغیرہ کو یہ کہنے کا حوصلہ اسی وقت حاصل ہوا جب اس نے امیر معاویہ کے خیالات کو بھانپ لیا تھا۔ مغیرہ نے معاویہ کے دل میں خیال پیدا نہیں کیا، بلکہ پیدا شدہ خیال کو باہر لانے میں مدد کی۔ مولانا معین الدین ندوی تحریر کرتے ہیں:

''۵۶ ہجری میں مغیرہ بن شعبہ نے یزید کی ولیعہدی کی تجویز پیش کی۔ امیر معاویہ نے قیصری اور کسروی بدعت کو بہت پسند کیا، لیکن اسے عملی جامہ پہنانے میں چند در چند مذہبی اور پولیٹیکل دقتیں حائل تھیں۔۔ ۔۔۔۔۔۔۔ مگر امیر معاویہ نے ان تمام پہلوؤں اور دشواریوں کو نظر انداز کر کے یزید کی ولی عہدی کا فیصلہ کیا۔''

(سیر الصحابہ، مولانا معین الدین ندوی)

تفصیلی واقعہ کا ذکر کر کے آخر میں نتیجے کے طور پر مولانا تحریر کرتے ہیں:

''غرض کسی نہ کسی طرح ۵۶ ہجری میں امیر معاویہ نے یزید کی بیعت لے کر اسلام کی جمہوری روش کا خاتمہ کر دیا۔'' (سیر الصحابہ، جلد ۶، ص ۴۹)

امیر معاویہ نے یزید کی بیعت کے لئے تمام کاوشیں کیں۔ لوگوں کو ڈرایا دھمکایا، اور فریب دیا۔ مغیرہ، زیاد اور مروان نے صوبوں سے وفود بھیجے۔ مغیرہ کے بیٹے سے معاویہ نے الگ پوچھا ''تیرے باپ نے ان کا دین کتنے میں خریدا'' اس نے کہا ''ہزار درہم'' کہا بہت سستا خرید لیا۔ اس کے معنی یہ کہ خود معاویہ یزید کی بیعت کو ایمان و دین کا سودا سمجھتے تھے۔ یہ بیعت ابن کثیر کے بقول اس طرح پیش آئی:

''پھر امیر معاویہ نے خطبہ دیا اور لوگ ان کے منبر کے نیچے حاضر تھے۔ لوگوں نے یزید کے ہاتھوں پر بیعت کی اور یہ صحابہ خاموش بیٹھے رہے۔ نہ موافقت کی اور نہ اظہارِ مخالفت کیا، اس لئے کہ ان کو ڈرا اور دھمکا دیا گیا تھا۔ چنانچہ تمام شہروں میں بیعت ہوگئی اور تمام بڑے بڑے صوبوں کے وفود (بیعت کے لئے) یزید کے پاس آنے لگے۔''

(البدایہ والنہایہ، جلد ۸، علامہ ابن کثیر)

یہ ایک طولانی گفتگو ہے کہ یزید کی بیعت کس طرح ہوئی۔ کیسے کیسے لوگوں نے کس کس طرح بیعت یزید کی، کیونکہ اس وقت یہ بات موضوع گفتگو نہیں ہے، لہٰذا اس کو چھوڑتے ہیں۔ صرف یزید کی زندگی کے اس حصے پر بحث کرتے ہیں، جس کا تعلق پیشین گوئی سے ہے۔

جس بے دینی، اور شریعت سے بغاوت کا آغاز امیر معاویہ نے کیا تھا، بنی امیہ کی حکومت کے قیام نے محض ۲۰ رسال بعد یزید کے دور میں وہ اپنے شباب پر تھی۔ یزید انتہائی فاسق و فاجر تھا۔ شرابی تھا، زانی تھا، لڑکوں سے لواطہ کرتا تھا اور اس میں ہر عیب شباب پر تھا۔

خواجہ حسن نظامی ''یزید نامہ'' میں عقد الفرید کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت مسور بن مخرمہ مدینہ میں علی الاعلان کہتے پھرتے تھے کہ یزید شراب پیتا ہے۔ یزید کو اطلاع ہوئی تو اس نے حاکم مدینہ کو حکم بھیج کر حضرت مسور کے اتنے کوڑے لگوائے جو شراب پینے کی سزا میں شرعاً مقرر ہیں۔ اس پر مسور نے شعر کہا ' خدا کی شان دیکھو! ابو خالد یزید شراب پیے اور بیچارے مسور کو اس پینے کی سزا ملے۔''

(''یزید نامہ''۔ خواجہ حسن نظامی، ص ۱۴۸)

علامہ ابن کثیر اس کے متعلق یہ تحریر کرتے ہیں:

''یزید بن معاویہ نوجوانی میں ہی شرابی ہو گیا تھا، اور آوارہ نوجوانوں کا راستہ اختیار کر چکا تھا۔'' (البدایہ والنہایہ، جلد ۸)

ایک دوسرے مقام پر اس طرح رقم کرتے ہیں:

''۔۔۔۔۔۔یزید میں یہ معائب بھی تھے کہ وہ کثرت سے شہوات کی جانب متوجہ تھا، اور بعض نمازوں کو تو وہ بعض اوقات چھوڑ ہی دیتا تھا اور اکثر اوقات کی نمازیں قضا پڑھتا تھا۔'' (البدایہ والنہایہ۔ جلد ۸)

بات یہ ہے کہ علامہ ابن کثیر امیر معاویہ اور یزید، دونوں کے وکیل ہیں اور ان کے قلم سے اگر اتنا نکل گیا تو یہ صورت حال کو سمجھنے کے لئے کافی ہے۔ یزید کا نماز پڑھنا کیا اور نماز نہ پڑھنا کیا۔ وقت سے نمازوں کی ادائگی کیا اور قضا کیا۔ واقعۂ کربلا کے بعد جو اشعار اس نے پڑھے، اس سے تو اس کے اندر کا اسلام سے بغض نکل کر باہر آگیا۔ اس کی اصل اور اس کے عقائد کی حقیقت سب پر واضح ہو گئی۔ علامہ طبری نے ان کے اشعار کو اپنی تاریخ میں جگہ دی ہے اور علامہ ملا مبین لکھنوی فرنگی محلی نے بھی وہ اشعار نقل کئے ہیں۔ الفاظ کے تغیّر کے ساتھ ایک ہی نفسِ مطلب ہے۔ ملا مبین کی تحریر دیکھئے:

''یزید نے امام حسینؑ کے سر کو چھڑی سے چھیڑ کر چند اشعار پڑھے جن کا حاصلِ مقصد یہ ہے کہ کاش! میرے بدر کے بزرگ ہوتے تو خوش ہو کر مجھے داد دیتے کہ میں نے ان کا کیسا انتقام لیا اور سادات بنی ہاشم کو قتل کیا۔ بے شک عتبہ کی نسل میں شمار نہ ہوتا اگر آلِ محمد سے ان تمام باتوں کا بدلہ نہ لیتا۔ درحقیقت بنی ہاشم نے ملک گیری کے ڈھکوسلے نکالے تھے ورنہ نہ ان کے پاس کوئی فرشتہ آیا نہ وحی نازل ہوئی۔''

(وسیلۃ النجاۃ۔ ملا مبین فرنگی محلی)

یزید کے ان اشعار وافعال کے بعد اس کی نماز اور عبادات کی حقیقت کیا ہے؟
تقریباً یہی مضمون علامہ ابن حجر مکی نے ''صواعقِ محرقہ'' میں لکھ کر کہا کہ اس سے یزید کا دین وایمان رخصت ہوا۔

محدثِ جلیل علامہ قندوزی تحریر فرماتے ہیں:

''علامہ ابن جوزی نے اپنے نواسے کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ابن زیاد کا امام حسینؑ سے قتال کرنا تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ تعجب تو یزید پر ہے کہ اس نے امام حسینؑ کے دندان مبارک پر چھڑی سے ضرب لگائی اور اسیرانِ آلِ رسول کو اونٹوں پر سوار کرایا اور ایسی ہی بہ کثرت قبیح حرکات کیں کہ جو مشہور ہیں۔ اور اس سے یزید کا قصد سوائے آلِ رسول کی فضیحت کے اور کچھ نہ تھا۔ اگر یزید کے دل میں زمانہ جاہلیت کا کینہ اور بدر کی عداوتیں نہ ہوتیں تو وہ سرِ حسینؑ کا ضرور ضرور احترام کرتا اور آلِ رسول سے نیک سلوک کرتا۔'' (ینابیع المودۃ، ص ۲۷۰)

علامہ ابن اثیر تحریر کرتے ہیں:

''جب سرِ حسینؑ یزید کے پاس لایا گیا تو اس نے ابن زیاد کا رتبہ بڑھا دیا اور اسے انعام سے نوازا اور اس کی کارگزاری پر خوش ہوا۔'' (تاریخ کامل)

علامہ جلال الدین سیوطی تحریر کرتے ہیں:

''یعنی جب حسینؑ اور ان کے برادران قتل کر دیئے گئے تو ابن زیاد نے ان کے سروں کو یزید کے پاس دمشق بھیج دیا۔ اوّل تو یزید ان لوگوں کے قتل پر خوش ہوا، مگر جب مسلمان اس سے بغض رکھنے لگے تو بعد میں وہ نادِم ہوا۔ اور حق یہ ہے کہ مسلمان یزید سے بغض رکھنے میں حق بجانب تھے۔'' (تاریخ الخلفاء)

یزید نے جنگ بدر کا تعلق امام حسینؑ سے قائم کیا ہے، حالانکہ بدر ۲ ؍ہجری میں ہوئی اور امام حسینؑ ۴ ؍ہجری میں پیدا ہوئے۔ پھر جو جنگ بدر کا فریق ہی نہیں تھا اس سے بدر کا بدلہ کیسا؟ سچ یہ ہے کہ یزید کیونکہ امام حسینؑ کو پیغمبرؐ کا جانشین سمجھ رہا تھا، لہٰذا اس نے پیغمبرؐ سے بدلہ لینے کے لیے حسینؑ کا انتخاب کیا، کیونکہ بدر کے ایک فریق حسینؑ کے نانا محمدؐ تھے اور دوسرا فریق یزید کا ماموں تھا۔ تو یوں سمجھئے کہ یہ حملہ حسینؑ پر نہیں بلکہ خود پیغمبرؐ پر تھا۔ یزید کا قول و عمل اس بات کا شاہد ہے کہ اگر ۶۱ ہجری میں خود پیغمبر زندہ ہوتے اور یزید کا بس ان پر چلتا تو ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا جو امام حسینؑ کے ساتھ کیا گیا۔

یہ بھی طے ہوگیا کہ ابوسفیان کے پوتے کا یہی عقیدہ ۶۱ ہجری میں برقرار تھا جو فتح مکہ کے وقت ابوسفیان کا عقیدہ تھا اور اس نے حضرت عباس سے کہا تھا کہ تیرے بھتیجے نے تو بہت بڑی حکومت بنالی۔ گویا ابوسفیان سے لیکر یزید تک اور فتحِ مکہ سے لے کر کربلا تک یہ عقیدہ اور خیال کبھی بدلا ہی نہیں کہ یہ نبوت نہیں، حکومت ہے۔ یزید کا انکار ہے کہ کوئی فرشتہ نہیں آیا، کوئی وحی نازل نہیں ہوئی۔ ظاہر ہے نہ تو امام حسینؑ نے اور نہ ہی ان کے باپ یا ان کے بھائی نے یا کسی دوسرے بنی ہاشم نے کبھی یہ دعویٰ کیا کہ ان پر فرشتہ آتا اور ان پر وحی نازل ہوتی ہے۔ پورے عالمِ اسلام میں یہ دعویٰ فقط پیغمبر کا تھا۔ اور یہ یزید کا انکار اس بات کا اشارہ کر رہا ہے کہ وہ پیغمبر سے مقابلہ آرا ہے اور پیغمبر اور ان کے دین کو جھٹلا رہا ہے۔ یہ بھی بات طے ہوگئی کہ یزید کی نگاہ میں جس طرح بدر کفر و اسلام کی جنگ تھی ویسے ہی کربلا بھی کفر و اسلام کی جنگ ہے۔ جنگ بدر کے بزرگوں کو یزید نے دیکھا نہیں تھا، مگر اپنے بزرگوں کی زبانی ان کے حالات سن کر یزید آج تک انگاروں پر لوٹ رہا تھا۔ یہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ ابوسفیان اور معاویہ کی مجبوری یہ تھی کہ وہ اس آگ کو دکھا نہیں سکتے تھے، مگر یزید میں اتنا ضبط اور حکمت نہ تھی، لہٰذا وہ سب کچھ اُگل بیٹھا۔ یہ ہے یزید کے اسلام کی حقیقت۔ اور اس پر

''نہج البلاغہ'' جو قرآن کے بعد ایک ایسی عظیم کتاب ہے جو انسان کی روح کو سیراب کرتی ہے اور اس کی تشنگیٔ علم کو دور کرنے میں مددگار ہوتی ہے، انسان چاہتا ہے کہ اس کا عقیدہ جو اسے آخرت میں نجات سے ہمکنار کرے گا پختہ سے پختہ ہو۔ خداوند عالم نے قرآن میں بہت سی پیشین گوئیاں کرنے کے بعد انسان کو اس طرف توجہ دلائی ہے کہ جب یہ پیشین گوئیاں پوری ہو جائیں، سچ ثابت ہو جائیں تو جان لینا کہ یہ پیشین گوئیاں کرنے والا بھی صادق ہے اور سچا ہے، اگر یہ پیشین گوئیاں خدا کی طرف سے ہیں تو خدا کے ہونے کی دلیل ہیں۔ یا رسولؐ نے انھیں خدا کی طرف سے بیان کیا ہے تو یہ رسالت کی دلیل ہیں اور اسی طرح مولائے کائنات نے جو نہج البلاغہ میں سیاسی، سماجی اور علمی پیشین گوئیاں کی ہیں۔ آج دنیا نے جب انھیں حق پایا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہیں کہ مولائے کائنات حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ نہ صرف جانشینِ رسول ہیں بلکہ اللہ کے ولی اور ان علوم کو پہنچانے کا ذریعہ ہیں جو انسان کی زندگی کے لئے ضروری ہیں اور انسان ان کی اتباع کر کے نہ صرف اس زندگی میں کامیابی حاصل کرسکتا ہے بلکہ یہ علوم اسے آخرت میں جنت کے عظیم درجوں تک پہنچانے میں مددگار ہوں گے۔ جب ہم اپنے عقیدہ کو استحکام بخشنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے سب سے بڑی شے منطقی دلیل ہوتی ہے اور یہ منطقی دلیل جب ہمیں مل جاتی ہے تو ہمارا عقیدہ محکم ہو جاتا ہے۔ یہ منطقی دلیلیں امام علیؑ نے ''نہج البلاغہ'' میں مختلف مقامات پر پیش کی ہیں اور خاص طور پر ان پیشین گوئیوں میں اس بات کا بین ثبوت فراہم کیا ہے کہ جو میں آج کہہ رہا ہوں۔ جب کل تم سچ پانا تو یہ مان لینا کہ اس کا کہنے والا اللہ کا ایک سچا نمائندہ ہے۔ اس نے جو کچھ بیان کیا وہ سچ نکلا تو اس نے دنیا کے دوسرے امور کے بارے میں جو بیان کیا وہ بھی سچ ہے اور جو آخرت اور قیامت کے بارے میں بیان کیا وہ بھی سچ ہے۔

ان پیشین گوئیوں کی صداقت سے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ انسان مولائے کائنات کی ہر بات پر عمل کر کے اپنی زندگی کی کامیابی کو حاصل کر لے گا۔

طرہ یہ کہ یہ صرف مسلمان ہی نہیں ہیں بلکہ خلیفۃ المسلمین بھی ہیں۔

یزید اپنے باپ دادا کی طرح، بلکہ ان سے بڑھا ہوا ''رسول دشمن'' تھا۔

۲۲ ررجب ۶۰ رھجری کو امیر معاویہ کے انتقال کے بعد جب وہ تخت پر معاویہ کی حسب وصیت بیٹھا تو اس نے بحیثیت شاہی فرمان پہلا حکم یہ جاری کیا کہ اس نے والیٔ مدینہ ولید کو خط لکھا کہ امام حسینؑ، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ ابن زبیر سے فوراً بیعت لے اور روگردانی کی صورت میں ان کے سر کاٹ کر میرے پاس بھیج۔ یہی وہ اشخاص تھے جو اُب تک یزید کی بیعت سے منحرف تھے۔ عبداللہ ابن زبیر تو اس کی خبر سنتے ہی راتوں رات مدینہ سے نکل گئے۔ غیر معروف راستوں سے ہوکر وہ مکہ پہنچے اور وہاں اپنی خلافت کے لئے لوگوں سے رابطہ کرنے لگے۔ بالآخرانھوں نے اپنے اتنے ہمنوا بنالئے کہ یزید کی فوجوں سے باقاعدہ کئی سال تک جنگ کرتے رہے۔ عبداللہ ابن عمر نے بالآخر یزید کی کالی بیعت کا قلادہ اپنی گردن میں ڈال لیا، البتہ امام حسینؑ نے واضح طور پر بیعت یزید سے انکار کیا۔ وہ چوروں کی طرح مدینہ سے فرار نہیں ہوئے۔ انھوں نے باقاعدہ ۲ ردن کے وقفہ سے سفر اختیار کیا اور اس سفر کی شہرت آج تک ہے۔ امام حسینؑ نے بھی مکہ کا ہی انتخاب کیا، مگر فرق یہ تھا کہ ابن زبیر خلافت کی تگ ودو لے کر پہنچے تھے۔ امام حسینؑ کا انتخاب مکہ اس لئے تھا کہ وہ جائے امن ہے۔ وہاں چیونٹی کا خون بہانا بھی منع ہے۔ وہاں پیڑوں کی شاخیں کاٹنا بھی منع ہے۔ چنانچہ قیام مکہ میں دونوں کے مقاصد الگ الگ ہونے کے سبب دونوں کا طرز الگ الگ دکھائی دے رہا ہے۔ ابن زبیر اپنی حکومت کے قیام کا انتظام کرتے ہیں، امام حسینؑ گوشہ نشینی اختیار کرتے ہیں۔ لیکن اس گوشہ نشینی کے باوجود یزید نے امام حسینؑ کو قتل کرانے کے لئے اپنے کارندے معین کردیئے۔

امام حسینؑ کو بحالت مجبوری حج سے فقط دو دن پہلے حج کو عمرہ سے تبدیل کرکے مکہ چھوڑنا پڑا۔ حکومت نے حاجیوں کے بھیس میں قاتل بھیج دیئے تھے، اس تاکید

کے ساتھ کہ امام حسینؑ جس مقام، جس حالت میں، جو رکن ادا کرتے ہوئے مل جائیں، قتل کر دیئے جائیں۔ امام حسینؑ مکہ چھوڑ کر کوفہ جا رہے تھے۔ راستے میں یہ اطلاع ملی کہ مسلمؑ شہید کر دیئے گئے۔ آپ راستہ تبدیل کر رہے تھے کہ حر سے ملاقات ہوگئی۔ وہ یزیدی فوج کا افسر تھا۔ امام حسینؑ کو کوفہ لے جانے کے ارادے سے آیا تھا۔ امام حسینؑ نے انکار کیا۔ طے ہوا کہ صورت حال کی خبر ابن زیاد کو بھیج کر ایک تیسرے راستے پر چلتے ہیں۔ چنانچہ ۲ر محرم ۶۱ رہجری کو جب ابن زیاد کا قاصد جواب لے کر پہنچا تو امام حسینؑ کربلا کی سرزمین تک پہنچے تھے۔ ابن زیاد کا پیغام حر کو پہنچا کہ جہاں ہو وہیں پر رک جاؤ۔ امام حسینؑ کو کہیں جانے نہ دو۔ میں مزید فوجیں بھیج رہا ہوں۔ چنانچہ ۱۰ر محرم ۶۱ رہجری کو سرزمینِ کربلا پر امام حسینؑ اور ان کے اعزہ و اقرباء کو کمال بربریت کے ساتھ شہید کر ڈالا گیا۔ یہ اس بے دینی کا نقطۂ عروج تھا جس کا آغاز ۲۰ رسال پہلے امیر معاویہ کی حکومت سے ہوا تھا۔ یزید کے نامۂ اعمال میں یہ جرم اس قدر بھاری ہے کہ اس کے کفر کو ثابت کرنے کے لئے کسی دوسرے کارنامہ کی ضرورت نہیں۔ لیکن حضرت امیرؑ نے جو پیشین گوئی کی ہے، اس کی زندگی کے ہر ورق پر بکھری پڑی ہے۔ شہادت امام حسینؑ کے بعد اس نے نبی کی اولاد اور بیٹیوں کو اسیر کیا اور ایک سال تک انتہائی ظالمانہ طرز پر اپنی قید میں رکھا اور تب ہی بری کیا جب اسے اپنے نیچے سے تخت کے کھسکنے کا خطرہ پیدا ہوگیا۔ ہم یزید کے مختصر سے دورِ حکومت میں جو قیامت خیز مظالم واقعۂ کربلا کے علاوہ ہوئے ان کا تذکرہ کرنے سے پہلے ایک بہت اہم موضوع پر گفتگو کرلیں۔

پیغمبرؐ کے بعد جانشینئ رسولؐ کو طے کرنے کا جو طریقہ اصحابِ پیغمبر میں سے چند لوگوں نے منتخب کیا تھا اور ہر بار ضرورت کے اعتبار سے جس طرح یہ طریقہ بدلا جاتا رہا، آخر کار اس نے وفاتِ پیغمبر کے صرف ۵۰ رسال بعد یزید جیسا حاکم پیدا کر دیا، جس کے کارناموں کے سبب مسلمانوں کی تاریخ آج تک شرم سے گھٹنوں میں منہ چھپائے بیٹھی ہے۔ کیونکہ یزید بھی اسی بے اصول طریقے پر حالات اور مصلحت کے تحت

جانشینِ رسول بنا دیا گیا تھا لہٰذا جو لوگ اس سلسلہ کو مانتے ہیں، یزید کو امام برحق ماننا اس سسٹم کی مجبوری ہے۔ اور کیونکہ انکے نزدیک یزید امام برحق تھا، لہٰذا امام حسین حق پر نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ قاضی ابوبکر مالکی نے اس الجھن کو اس طرح دور کیا ہے کہ انھوں نے اپنی مشہور تصنیف ''العواصم والقواصم'' میں لکھا ''اِنما قُتلَ الْحُسَیْنُ بِسَیفِ جَدِّہٖ'' یعنی امام حسین اپنے نانا کی تلوار سے قتل کئے گئے۔ قاضی ابوبکر کے اس بیان کی تشریح یہ ہے کہ خلیفہ وقت کے خلاف خروج کرنے اور باغی کی رسول اسلام نے جو سزا شریعت میں بیان کی ہے، وہ قتل ہے۔ یہ سزا حسینؑ پر لاگو ہوتی تھی، کیونکہ یزید خلیفہ برحق تھا۔ اجماع امت اُس پر ہو چکا تھا۔ حسینؑ نے اس کی مخالفت کی، لہٰذا وہ شریعت کی زد میں آگئے اور رسولؐ کی بتائی ہوئی سزا کے مطابق قتل کر ڈالے گئے۔ اس طرح یزید پر کوئی معاملہ بنتا ہی نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے مزے کی بات یہ ہے کہ ہمارے سُنّی بھائیوں کے مسلک میں ''خطائے اجتہادی'' کی جس چہار دیواری میں سب کو پناہ مل جاتی ہے، قاضی ابوبکر نے حسینؑ کو اس پناہ گاہ میں بھی نہ پہنچنے دیا، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حسینؑ سے ان کی عداوت کس درجہ پر ہے۔ ورنہ بقول ڈپٹی نذیر احمد ''خطائے اجتہادی تو ایسا جوا ہے جس میں جفت بھی اپنا اور طاق بھی اپنا۔'' (امہات الامہ۔ ڈپٹی نذیر احمد)

خطائے اجتہادی کا فائدہ تاریخ اسلام میں ہمارے جلیل القدر علما نے ہر ایک کو دلوایا ہے۔۔۔۔ حضرت عائشہ کو حضرت علیؑ کے خلاف لڑنے پر۔ معاویہ کو علیؑ کے خلاف تلوار اٹھانے پر اور انتہا کی بغاوت پر۔ طلحہ اور زبیر کو علیؑ سے نکثِ بیعت کرنے پر۔ یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن عمر کو صفین میں حضرت علیؑ کا ساتھ نہ دے کر غیر جانبدار رہنے پر۔ لیکن اگر کہیں خطائے اجتہادی کا گھر تنگ پڑ گیا تو وہ بس امام حسینؑ کے لئے۔ ورنہ عقیدت کی جس ڈگر پر قاضی صاحب خراماں خراماں چلے آرہے تھے، امام حسینؑ کو بھی ''خطائے اجتہادی'' کا فائدہ پہنچا دینا کچھ نیا نہ ہوتا۔ یزید سے

عقیدت رکھنے والے اور امام حسینؑ کو واجب القتل سمجھنے والے جتنے ہیں سب قاضی کی اسی تحریر اور اسی مردود مسلک کا نتیجہ ہیں۔ قاضی نے تحریر کیا ہے:

''جب ایک امام سے بیعت ہو جائے، حسب وصیت یا بہ صلاح ومشورہ باتفاق اکثر ارباب حل وعقد اور کوئی دوسرا شخص امام بننا چاہے تو اس کی گردن ماردو، کیونکہ یہ شخص مسلمانوں میں فتنہ وفساد برپا کرنا چاہتا ہے۔''

(العواصم بالقواصم)

قاضی ابوبکر کو یہ حدیث ۶۲ ہجری میں حسینؑ پر لاگو نظر آئی مگر سوال یہ ہے کہ ۶۲ ھجری سے پہلے ۳۵ ھجری میں ام المومنین عائشہ کیا اس حدیث کی زد میں نہیں ہیں؟ کیا امیر معاویہ پر یہ حدیث اثر انداز نہیں ہوتی؟ کیا طلحہ پر، زبیر پر، مغیرہ پر، عمرو عاص پر، اور دیگر باغیانِ علی پر یہ حدیث لاگو نہیں ہے؟ تو پھر شاید یہ حدیث محض حضرت امام حسینؑ کے لئے تیار کی گئی ہو۔ اب اسی مقام پر آپ بہت غور سے حضرت علیؑ کے مدبرانہ سکوت کو سمجھ لیجئے کہ یہی موقع سکوتِ حضرتؑ کو جان لینے کا ہے۔ حضرت علیؑ نے باوجود انتہائی کراہت کے اپنے سے پہلی حکومتوں کے خلاف جن بہت سی وجوہات کی بناء پر تلوار نہیں اٹھائی تھی اُن میں سے ایک وجہ اسی گڑھی ہوئی حدیث کے اثر سے خود کو اور اپنے شیعوں کو محفوظ رکھنا تھا۔

شارحِ نہج البلاغہ علامہ ابن ابی الحدید، جو اپنی بہت ساری حق بیانیوں اور حضرت علیؑ سے محبت کی سبب شیعہ کہہ دیے جاتے ہیں، جبکہ حقیقتاً وہ معتزلی سنّی ہیں، کیونکہ وہ باوجود حضرتؑ کی تمام فضیلتوں کو ماننے کے حضرت علیؑ کو خلافت کے چوتھے مقام پر ہی رکھتے ہیں اور ان سے پہلے حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان کی خلافت کے قائل ہیں اور ظاہر ہے یہ شیعہ عقیدہ نہیں ہے۔ اپنی شرح میں جمل کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت علیؑ کے عائشہ پر قابو پانے کے بعد حضرت عائشہ کو ساتھ عزّت کے بری کردینے پر بہت تعجب کا اظہار کرتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے کہ یہ صرف حضرت علیؑ کی ذات

تھی جن کا نفس کریم اور ذات بردبار تھی ورنہ علی کی جگہ عمر ہوتے تو ایسے باغی دشمن پر قابو پانے کے بعد اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے۔ یعنی ابن ابی الحدید کی نگاہ میں حضرت عائشہ بھی کسی ایسی حدیث کی زد سے باہر نہ تھیں۔ آیئے قاضی ابوبکر مالکی کے اس خیال کو مشہور علمائے اہل سنت کے خیالات کی کسوٹی پر پرکھ کر دیکھتے ہیں۔

علامہ ابن خلدون اپنی مشہور تاریخ کے مشہور مقدمہ میں یوں رقم طراز ہیں:

''قاضی ابوبکر ابن عربی نے اس معاملہ میں بڑی شدید غلطی کی ہے اور اپنی کتاب ''العواصم والقواصم'' میں کہہ دیا کہ حضرت امام اپنے نانا کی شریعت پر قتل کیے گئے۔ قاضی کی غلطی کی وجہ یہ ہے کہ اسے معلوم نہ تھا کہ باغیوں سے لڑنے کے لیے امام عادل کا ہونا بھی شرط ہے اور حضرت حسینؑ سے زیادہ اس زمانے میں اہل الرائے اور امامت و عدالت کے بارے میں کون شخص حق ہوسکتا تھا۔ پھر یہ کہ صرف ایک جابر اور فاسق کی رائے سے آپ کے قتل ہونے کو بھلا شریعتِ محمدی پر قتل کیسے کہہ دیا جائے گا۔'' (مقدمہ ابن خلدون، جلد ۲، ص ۷۶)

ہمارے قارئین یقیناً اس حقیقت سے ضرور واقف ہوں گے کہ خود علامہ ابن خلدون بڑی حد تک یزید کی حمایت میں ملوث ہیں، لیکن ان سے قاضی کی یہ گستاخی برداشت نہیں ہوسکی۔ لہٰذا انھوں نے قاضی کو مسائل سے لاعلم قرار دے دیا۔ دراصل بات یہ ہے کہ ابن خلدون نے صرف وہاں یزید کی حمایت کی ہے جہاں جہاں معاویہ ملوث ہیں، اس طرح بنیادی طور پر وہ بیٹے کے نہیں، باپ کے وکیل ہیں، مگر کیونکہ قاضی براہ راست عشقِ یزید میں مبتلا تھے، لہٰذا ابن خلدون کو اس کے خلاف تحریر دینی پڑی۔

ایک دوسرے مقام پر حضرت امام حسینؑ کے اقدامات کو زیر بحث لاتے ہوئے ابن خلدون نے لکھا ہے (یہاں انھوں نے ان لوگوں کو ردّ کیا ہے جو قاتلانِ امام حسینؑ کو خطائے اجتہادی کا فائدہ دیتے ہیں)

''امام کے قتل کی بابت یہ خیال کرنا کہ آپ جائز اجتہادی حکم سے قتل یا شہید ہوئے، سخت غلطی ہے، کیونکہ حضرت کا قتل ہرگز ان صحابہ کے اجتہاد سے نہیں ہوا جو آپ کے اجتہاد کے خلاف رائے رکھتے تھے۔ آپ کو تو بلا اجتہاد یزید اور اس کے ساتھیوں نے قتل کر ڈالا۔''

(مقدمہ ابن خلدون، جلد ۲، ص ۷۶)

امام حسینؓ کے اقدامات کی تائید کرتے ہوئے ابن خلدون تحریر کرتے ہیں:

''حضرت حسینؓ کی رائے ہوئی کہ فسق و فجور کے سبب یزید پر خروج واجب ہو گیا ہے، خصوصاً اس شخص کو جو خروج کرنے کی قوت بھی رکھتا ہو اور سمجھتا ہو کہ مجھ میں اس کی اہلیت اور شوکت ہے۔ بے شک آپ میں اہلیت تھی جیسا کہ آپ نے خیال فرمایا، اس سے بھی بہت زیادہ اہلیت تھی۔''

(مقدمہ ابن خلدون، جلد ۲، ص ۷۵)

سُنّی علمائے کرام میں اہل حدیث مکتب فکر کے پیشوائے اعظم علامہ وقار نواز جنگ، جن کی تصنیفات بڑی گرانقدر اور مقبول ہیں، حضرت امام کے انقلابی قدم کا جائزہ لیتے ہوئے یزید کی ولی عہدی کے ناجائز ہونے کا اعلان کرتے ہیں:

''حضرت علیؓ کی خلافت بہ صلاح و مشورہ و اتفاق اکثر ارباب حل و عقد ہوئی تھی اور ان کی امامت صحیح اور برحق تھی لیکن معاویہ اور ان کے حامیوں نے خلاف کیا، اس وجہ سے باغی قرار پائے۔ اب اگر کوئی کہے کہ یزید کی بیعت پر بھی لوگوں نے کثرت سے اتفاق کر لیا تھا تو امام حسینؓ کو اس سے مخالفت کرنا کب روا تھا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یزید کی بیعت بہ صلاح و مشورہ نہیں ہوئی تھی، بلکہ معاویہ کی دھینگا مشتی اور زور زبردستی سے۔ ورنہ کوئی شخص دل سے اس کو پسند نہ کرتا تھا۔ دوسرے اس کی بیعت خلافِ معاہدہ تھی۔ معاویہ نے جب امام حسنؓ سے عہد کیا

تھا کہ میرے بعد پھر خلافت اپنے مستحق کے پاس رجوع کرے گی، اس بنا پر معاویہ کو لازم تھا اپنے مرتے وقت امام حسینؑ کو، جو سب سے زیادہ خلافت کے مستحق تھے، خلیفہ بناتے، مگر دنیا کی طمع نے ان پر ایسا زور کیا کہ نہ معاہدہ کا خیال رہا نہ دینداری و خدا ترسی کا۔ اپنے ظالم، نابکار شراب خوار بیٹے کو خلیفہ بنایا، وہ بھی لوگوں کو ڈرا دھمکا کر، گردنوں پر تلوار رکھ کر، مال و زر ملک و دولت کی طمع دے کر۔ بھلا ایسی خلافت کب صحیح ہو سکتی ہے۔ اسی لئے جناب امام حسینؑ نے اس سے بیعت نہیں کی، کیونکہ اس سے بیعت کرنے میں دین کی خرابی متصور تھی اور جان دینا گوارا کیا۔ اگر کوئی کہے کہ یزید کی خلافت حسب وصیتِ امام وقت یعنی معاویہ ہوئی تھی، اس لئے اس کی خلافت صحیح ہو گئی گو اہل حل و عقد کا اس پر اتفاق نہ ہوا ہو، جیسے حضرت عمر کی خلافت حسب وصیتِ ابوبکر صدیق درست اور صحیح تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ خود معاویہ کی خلافت صحیح نہ تھی تو یزید کی خلافت کیونکر صحیح ہو گی۔ وہ تو بنائے فاسد علی الفاسد ہے، جیسے ایک ڈاکو دوسرے ڈاکو کو اپنی جگہ بٹھا جائے۔'' (انوار اللغۃ۔ پارہ ۱۵)

یزید کے اقدامات کو حق بجانب کہنے والوں اور قاضی ابوبکر کی سوچ رکھنے والوں کے لئے ایک لمحۂ فکر یہ ہے کہ وہ جس یزید کو خلیفہ بنا کر اس کے کئے ہوئے قتل نواسۂ رسول کو صحیح قرار دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ علامہ موصوف اس سے پہلے بادشاہ کی خلافت کو بھی چیلنج کر رہے ہیں۔ ایک مقام پر جانشینئ یزید پر تبصرہ کرتے ہوئے یوں رقم کرتے ہیں:

''اپنے مکر و فریب اور پولیٹیکل چالوں سے یزید کے سے نالائق فرزند کو خلیفہ بنایا حالانکہ امام حسینؑ کے موجود ہوتے ہوئے یزید ان کے پاخانے کا لوٹا اٹھانے کے لائق بھی نہ تھا۔'' (انوار اللغۃ، پارہ ۱۴)

علامہ موصوف کی مذکورہ بالا تحریر سے بالکل صاف ہے کہ واقعاتِ کربلا، حضرت امام حسینؓ کا موقف اور یزید کی شخصیت پر ان کے نظریات کیا ہیں۔

امام حسینؓ پر بغاوت کا الزام لگانے والوں اور قاضی ابوبکر کے مسلک کو مردود گردانتے ہوئے یہی مفسر اعظم اور عالم اہل حدیث تحریر کرتے ہیں:

''حدیث میں ہے لاطاعة المخلوق فی معصیة الخالق بڑا بے وقوف ہے وہ شخص جو ہر کام میں خواہ وہ خلاف شرع ہو، حکام کی اطاعت لازم جانتا ہو۔ انھیں بیوقوفوں نے تو امام حسینؓ کو باغی قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یزید حاکم اور خلیفہ تھا۔ اس کی اطاعت امام حسینؓ پر لازم تھی۔ یہ لوگ کہتے ہیں انما قتل الحسین بسیف جدہ سب سے بڑا احمق اور جاہل وہ شخص ہے جو بادشاہی قوانین کو رعایا کے حق میں شریعت سمجھتا ہے، گو وہ قانون شرع کے خلاف ہوں۔ معاذ اللہ ایسا شخص بالاتفاق کافر اور زمرۂ اسلام سے خارج ہے۔'' (انوار اللغۃ)

عربی اسکالرس کے نزدیک تفسیر ''روح المعانی'' کا مقام بہت بلند ہے۔ سنی مکاتب فکر کی عربی درس گاہوں میں اکثر یہی تفسیر پڑھائی جاتی ہے۔ علماء کے نزدیک یہ بہت پسندیدہ تفسیر ہے۔ مفسر جلیل قاضی ابوبکر کے نظریے کو مردود قرار دیتے ہیں اور تحریر کرتے ہیں:

''ابن العربی، جس پر خدا کی طرف سے وہ نازل ہو جس کا وہ مستحق ہے،

نے سخت بہتان وافتراء کیا ہے، جو اس نے یہ گمان کیا کہ حسینؓ اپنے نانا کی تلوار سے قتل کر دیے گئے اور بعض جہلاء اس میں ابوبکر مذکور کے ہم خیال ہیں۔ لیکن یہ بڑی مکروہ بات ہے۔ جو کچھ بھی یہ بیان کرتے ہیں سراسر کذب ہی ہے۔ علامہ ابن جوزی اپنی کتاب ''سرّ المصون'' میں لکھتے ہیں کہ ایک عام خیال ایک فرقے میں جو سنی کہلاتا ہے یہ ہے کہ

یزید حق پر تھا اور امام حسینؑ نے خروج کرنے میں غلطی کی تھی۔ لیکن اگر لوگ کتبِ سیر پر نظر کرتے تو انکو معلوم ہو جاتا کہ یزید کی بیعت کس طرح حاصل کی گئی، اور کن کن مجبوریوں کے تحت لوگوں نے اس کی بیعت کی اور اس میں کیسی کیسی ناروا اور قبیح کارروائیاں کی گئیں۔ اور اگر بالفرض ہم اس کی بیعت کے انعقاد کو ٹھیک بھی مان لیں، تو اس سے بعد میں ایسی ایسی برائیاں سرزد ہوئیں کہ نکثِ بیعت لوگوں پر واجب ہو گیا تھا۔''

(تفسیر روح المعانی)

اس عنوان پر قلم اٹھاتے ہوئے فرنگی محل لکھنو کے مشہور عالم جناب عبدالحئی صاحب یہ تحریر سپردِ قلم کرتے ہیں:

''بعض لوگ یزید کے بارے میں کمال محبت سے کام لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب یزید مسلمانوں کے اتفاق سے امیر ہو گیا تو امام حسینؑ پر بھی اس کی اطاعت واجب ہو گئی۔ حالانکہ وہ نہیں جانتے کہ وہ امام حسینؑ کے رہتے ہوئے امام ہو بھی سکتا تھا؟ اس پر مسلمانوں کا کب اتفاق ہوا تھا؟ صحابہ اور اولادِ صحابہ سے ایک جماعت تو اس کی اطاعت سے باہر تھی ہی، اور کچھ لوگوں نے جو اس کی بیعت کر لی تھی، جب اس کی شراب خواری، نماز چھوڑتے رہنے، زنا کرنے، ماں بہنوں کو حلال سمجھنے کو دیکھا تو مدینۂ منورہ میں واپس آئے اور اس کی بیعت اپنی گردن سے نکال دی۔'' (مجموعۂ فتاویٰ، جلد ۳)

دراصل قاضی ابوبکر کوئی بھولے بھالے انسان نہ تھے جو کہ محض بغیر سوچے سمجھے امام حسینؑ کو واجب القتل بتا رہے ہوں، بلکہ وہ بھی امام غزالی کی طرح ہی بہت دور اندیش ہیں۔ جس طرح امام غزالی نے ذکرِ شہادت امامِ حسینؑ کو اس لئے واعظ پر حرام قرار دیا ہے کہ جب واقعۂ شہادت کو سننے والا کڑی سے کڑی ملائے گا تو اس کو کربلا

کا یہ میدان سقیفہ کے بند کمرے تک پہنچا دے گا۔ بالکل اسی طرح ابوبکر مالکی بھی جانتے ہیں کہ اگر حسینؑ کو شریعت کی حدود میں قتل ہوتے نہ دیکھا جائے تو پھر بات صرف یزید تک آکر نہیں رکے گی، بلکہ بہت سی مقدس اور متبرک ہستیوں کے سر سے دینداری کے تاج گریں گے۔ لہٰذا انھوں نے یزید کی وکالت کر کے دوسروں کو نگاہ سے چھپانا چاہا ہے۔

قاضی ابوبکر مالکی کے اس عقیدہ پر علمائے اہلسنت نے بہت خوب خوب تحریریں سپردِ قلم کی ہیں، جن کا یہاں ذکر مضمون کے اختصار کو قائم نہ رہنے دے گا۔ ان تمام لوگوں نے قاضی کے خوب لتے لئے ہیں اور ان کے نظریہ کی مردودیت ثابت کی ہے۔ امام حسینؑ کے اقدامات کو قابلِ ستائش قرار دیا اور شریعت کی حمایت و حفاظت میں اٹھایا گیا قدم بتایا ہے۔ ان میں سے بعض لوگوں نے قاضی کو اس کے خیال کی بدولت لعنت کا مستحق تک گردانا ہے۔

میں قاضی ابوبکر کی فکر رکھنے والوں سے ایک سوال کرنا چاہوں گا کہ علمائے اہلسنت کی کتابیں ایسی تحریروں سے بھری پڑی ہیں جن میں سرکارِ دوعالم نے یزید پر لعنت کی ہے۔ خیال رہے کہ یہ لعنت یزید کے پیدا ہونے سے پہلے اور واقعہ کربلا کے رونما ہونے سے بہت پہلے کی گئی ہے۔ کیا یہ لعنت رسول نے اس لئے کی ہے کہ یزید نے شریعتِ پیغمبر کو باقی رکھا اور حمایت اسلام میں اس نے تلوار اٹھا کر ایک باغیٔ اسلام و شریعت کو قتل کیا؟

صحاحِ ستہ میں ایسی روایات ہیں اور سنّی علماء نے کثرت سے ایسی شہادتیں تحریر کی ہیں کہ قتل امام عالی مقام سے فارغ ہونے کے بعد جب یزیدی لشکر فتح و خوشی کا جشن منا رہا تھا تو پیغمبر گریباں چاک، بال پریشاں، اشک آلود مدینہ میں ام المومنین کو شہادتِ نورِ نظر کی خبر سنا رہے تھے۔ کیا یہ گریہ ایک باغی اور دین بگاڑنے والی شخصیت کے لئے تھا؟ آسمان اور زمین کا روزِ عاشور واقعۂ شہادت کے بعد اشک آلود ہونا اور

قارئین سے گزارش ہے کہ کتاب کو توجہ سے پڑھیں اور کوشش کریں کہ ''نہج البلاغہ'' ہماری زندگی کا حصہ بن جائے اور ہم اسے روزمرہ کی زندگی میں اتار لیں۔

اس کتاب کے مطالعے سے نوجوانوں کو جہاں ایک طرف ''نہج البلاغہ کی پیشین گوئیوں کا علم ہوگا وہیں دوسری طرف تاریخی واقعات بھی صحیح اسناد کے ساتھ نظر سے گزریں گے جو ان پیشین گوئیوں کے ضمن میں بیان ہوئے ہیں اور محترم ڈاکٹر عباس علی نقوی صاحب نے انتہائی دلچسپ انداز میں انھیں بیان کیا ہے۔ کیونکہ وہ بہترین خطیب بھی ہیں۔ لہٰذا جہاں جہاں انھوں نے تاریخی واقعات پر بحث کی ہے۔ وہاں وہاں ان کی خطیبانہ صلاحیتوں کا خوب مظاہرہ ہوا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے بھی بہترین رہنما ثابت ہوگی۔

میری دعا ہے کہ ڈاکٹر عباس علی نقوی صاحب کی یہ گراں قدر خدمت بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہو اور انھیں اہلبیت اطہارؑ سے اس کا انعام حاصل ہو اور ان کی نسلوں میں اس خدمت کا جذبہ قائم رہے۔

زمین کا زلزلہ میں آجانا جو ہمارے سنی علماء کے یہاں روایت کیا گیا ہے، کیا یہ سب اللہ کی طرف سے ایک شریعت کے باغی کا ماتم تھا؟

ہمارے سنّی مسلک کے گرانقدر علماء نے بہت کثرت سے امام حسینؑ کو، جو اُن کی شہادت اور قربانیوں کا اجر اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کیا گیا ہے، تحریر کیا ہے۔ تو کیا یہ اجر امام حسینؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین سے بغاوت کے سلسلے میں عطا کیا گیا ہے؟

انھوں نے ایسی تحریریں بہت کثرت سے پیش کی ہیں جن میں قاتلانِ حسین پر عذاب کے نزول کا تذکرہ ہے۔ تو کیا قاضی ابوبکر کے ہم خیال ہمیں بتا سکیں گے کہ یہ عذاب اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت کے پاسبانوں پر انعام کی شکل میں نازل فرمایا تھا؟

بہر نوع، یزید کے دورِ حکومت میں امام حسینؑ کو شہید کر کے یزید اور تمام بنی امیہ نے پیغمبرؐ کے خلاف جو دل میں آگ دہک رہی تھی، اسے ٹھنڈا کیا۔

واقعۂ حرہ

۶۱ ہجری میں امام حسینؑ کے قتل سے فارغ ہونے کے بعد یزید کا خیال تھا کہ اس کا رعب و دبدبہ سارے عالمِ اسلام پر اچھی طرح بیٹھ چکا ہے اور اب اس سے سرتابی کی مجال کسی کو نہیں۔ مگر دراصل بات یہ ہے کہ یزید امام حسینؑ ہی کے خون میں ڈوب کر مر گیا۔ اور زیادہ سچ یہ ہے کہ بنی امیہ کے اتنی جلد زوال میں کہ اس سلسلہ کی حکومت پوری صدی بھی نہ پکڑ پائی، کربلا کا انتہائی اہم رول ہے۔ واقعۂ کربلا اور شہادتِ امام حسینؑ نے بنی امیہ کے خلاف عالمِ اسلام میں انتہائی شدید نفرت پیدا کردی، چنانچہ جن بنی امیہ کے حاکموں کے سامنے بال کھڑا کرنے کی کسی کو جسارت نہ تھی، کربلا کے بعد مسلسل ان کے خلاف تحریکیں چلیں۔ اور جتنی تحریکیں چلیں، ساری تحریکیں کربلا ہی سے اثر پذیر تھیں۔ ان میں سے بعض تحریکوں کا ذکر آئندہ آنے والے شاہانِ بنی امیہ کے عہد کے ذیل میں ہوگا، لیکن خود یزید کے عہد میں واقعۂ کربلا کے

بعد جو بڑا انقلاب آیا وہ یہ کہ اہل مدینہ نے یزید سے نکثِ بیعت کرلیا۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ اہل مدینہ کا ایک وفد یزید کے پاس آیا تا کہ اس کے بارے میں شراب خواری اور فسق و فجور کی جو خبریں ہیں، ان کی تصدیق کرے۔ سچ یہی ہے کہ ان لوگوں کو امام حسینؓ کی شہادت کے بعد کسی طرح کی انکوائری کی ضرورت ہی نہیں تھی، کیونکہ قتلِ امامِ حسینؓ خود ایک انتہائی عظیم فسق و فجور تھا۔ بہرنوع، جب یہ مدینہ کا وفد شام پہنچا تو یزید نے اہل وفود کی انتہائی شاندار طریقہ پر میزبانی کی اور جب یہ وفد واپس ہونے لگا تو ہر ایک کو شاندار عطیات اور تحفوں کے علاوہ خطیر رقمیں بھی دیں۔ یزید اور اس کے کارندے مطمئن تھے کہ اس قدر آؤ بھگت اور منہ بھرائی کے بعد یہ وفد اس کے خلاف کوئی بیان نہیں دے سکتا۔ لیکن جب یہ وفد مدینہ واپس پہنچا تو اس نے یزید کے چشم دید حالات عام کئے اور نکثِ بیعت کا اعلان کیا۔ بس پھر کیا تھا۔ مدینہ کے تمام قابلِ ذکر لوگوں نے اور اس کے بعد عام لوگوں نے نکث بیعت کرلیا اور مدینہ کے اموی گورنر عثمان بن محمد بن ابوسفیان کو مدینہ سے باہر نکال دیا۔ البتہ عبداللہ بن عمر نے نکثِ بیعت کئے جانے کی خوب مخالفت کی۔ چنانچہ صحیح بخاری میں نافع سے روایت ہے کہ جب اہل مدینہ نے متفق ہوکر یزید کی بیعت سے علیحدگی اختیار کی تو عبداللہ بن عمر نے اپنی اولاد اور متوسلین کو جمع کرکے کہا کہ میں نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ ہر عذر کرنے والے کیلئے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا۔ اور جب کہ ہم یزید کی بیعت کرچکے ہیں تو پھر میری رائے میں اس سے زیادہ کیا غداری ہو سکتی ہے کہ اس سے بیعت کرنے کے بعد اس سے لڑائی ٹھانیں۔ پس تم میں سے جو بھی میری رائے کے خلاف یزید کی بیعت سے علیحدہ ہوگا میں بھی اس سے الگ ہو جاؤں گا۔ عبداللہ بن عمر کو بہرحال یزید سے اس وفاداری کا انعام مسلسل ملتا رہا۔ مگر ابن عمر کے علاوہ سارا مدینہ یزید کی بیعت سے منحرف ہو چکا تھا اور یزیدی عامل کو مدینہ سے نکال باہر کیا تھا۔ جب یزید کو اہل مدینہ کی بیعت شکنی کا حال معلوم ہوا تو اس نے مدینہ کی

طرف ایک لشکر روانہ کیا۔ ابوالفداء یوں رقم کرتے ہیں:

''جب یزید کو اہل مدینہ کی بیعت شکنی کا حال معلوم ہوا تو اس نے مسلم بن عقبہ کو لشکر لے کر قتال کی غرض سے مدینہ روانہ کیا۔ اس لشکر کو اہل مدینہ کا خون مباح تھا، ہدایت تھی کہ غلبہ حاصل کرنے کے بعد تین دن تک قتل عام کیا جائے، مال و اسباب لوٹ لیا جائے اور اس کے بعد بقیہ سے اس شرط پر بیعت لی جائے کہ یزید کی غلامی اختیار کریں گے۔''

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ''جذب القلوب'' میں لکھتے ہیں کہ معاویہ نے مرتے وقت یزید کو وصیت کی تھی کہ اگر اہل مدینہ کے مقابل تجھے کبھی مہم درپیش ہو تو اس کا انتظام مسلم بن عقبہ کو سپرد کرنا کیونکہ اس سے بہتر کوئی دوسرا شخص نہیں ہے۔

اس تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ معاویہ کو یہ یقین تھا کہ مدینہ سے انحرافِ بیعتِ یزید کا کوئی مشن ضرور شروع ہو سکتا ہے اور اس کا انتظام انھوں نے اپنی موت کے وقت یزید کو سپہ سالار کا نام بتا کر کر دیا۔ میرا خیال ہے کہ اس لشکر نے جو کچھ کارروائیاں مدینے میں کیں اس میں اپنی موت کے بعد بھی اپنے مشورہ سے معاویہ شامل رہے۔ اس لشکر نے مدینے میں کیا کارروائیاں کیں، مورخ ابوالفداء آگے تحریر کرتے ہیں:

''حسب احکامِ یزید مسلم بن عقبہ نے ۱۰۰۰۰ سواروں کے ساتھ براہ 'حرہ' مدینہ میں پہنچ کر زبردست قتال شروع کیا۔ فضل بن عباس مارے گئے اور ایک بڑی جماعت اشراف و انصارِ مدینہ کی قتل ہوئی۔ بالآخر مدینے والوں نے شکست پائی اور مسلم بن عقبہ نے تین دن تک قتلِ عام کیا۔ لوگوں کے مال و اسباب کو لوٹا، اور عورتوں کے ساتھ حرام کاری کو حلال کر دیا۔''

اس واقعہ کو علامہ محدث دہلوی نے اس طرح رقم کیا ہے:

''جب یزید نے مسلم ابن عقبہ کو لشکر لے کر اہل مدینہ کے قتل و غارت کے لئے بھیجا تو اس نے مقام ''حرہ'' پر مدینہ والوں کو نہایت ذلت کے

ساتھ قتل کیا اور تین دن تک حرمِ نبوی کی بے حرمتی کی۔ اس واقعے کو
''واقعۂ حرّہ'' اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کا وقوع بمقام حرّہ ہوا تھا، جو
مسجدِ نبوی سے ایک میل کے فاصلے پر ہے۔ اس ہنگامے میں ایک ہزار
سات سو اشخاص طبقۂ مہاجرین، انصار اور تابعین میں اور دس ہزار عوام
الناس قتل کئے گئے۔ عورات واطفال اس شمار میں داخل نہیں ہیں۔ نیز
سات سو حافظانِ قرآن اور ستانوے آدمی قومِ قریش کے قتل ہوئے اور
اعلانیہ طور پر فسق وزنا مباح قرار دیا گیا۔ چنانچہ اس واقعہ کے بعد ایک
ہزار عورتوں نے حرام کے بچے جنے۔ علاوہ ازیں، مسجدِ نبوی میں
گھوڑے پھرائے گئے اور روضۂ رسول میں گھوڑوں نے بول وبراز
کیا۔ اور جو اہل مدینہ قتل سے بچ گئے وہ یزید کی بیعت غلامانہ پر اس شرط
کے ساتھ مجبور کئے گئے کہ یزید چاہے ان کو بیچے اور چاہے آزاد کرے،
چاہے ان سے خدا کی اطاعت کرائے، اور چاہے ان کو خدا کی نافرمانی کا
حکم دے۔''
(جذب القلوب۔ محدث دہلوی)

الفاظ کے تغیّر کے ساتھ بھوپال کے نواب صاحب صدیق حسن خان نے،
جو اہل سنت کے جید عالم بھی ہیں ''حجج الکرامہ'' میں یہی حالات تحریر کئے ہیں۔

علامہ طبری نے یہ سب باتیں حالات یزید میں اپنی مشہور تاریخ کی چوتھی
جلد میں تفصیل سے تحریر کی ہیں۔

علامہ ابن حجر مکی اپنی مشہور کتاب ''صواعق محرقہ'' جو شیعوں کے عقائد کی رد
میں لکھی گئی، میں لکھتے ہیں:

''اس لشکر کا امیر راضی نہیں ہوا سوائے اس شرط کے کہ یزید کی بیعت اسی
شرط سے مشروط ہو کہ بیعت کرنے والے کو یزید اگر چاہے تو بیچ ڈالے یا
آزاد کر دے اور جب کسی شخص نے کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ پر بیعت

کرنے کو کہا اسی کی گردن اتار لی گئی۔''

الغرض علامہ مسعودی نے اپنی تاریخ ''مروج الذہب'' میں ابوالفداء نے اپنی تاریخ میں اور دیگر تمام مشہور اور مستند مورخین نے یہ حالات تحریر کئے ہیں۔

مشہور مورخ مسعودی عجب بات تحریر کرتے ہیں:

''بالآخر لوگوں نے یزید کی غلامی کا اقرار کر کے بیعت کر لی۔ جس نے انکار کیا وہ قتل ہوا، سوا امام زین العابدینؑ کے۔ چنانچہ جب وہ مسلم بن عقبہ کے پاس لائے گئے تو باوجودیکہ مسلم ان کو اور ان کے بزرگوں کو برا کہہ رہا تھا، مگر سامنا ہوتے ہی کانپنے لگا اور سروقد تعظیم دے کر ان کو اپنے برابر بٹھالیا۔ اس کے بعد جب امام واپس چلے گئے تو لوگوں نے کہا جس وقت تک یہ نہیں آئے تھے تو ان کو برا کہہ رہا تھا، پھر کیا سبب ہوا کہ ان کے آنے پر تو نے ان کی توقیر کی۔ مسلم نے کہا کہ میں نے قصداً ان کی تعظیم نہیں کی، بلکہ ان کو دیکھتے ہی میرے قلب پر ایسا رعب چھا گیا کہ میں مجبور ہو گیا۔'' (تاریخ مروج الذہب)

حضرت خواجہ حسن نظامی نے اپنی مشہور تصنیف ''یزید نامہ'' میں بہت تفصیل کے ساتھ مختلف تاریخی حوالوں سے مسلم کے مظالم اور مدینہ کی تاراجی کا ذکر کیا ہے۔ قارئیں تفصیلات کے لئے یہ تاریخیں پڑھ سکتے ہیں۔ خصوصاً طبری نے ان حالات کو خوب لکھا ہے۔

الغرض یزید کے لشکر نے حکم یزید سے مدینہ میں وہ خون خرابہ کیا جس کو اس سے قبل اہل مدینہ نے کبھی نہ دیکھا تھا، نہ سنا تھا۔ بس حضرت زین العابدینؑ اور ان کے کچھ پناہ دیئے ہوئے لوگ ہی، جو حضرت کے زرعی فارم ''ینبوع'' میں رہ رہے تھے، انھیں کی جان اور عزت محفوظ رہ سکی۔

مکہ کی تاراجی

یزید کا حکم تھا کہ مدینہ کی بغاوت کو کچل کر مسلم مکہ پہنچے اور وہاں پہنچ کر ابن زبیر کو ختم کرے۔ چنانچہ ۶۴ ھجری میں مدینہ سے فارغ ہو کر مسلم مکہ کی طرف چل دیا مگر راستہ میں موذی مرض میں مبتلا ہو کر مر گیا۔ مرنے سے پہلے اس نے حصین بن نمیر کو اپنا قائم مقام مقرر کر دیا۔ علامہ طبری فرماتے ہیں کہ مسلم نے حصین بن نمیر سے کہا:

> ''یزید نے چلتے وقت حکم دیا تھا کہ تیرے بعد حصین بن نمیر سپہ سالار لشکر ہوگا۔ لے میں تو اب مرتا ہوں اب تُو اس سپاہ کی کمان ہاتھ میں لے۔ مگر دیکھ اس کا خیال نہ کیجیو کہ یہ خانہ خدا ہے اور یہاں خونریزی بُری ہے، ہرگز نہیں۔ جس قدر شدت ہو سکے کیجیو اور فتح کے بعد جہاں تک ممکن ہو سکے کسی سرکش کو زندہ نہ رہنے دیجیو۔ امام کے حکم کے آگے خانہ خدا کوئی چیز نہیں۔ امام کا حکم خانہ خدا اور ساری زمین سے افضل ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں جو کچھ عبادت کی ہے، آج میں خیال کرتا ہوں جبکہ میری موت میرے سامنے کھڑی ہے، کہ ساری عمر کے اعمال حسنہ میں میرا یہ عمل سب سے عظیم ہوگا جو میں نے مدینہ میں کیا اور حکم امام کی اطاعت میں تین دن قتل عام کر کے ہر باغی کا خاتمہ کر دیا۔ مجھے یقین ہے کہ اسی ایک عملِ خیر کے سبب میری نجات ہوگی۔ یہ کہہ کر مسلم بن عقبہ مر گیا۔''
>
> (تاریخ طبری، جلد ۴)

خدا لعنت کرے مسلم بن عقبہ پر، اس کے لشکر پر، اس کی وصیت پر، اس کے امام پر، اور اس کے اس جانشین پر جس نے اس وصیت کو سن کر اثبات کیا اور بعد میں اس پر عمل بھی کیا۔ مسلم بن عقبہ کی وصیت بنی امیہ کے بگڑے ہوئے خود ساختہ اسلام اور ان کے خیالات کا شفاف آئینہ ہے۔

مسلم بن عقبہ کے مرنے کے بعد حصین بن نمیر مکہ کی طرف پورے فوجی اختیارات کے ساتھ روانہ ہو گیا اور آخر کار مکہ کا محاصرہ کر لیا۔ ابن زبیر وہاں پہلے ہی سے جنگی تیاریاں کئے بیٹھے ہی تھے۔ چنانچہ زبردست معرکہ ہوا۔ حضرت حسن نظامی تحریر فرماتے ہیں:

''بنی امیہ کی یہ پہلی بدعت تھی کہ وہ اس مقام مقدس میں کافر سپاہیوں کو بھی ساتھ لائے تھے۔ حالانکہ آنحضرتؐ کے زمانے میں جب سے یہود کو جلاوطن کیا گیا تھا، یہ حکم قرآن شریف نے دے دیا تھا کہ مشرک لوگ ناپاک ہیں، اس سال کے بعد پھر ان کو کبھی اس مقام مقدس میں نہ گھسنے دیا جائے۔ چنانچہ اس حکمِ الٰہی کے بموجب آج تک اس پر عمل ہوتا رہا تھا، مگر بنی امیہ نے کون کون سے احکام قرآنی مانے تھے جو وہ اس ارشاد خداوندی کا لحاظ کرتے۔ اپنے ساتھ حبشہ کے کافر سپاہیوں کو بھی لائے تھے، جن کے ہاتھوں مدینے کے مومنین کی گردنیں کٹوائی گئیں اور اب مکہ کی قتل کاری کے واسطے بھی یہاں ان کو لایا گیا۔ اور یہ خیال کسی نے نہ کیا کہ خطۂ حجاز کفر و شرک کی ہستیوں سے پاک کر دیا گیا ہے اور کفار و مشرکین کے اجسام نجس اس طبقہ سے ممنوع ہو گئے ہیں۔''

(یزید نامہ، خواجہ حسن نظامی، ص ۳۸)

خواجہ حسن نظامی نے جو کچھ تحریر کیا ہے وہ مختلف تاریخوں کے مطالعہ کے بعد تحریر کیا ہے اس میں کوئی لفظ یقیناً ان کا اپنا نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ طبری تحریر کرتے ہیں:

''جو منجنیق چلا رہا تھا حبشہ کے کافروں میں کا ایک سپاہی تھا۔''

(تاریخ طبری، جلد ۴، حالات ۶۴ ھجری)

علامہ طبری ہی نے (طبری، جلد ۴ میں) تحریر کیا ہے کہ محاصرہ کے درمیان خانۂ کعبہ کی چھت پر بیٹھ کر شراب پی گئی۔

اللہ اکبر! بنی امیہ نے اسلام سے اپنے دل میں چھپی ہوئی نفرت کو کس کس انداز میں ظاہر کیا۔ انھوں نے شعائر اللہ کو کافروں کے ہاتھوں تباہ کرا کے اپنے دل ٹھنڈے کیے۔

خواجہ حسن نظامی تحریر کرتے ہیں:

''غرض صفر کا سارا مہینہ یہ سنگ باری جاری رہی اور جب ربیع الاول کا وہ مبارک مہینہ شروع ہوا جس میں سرورِ کائنات کی میلاد و وفات کی تاریخیں ہیں، تو بنی امیہ کی حرارت اسلامی میں ایک نیا شعلہ پیدا ہوا اور انھوں نے کعبۃ اللہ کو جلا دینے کی تیاری شروع کردی۔ یہ ایسا ملعونانہ کام تھا جس کو دنیا کا کوئی غیرت مند مسلمان سننے کی بھی تاب نہیں رکھتا تھا۔ مگر اس یزید کے لشکر نے (جس کو آج کل بعض نیک گمان اصحابِ یزید، رحمۃ اللہ علیہ، یا حضرت یزید رضی اللہ عنہ یا حضرت یزید علیہ السلام کہا کرتے ہیں) خانۂ خدا کے سوختہ کردینے کا ارادہ کیا اور ۱۰ ربیع الاول ۶۵ ھجری میں بدھ کے دن یہ یزیدی نیکی عمل میں آنی شروع ہوئی اور منجنیق کے ذریعے بیت اللہ میں آگ برسائی جانے لگی۔ جس وقت منجنیق نے خدا کے گھر پر بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلے برسانے شروع کیے، اہل ایمان کے کلیجے تھرّانے لگے، اور حق وصداقت کے دل لرز گئے۔ مگر سفاکانِ یزیدی فخریہ اشعار گاتے تھے، گویا اس عملِ خیر کا شادیانہ سناتے تھے اور بیت یزدانی کی بربادی سے ذرا نہ شرماتے تھے۔''

(یزید نامہ، ص ۳۹)

امام حسینؓ نے مکہ کو حج سے فقط ۲ ر دن پہلے چھوڑ دیا تھا۔ جس نے تا عمر پیادہ حج کیے ہوں اور ۴ مہینے سے جس کا قیام مکہ میں ہو، اس کا یہ عمل تعجب میں ڈالنے اور ذہنوں کو جھنجھوڑنے والا تھا۔ جب ابن زبیر نے آکر آپ سے مکہ ہی میں قیام رکھنے

اور سفر نہ اختیار کرنے کی گزارش کی تھی تو اُن کے جواب میں امام نے عجب بات فرمائی تھی ''میں دو بالشت مکہ کے باہر قتل ہونا پسند کروں گا، دو بالشت مکہ کے اندر قتل ہونا پسند نہیں کرتا۔ نہیں چاہتا کہ میرے سبب حرمتِ مکہ زائل ہو۔'' دراصل امام حسینؑ کا ابن زبیر کو انتباہ یہی تھا کہ بنی امیہ کافر ہیں اور وہ اپنے دشمن کو پاتے کے لئے خانۂ کعبہ کا کوئی احترام ملحوظ نہ رکھیں گے۔ امام حسینؑ نے جو کہا تھا، وہ امام حسینؑ کی شہادت کے فوراً بعد ظاہر ہوگیا۔ اگر ابن زبیر مکہ میں اپنی سیاسی سرگرمیوں کو چھوڑ کر کوئی دوسرا شہر اختیار کر لیتے تو کعبۃ اللہ کی بے حرمتی کا بنی امیہ کو موقع ہاتھ نہ آتا۔ بہر نوع، خواجہ حسن نظامی آگے تحریر کرتے ہیں:

> ''لعینوں کی آتشِ ملعونہ نے حرمِ مطہر کو دھواں دھار کر دیا۔ کعبے کے غلاف میں آگ لگ گئی اور وہ سارا آن کی آن میں جل کر خاک ہوگیا۔''

علامہ طبری اور دیگر مؤرخین نے ۶۴ ہجری کے حالات میں خانۂ کعبہ کی بربادی اور آتش زنی کی تفصیل تحریر کی ہے۔ یہ محاصرہ دو ماہ تک چلا۔ اسی درمیان یزید کی موت ہوگئی اور حصین نے محاصرہ اٹھالیا اور مدینہ کی طرف فرار ہوگیا۔

یزید کی مدتِ حکومت چار سال ہے۔ اس مدتِ حکومت میں اس نے دین و شریعت کی چولیں ہلا کر رکھ دیں۔ اگر امام حسینؑ نے اس کے خلاف آواز بلند کر کے معاشرہ میں بقائے دین کی ایک نئی عبارت نہ لکھ دی ہوتی، تو ہم آج سوچ نہیں سکتے ہیں کہ بنام اسلام ایک دوسرا اسلام جو بنایا جا رہا تھا، آج اس کی شکل کیا ہوتی۔ میرا یہ دعویٰ کہ بنام اسلام ایک دوسرا اسلام بنایا جا رہا تھا، کسی دلیل کا محتاج نہیں ہے۔ یزید کیونکہ ''خلیفۃ المسلمین'' کے اس منصب پر فائز کر دیا گیا تھا جس کے حامل کا ہر عمل شریعت اور دین کا نمونہ ہوتا ہے۔ یزید علماء اور حافظانِ قرآن کے سامنے کہتا تھا کہ قرآن خود کہتا ہے لا تقربوا الصلوٰۃ نماز کے قریب نہ جاؤ۔ حالانکہ قرآن کا پورا حکم یہ تھا کہ لا تقربوا الصلوٰۃ و انتم سکریٰ جب تک حالتِ نشہ میں ہو تو نماز کے

قریب مت جاؤ۔ ظاہر ہے کہ جس وقت حافظانِ قرآن کے سامنے وہ اس ادھوری آیت کو پڑھکر اپنی شریعت پر استدلال کرتا تھا تو ایسا نہیں ہے کہ حافظانِ قرآن میں سے ہرایک پوری اور صحیح آیت اور اس کے استدلال کو بھول گیا ہو۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ یزید کے دور میں کسی عالم اور کسی حافظِ قرآن کو یہ ہمت نہ تھی کہ وہ یزید کے بھیانک خیالات سے اسے روک سکے، یا کم ازکم اس کے خیالات کی طرف امت ہی کو متوجہ کرسکے۔ سب کے سب یا تو اس کے حامی تھے یا سکوت اختیار کر کے اپنی جان بچارہے تھے اور دین کو سولی پر لٹکتے دیکھنے کی تیاری کرر ہے تھے۔ سچ بتایئے کہ امام حسینؑ قربانی نہ دیتے اور یہ خیالات زندہ رہ جاتے تو اسلام آج ہمارے سامنے پیغمبر اسلام کے اسلام کی بالکل الٹ شکل میں ہوتا یا نہیں ہوتا؟ علامہ ابوالنصر قدسی اپنی کتاب ''یزید بن معاویہ'' میں تحریر کرتے ہیں

> ''معاویہ کے زمانے میں ایک مرتبہ یزید حج کرنے گیا تو سفر کی منزلیں آسان کرنے کے لئے رقاصاؤں اور شراب کو ساتھ رکھ لیا۔''

سچ بتایئے حج جیسے مقدس سفر پر طوائفوں، رقاصاؤں اور شراب کے ساتھ جانا کیا یہ حج اور شریعت کا کھلے عام مذاق اڑانا نہ تھا؟ کیا واقعی وہ حج ہی کی نیت سے جارہا تھا؟

عظیم محقق علامہ شاہ عبدالحق تحریر فرماتے ہیں:

> ''یزید شقی نے حضرت عائشہ صدیقہ سے نکاح کی خواہش ظاہر کی اور لوگوں نے قرآن سے آیہ ولا تنکحوا ازواجہٗ۔۔۔۔ پڑھ کر یزید کو منع کیا۔'' (مدارج النبوۃ، ص ۱۲۶)

کیا سچ مچ یزید کو یہ علم نہ تھا کہ امت کا کوئی بھی شخص پیغمبرؐ کی کسی بیوی سے نکاح نہیں کرسکتا کیونکہ وہ امت کے لئے ماں کا مقام رکھتی ہیں؟ ظاہر ہے یزید لاعلم نہ تھا، مگر اس کا مقصد صرف توہینِ پیغمبرؐ اور توہینِ شریعت کرنا تھا اور وہ مقصد اس نے محض اپنا ارادہ ظاہر کر کے ہی پورا کرلیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"پیش لفظ"

"نہج البلاغہ" حضرت علیؓ کے خطبات، مکتوبات اور حکمت سے پُر اقوال کا خزانہ ہے جس کو شیعہ مسلک کے مشہور عالمِ دین سید رضیؒ نے چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں مرتب فرمایا تھا، بلکہ صحیح یہ ہے کہ سید رضی علیہ الرحمہ کی شہرت کا سبب اسی کارنامے سے ہے، گو کہ اس میں سید رضی نے جو کلام جمع کیا ہے وہ حضرت علیؓ کا کُل کلام نہیں ہے، اس کا ثبوت یہ ہے کہ مشہور مؤرخ مسعودی نے، جن کی وفات سید رضی سے ۲۹ر سال قبل ہو چکی تھی، اپنی تصنیفات میں حضرت علیؓ کے خطبات کی تعداد ۴۸۰ر بتائی ہے۔ جبکہ امکانات یہ ہیں کہ مسعودی نے جو تعداد بتائی ہے حضرت کے خطبات اس سے بھی زیادہ ہو سکتے ہیں کیونکہ اُس زمانے میں بہت ساری وجوہات کی بناء پر حضرت علیؓ کا کلام جمع کرنا آسان کام نہ تھا۔۔۔۔۔ جبکہ علامہ رضی نے مسعودی کی بتائی تعداد ۴۸۰ کی تعداد سے کافی کم صرف ۲۳۰ خطبات، ۷۹، مکتوبات اور ۴۸۰ حکیمانہ اقوال ہی جمع کئے ہیں۔ اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ کام کس قدر دشوار گزار تھا۔ حالانکہ سید رضی کے اختیار میں دو بڑے کتب خانے تھے جن میں سے ایک "بیت الحکمت" ایسا بے مثال کتب خانہ تھا جس کے لئے یاقوت حموی کا کہنا ہے کہ اس سے بہتر دنیا میں

حالاتِ یزید میں علامہ جلال الدین سیوطی اپنی مشہور عالم کتاب ''تاریخ الخلفاء'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''یزید بڑا فاسق وفاجر تھا، بے دین تھا۔ اس کے زمانے میں لوگ شراب پیتے اور ماں بیٹی، بہنوں سے زنا کرتے تھے اور نماز چھوڑ دی تھی۔''

سچ یہ ہے کہ معاشرہ میں یہ بگاڑ اسی لئے تو تھا کیونکہ خود یزید بھی ماں اور بیٹی اور بیوی میں فرق نہیں کرتا تھا۔ اس کے شہوات کی طرف انتہائی راغب ہونے کی بات تو ابن کثیر جیسے یزید حامی بھی اپنی تحریروں میں قبول کرتے ہیں۔ علامہ سیوطی کا حال یہ ہے کہ وہ اسے خلفاء میں بھی شمار کرتے ہیں اور اس پر لعنت بھی کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

''امام حسینؑ کا سر طشت میں ابن زیاد کے سامنے رکھا گیا۔ خدا لعنت کرے امام حسینؑ کے قاتل پر اور ابن زیاد پر اور یزید پر۔''

(تاریخ الخلفاء، حالاتِ یزید)

اگر کربلا میں حسینؑ یہ روک تھام نہ کرتے تو کیا یہی معاشرہ ''اسلامی معاشرہ'' نہ بن جاتا؟ یہاں امام حسینؑ کے قیام کے اسباب یا افادیت پر گفتگو نہیں ہے لیکن یہ ایک لازمی نتیجہ ہے جو حالات کے مطالعہ سے سامنے آجاتا ہے۔

اس درجہ کی بے دینی کے بعد بھی کچھ لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ یزید کو بہر حال رضی اللہ یا رحمۃ اللہ کہنے کا حقدار سمجھتے ہیں، جیسے کہ ڈاکٹر ذاکر نائک جو اچانک کسی منصوبے کے تحت نمودار ہوئے ہیں اور میڈیا کے ذریعہ Project کئے گئے ہیں۔ اپنے Peace TV کے ذریعہ مسلسل لوگوں پر اپنے نظریات کو تھوپنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ دراصل ایک انتہائی مختصر سا حقیر تعداد والا مخصوص طبقہ جو اکثر یزید کی حمایت میں بولنے کی کوشش کرتا ہے وہ ایک حدیث کے سہارے پر بولتا ہے۔ لہٰذا اس مقام پر یہ بھی ضروری ہے کہ ذرا اس جعلی حدیث پر بھی گفتگو ہو جائے۔ امام حسینؑ نے یزید کو ذلت کے ایسے گہرے غار میں دھکیل دیا ہے جہاں سے اسے نکالنے کی کوئی کوشش کار

گر نہیں ہوتی۔ سچ بات یہ ہے کہ یہ بیچارے یزید کو تو غار سے کیا نکال پاتے، اپنی اس کوشش میں خود بھی یزید کے ساتھ جا کر لیٹ گئے ہیں۔ انھی کوششوں میں کی ایک کوشش یہ جعلی حدیث ہے جس کے سہارے پر یزید کو غارِ ذلت سے اٹھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پیغمبرؐ نے حدیث بیان فرمائی تھی "اوّل جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم" اب تک جتنے بھی وکیلانِ یزید گزرے ہیں، لے دے کر یزید کے حق میں بس یہی ایک حدیث ان کا کل سرمایہ ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ "میری امت کی پہلی فوج جو قیصر کے شہر پر جہاد کرے گی اس کے لئے مغفرت ہے۔" یہ ہے وہ حدیث جس کے ذریعہ یزید کو ہر گناہ سے بری کر کے اسے مغفرت کا سرٹیفکٹ تھما دیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شہر قیصر جس کا ذکر اس حدیث میں ہے، وہ قسطنطنیہ ہے اور پہلی بار چونکہ معاویہ نے اس شہر پر یزید کی امارت میں لشکر بھیجا تھا، لہٰذا یزید کی مغفرت کے لئے یہ ایک نص صریح ہے۔ اس حدیث کے چکر میں اچھے اچھے لوگ اس لئے بھی آجاتے ہیں کہ یہ حدیث امام محمد بن اسماعیل بخاری نے اپنی کتاب "صحیح بخاری" میں جو برادرانِ اہلسنت کے نزدیک قرآن کے بعد سب سے سچی کتاب ہے، "باب الجہاد" کے ذیل میں تحریر فرمائی ہے۔ یہاں ہمارا مقصد اور موضوع اس وقت بخاری کے معیار یا ان کے راویوں کی جانچ پڑتال نہیں ہے، حالانکہ امام بخاری نے تو حدیثِ قرطاس کو اپنی صحیح میں مختلف عناوین کے تحت ۷ جگہوں پر تحریر کیا ہے، لیکن علامہ شبلی نعمانی حضرت عمر کی عظمت کو بچانے کے لئے اس حدیث کو غلط ثابت کرنے کے لئے "الفاروق" میں پورے زور لگا چکے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ حضرت عمر پر آنچ آئے، اس سے بہتر ہے کہ بخاری کی روایت کو کمزور سمجھ لیا جائے۔ تو ظاہر ہے اگر ایک جگہ راوی کمزور ہے، روایت کمزور ہے، درایت کمزور ہے تو کیا وجہ ہے کہ یہ چیز دوسری روایت میں نہیں ہوسکتی؟ یزید کے معاملے میں حامیانِ یزید محض بخاری کی پوزیشن کا فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ خصوصاً ایسے حالات میں کہ جب یزید کے خلاف

کثرت سے اس کے لئے لعن کی نص موجود ہو۔ میں نے ڈاکٹر ذاکر نائک کے جواب میں ایک مضمون ''جہادِ قسطنطیہ اور امارتِ یزید کی حقیقت'' کے عنوان سے تحریر کیا تھا جو ''الجواد'' بنارس ۱۴۳۱ھ کے محرم نمبر میں شائع ہوا تھا اور اسی طرح کا ایک مضمون ''صحافت'' روزنامہ، دہلی میں بھی تفصیلی شائع ہو چکا ہے۔ ان مضامین کے کچھ خاص اقتباسات یہاں تحریر کئے دیتے ہیں، تاکہ معلوم ہو کہ یزید کے حق میں جس حدیث کی بہت زور شور سے تشہیر کی جاتی ہے اس کی تاریخی حقیقت کیا ہے۔

یہاں سب سے پہلے جو قابلِ غور بات ہے وہ یہ کہ حدیث میں کسی بھی مخصوص شہر کا نام نہیں لیا گیا ہے۔ قسطنطنیہ نام حدیث میں قطعی طور پر موجود نہیں ہے۔ صرف مدینۂ قیصر کہا گیا ہے، یعنی ''قیصر کا شہر''۔ لہٰذا حدیث کی تشریح کرتے وقت فطری طور پر ہم کو یہ خیال ہونا چاہیے کہ اس حدیث میں پیغمبرؐ کی مراد اس شہر سے ہے جس میں قیصر کی سکونت رہی ہوگی (پیغمبرؐ کی حیات پاک میں)۔ جب ہم اس نقطۂ نظر سے غور کرتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ قیصر کا دار السلطنت روم تھا۔ یہ بہت وسیع ملک تھا۔ چنانچہ Administrative point of view سے قیصر نے کئی بڑے اور دور دراز کے شہروں کو بھی ذیلی دار السلطنت بنا رکھا تھا۔ ان شہروں میں قیصر کے خاص نمائندے معین ہوتے تھے۔ اسی طرح کے ذیلی شہروں میں سے ایک قسطنطنیہ بھی تھا جہاں قیصر کا ایک نمائندہ کاروبارِ سلطنت دیکھ رہا تھا۔

صحیح بات یہ ہے کہ ٹیکنیکل طور پر قیصر کے حدودِ سلطنت کا ہر شہر ''مدینۂ قیصر'' کہلائے گا۔ کیونکہ حدیث میں کوئی خاص شہر مختص نہیں کیا گیا۔ ایسے میں جب تک یہ ثابت نہ کر دیا جائے کہ زمانۂ رسالت مآبؐ میں مدینۂ قیصر سے مراد صرف اور صرف قسطنطنیہ ہے، تب تک کسی کو بھی یہ کہنے کا حق کب ہے کہ پیغمبرؐ کی اس حدیث میں مدینۂ قیصر سے مراد قسطنطنیہ ہی ہے۔ یہ بہت اہم سوال ہے کہ قیصر کے تمام شہروں کو چھوڑ کر حدیث میں صرف ''قسطنطنیہ'' کو کیوں اور کیسے مراد لیا گیا؟

دراصل بات یہ ہے کہ یہ کمال محدث مہلب کے قلم کی کوکھ سے پیدا ہوا، مگر اس سلسلے میں نہ تو مہلب نے کوئی دلیل دینے کی ضرورت محسوس کی ہے اور نہ کوئی دوسرا ثبوت دینا ضروری سمجھا۔ اس طرح اس کی حیثیت ایک حدیث کی نہ ہو کر بغیر دلیل اور بغیر Documentary proof کے محض ایک شخص کی ذاتی رائے کی ہے۔ اس کے علاوہ اس کا کوئی وزن نہیں۔ اسے احادیث میں شمار کرنے پر بخاری کے معیار پر بحث کی جا سکتی ہے۔

علامہ ابن حجر کی ''فتح الباری'' جو کہ بخاری کی شرح ہے، اس میں محدث مہلب کی یہ رائے بیان کی گئی ہے اور مدینۂ قیصر کو مہلب نے قسطنطنیہ مراد لیا ہے۔۔ مگر اسی فتح الباری میں دو اور گرانقدر محدثین ابن المنیر اور ابن التین نے ''مدینۂ قیصر'' سے مراد شہر ''حمص'' لیا ہے۔ مولانا عبدالشکور لکھنوی جو شیعیت کے خلاف برادرانِ اہلسنت کے سب سے زیادہ (ماضی قریب میں) مشہور مناظر تھے، اور انھوں نے اپنی پوری حیات ردِ شیعیت کے لئے وقف کر رکھی تھی اور اپنے نظریات کا ایک ترجمان ''النجم'' نکالتے تھے، ایک مقام پر تحریر کرتے ہیں:

''یرموک کی لڑائی میں شکست کھا کر بادشاہِ روم سلطنت حمص سے بھاگا۔''

(سیرتِ خلفائے راشدین، ص ۳۹)

علامہ اکبر شاہ نجیب آبادی اپنی مشہور تاریخ ''تاریخ اسلام'' (جس میں شیعہ نقطۂ نظر کے ساتھ بڑی بربریت سے کام لیا گیا ہے) میں تحریر فرماتے ہیں:

''انطاکیہ قیصر ہرقل کا ایشیائی دارالسلطنت تھا۔''

علامہ شبلی نعمانی الفاروق میں لکھتے ہیں:

''بعد از معاملۂ حلب ابو عبیدہ انطاکیہ آمد و از نہتے کہ ایں شہر دارالسلطنت قیصر بود اکثر از روم و نصاریٰ در آنجا پناہ گزیں بودند۔''

(الفاروق فارسی)

ان بیانات کی روشنی میں آپ خود انصاف کر سکتے ہیں کہ بخاری کی حدیث کا "مدینۂ قیصر" بغیر کسی وجہ کے حتمی طور پر قسطنطنیہ ثابت نہیں کیا جا سکتا اور جب تک کہ حتمی طور پر حدیث کے شہر کو شہر قسطنطنیہ نہ ثابت کر دیا جائے، یزید کو مغفرت کا کوئی سرٹیفکٹ نہیں دے سکتا۔

دوسری بات جو اس حدیث میں لائقِ غور و فکر ہے وہ یہ کہ وہ شہر جو بھی ہو، قسطنطنیہ یا کوئی اور۔۔۔۔۔سب سے پہلے جو لشکر وہاں گیا وہی مغفرت کا حقدار ہے۔ لہٰذا یہ بھی ضروری ہو گیا ہے کہ ثابت کیا جائے کہ جس لشکر کی سرداری یزید نے کی وہ مسلمانوں کا شہر قیصر کی طرف سب سے پہلا لشکر تھا۔

جسٹس نہال احمد جو انتہائی غیر جانبدار مورخ اور محب اہلبیتؑ اہلسنت مصنف ہیں اور جن کو محمود احمد عباسی کی بدنامِ زمانہ کتاب "خلافتِ معاویہ و یزید" سے شدید رنج پہنچا تھا اور انھوں نے اس کا انتہائی دنداں شکن جواب "ناصبانِ ملک عضوض" کے نام سے تحریر کیا تھا، اپنی اسی تصنیف میں اس سلسلۂ بحث کو یوں پیش کرتے ہیں:

> "جہاں تک قسطنطنیہ کا سوال ہے، یہ ثابت نہیں کیا گیا کہ یہ لشکر قسطنطنیہ بھیجا گیا ہے۔ اور جس میں یزید کی شرکت ظاہر کی جا رہی ہے، سب سے پہلا لشکر تھا اور اس سے قبل کسی اسلامی لشکر کو اس طرف نہیں بھیجا گیا تھا۔ کوئی تاریخی شہادت خاص اس امر کے اثبات کے لئے نہیں آئی۔ برخلاف اس کے بعض کتاب کے مطالعہ سے پایا جاتا ہے کہ اس کے قبل بھی عساکر اسلامیہ اس طرف گئے ہیں۔ مگر یہاں چونکہ مدینۂ قیصر کی تعیین میں ابہام موجود ہے، اس بحث کی تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں۔" (ناصبانِ ملک عضوض، ص ۳۶۷)

اس بحث کو آگے لے جا کر تحریر فرماتے ہیں:

''اگر باغراض بحث تنزیلاً یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ مدینۂ قیصر سے مطلب قسطنطنیہ ہی ہے اور سب سے پہلا جہاد بھی ہے، جو اس شہر میں یزید کی قیادت میں ہوا تھا، تو اس بحث کا دوسرا پہلو سامنے آجانا لازمی ہے۔ اور وہ یہ کہ حدیث زیر بحث میں کسی ایک فرد لشکر مثلاً یزید ہی کے نام سے مغفرت کی شہادت نہیں ہے، بلکہ مغفرت کی شہادت لشکر کے لئے مجموعی طور پر بیان ہوئی ہے۔ اور جب یہ صورت ہے تو مستثنیاتِ عقلیہ (Acceptions) کا وجود اس مقام پر تسلیم کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہوسکتا۔ مثلاً کوئی شخص بیان کرے کہ اس درخت کے تمام پھل تمام باغوں کے پھلوں سے بہتر ہیں، اس شخص کا یہ بیان اس لحاظ سے بالکل صحیح اور درست خیال کیا جائے گا کہ علی الاکثر اس درخت کے تمام پھل تمام باغوں کے پھلوں سے بہتر ہیں، مگر اسی درخت کے وہ پھل کبھی بہتر اور اعلیٰ نہیں سمجھے جاسکتے جو کسی وجہ سے نقصان رسیدہ ہوگئے ہوں، مثلاً ژالہ باری یا موسمی ہوا کے اثرات یا کرم خوردگی یا کسی اور اندرونی یا بیرونی صدمہ کے اثر سے خراب ہوگئے ہوں، وہ اس عام حکم سے، بغیر خاص طور پر بیان کئے ہوئے مستثنیٰ سمجھے جائیں گے۔ اس قسم کے مستثنیات عقلیہ کی تنقید وتفصیل وتشریح الاوزان کلام اکثر و بیشتر غیر ضروری بلکہ حشو قبیح میں داخل سمجھی جاتی ہی، اور محض اکثریت کے اعتبار پر ہی کلیہ بیان کیا جاتا ہے۔ بس کوئی وجہ نہیں کہ اس جائز الفوع اور کثیر الفوع شکل کو خاص اس لشکر زیر بحث کی حد تک مستبعد اور قطعاً غیر متعلق قرار دیا جائے، خصوصاً جبکہ کثیر تعداد میں اس کے خلاف شواہد بھی موجود ہوں اور عالمِ اسلام کے در ودیوار، کوچہ و بازار سے اس کے خلاف مؤثر صدا بھی بلند ہورہی ہو۔'' (ناصبانِ ملکِ عضوض، جلد اوّل ص ۳۶۸)

جسٹس نہال احمد صاحب مرحوم و مغفور کی یہ رائے دراصل ابن المنیر اور ابن التین محدثین کی گرانقدر آراء پر منحصر ہے۔ ان دونوں محدثین نے محدث مہلب کی حدیث میں شہر قیصر سے مراد شہر قسطنطنیہ لینے کی رد کرتے ہوئے یہ رائے پیش کی ہے:

> ''اس عموم میں یزید کے داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کسی خاص دلیل سے بھی اس عموم سے خارج نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اہل علم اس پر متفق ہیں کہ رسول مقبول کا یہ فرمانا کہ وہ بخشے جائیں گے اس شرط سے مشروط ہے کہ وہ مغفرت کے اہل بھی ہوں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی جہاد کرنے والوں میں سے بعد میں مرتد بھی ہوگیا تو بالاتفاق وہ اس عموم میں داخل نہیں ہوگا۔ بس یہ دلیل ہے اس بات کی کہ مغفور اِن میں سے وہی ہوگا جس میں شرطِ مغفرت پائی جائے۔''

بخاری کے ایک اور شارح قسطلانی نے ابن المنیر کا یہ قول نقل کرتے ہوئے اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے یہ تحریر کیا ہے کہ ''محدث مہلب نے بنی امیہ کی حمایت میں اپنی اس رائے (شہر قسطنطنیہ) کا اظہار کیا ہے۔ گویا اس حدیث کا رخ بقول محدث ابن المنیر زبردستی یزید کو فضیلت دینے کے لئے مہلب نے یزید کی طرف موڑ دیا۔ یہ کسی شیعہ عالمِ دین کا بیان نہیں، بلکہ مہلب کے ہم پلّہ ایک ایسے محدث کا قول ہے جو امامیہ سلسلے سے عقیدت نہیں رکھتے، بلکہ مہلب ہی کے *School of thoughts* سے متعلق ہیں۔

اب آیئے ذرا یہ بھی دیکھ لیں کہ پیغمبرؐ کی جس حدیث کو معیار بنا کر یزید کے فضائل بیان کرنے کی کوشش و کاوش کی گئی ہے، کیا واقعی بر بنائے فضیلت اس جنگ پر بھیجا گیا تھا؟ اس تفصیل کو مشہور عالمِ اہل سنت ابو محمد امام الدین کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں۔ انھوں نے محمود احمد عباسی کے جواب میں اپنی لاجواب کتاب ''امام حسینؑ شہید'' میں قاضی اطہر مبارک پوری اور علامہ ابن کثیر کی مشہور کتاب 'البدایہ والنہایہ'

سے نقل کیا ہے:

''یزید کی ماں نے ایک روز یزید کے بالوں میں کنگھی کی اور اس سے سنوارا۔ یزید کو دیکھ کر اس کی سوتیلی ماں فاختہ بنت قرظہ کو اس پر رشک ہوا اور انھوں نے یزید پر آوازکشی بھی کی۔ ان کے بھی ایک بیٹا تھا اور اس کا نام عبداللہ تھا۔ معاویہ یزید اور عبداللہ کے مزاج اور فطرت سے واقف تھا۔ اس نے اپنی بیوی کو دونوں بیٹوں کا فرق دکھانے کے لئے عبداللہ کو اپنے پاس بلایا اور کہا تمھاری جو بھی خواہش ہو کہو، میں اسے پورا کروں گا۔ اس نے کہا مجھے ایک موٹا کتا اور ایک موٹا گدھا منگا دیجئے۔ پھر معاویہ نے یزید کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ تم بھی اپنی خواہش پیش کرو، وہ پوری کی جائے گی۔ یہ سنتے ہی یزید سجدے میں گر پڑا، پھر سر اٹھا کر بولا خدا کا شکر ہے اس نے امیر المومنین کے دل میں یہ خیال ڈالا اور اسے پورا کرنے کی آمادگی پیدا کی۔ میری خواہش یہ ہے کہ آپ اپنے بعد مجھ کو اپنا جانشین بنائیں اور اس سال جہاد کے لئے مسلمانوں کی جو فوجیں بھیجیں، مجھکو اس کا سپہ سالار مقرر کریں۔ میں واپس آؤں تو مجھے حج کی اجازت دیں اور امیر حج بھی مجھ ہی کو بنائیں۔ اس کے علاوہ میں چاہتا ہوں کہ آپ ہر شامی کے وظیفے میں دس، دس دینار کا اضافہ کر دیں اور جمیع بنی سہیم اور بنی عدی کے یتیموں کا وظیفہ جاری کر دیں اور لوگوں کو بتائیں کہ یہ سب میری سفارش سے ہوا ہے۔''

اس طرح باپ بیٹے میں بہت سی باتیں ہوئیں۔ معاویہ نے یزید کی تمام باتوں کو منظور کرتے ہوئے فرطِ محبت سے یزید کا منہ چوم لیا۔''

(امام حسینؑ شہید۔ ابو محمد امام الدین، ص ۶۳)

علامہ ابو محمد امام الدین رام نگری اس گفتگو پر اپنا تبصرہ کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

"اس واقعہ سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ معاویہ نے جو یزید کو جہاد قسطنطنیہ کا امیر لشکر بنایا، اس کی وجہ یزید کی فضیلت و قابلیت نہ تھی، بلکہ باپ، بیٹے کا یہی عہد و پیمان تھا۔" (امام حسینؑ شہید)

یہاں علامہ ابو محمد نے غالباً اس بات پر غور نہیں کیا ورنہ یقیناً وہ اس طرف متوجہ کرتے ہوئے ضبط تحریر میں لاتے کہ جب یزید نے معاویہ سے معاویہ کے بعد جانشین بننے کی تمنا کی تو فوراً معاویہ کو روکنا چاہیے تھا کہ تمھاری یہ تمنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اسلامی نظام میں جو اَب تک شورائی نظام چلا آرہا ہے، یہ اس کے خلاف ہے۔ مگر معاویہ یہ کیسے کہہ سکتے تھے وہ تو خود اسی شورائی نظام کا گلا گھوٹ کر یہاں تک پہنچے تھے۔ معاویہ نے بجائے اس تمنا پر روک لگانے کے اپنے لاڈلے کا منہ چوم کر اس سمت میں اس کی حوصلہ افزائی اور اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ اسی واقعہ سے یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ یزید کی جانشینی کی کوشش کوئی ایک دم کا معاملہ نہیں تھا، بلکہ باپ ۔۔۔۔ بیٹے کا Pre-planned تھا۔ میں مورخین اور مصنفین کی اس رائے سے کبھی بھی متفق نہیں ہوا کہ معاویہ کے دل میں یزید کی جانشینی کا خیال مغیرہ بن شعبہ نے پیدا کیا۔ سچ بات یہ ہے کہ مغیرہ بن شعبہ نے معاویہ کے دل میں چھپی ہوئی یہ عبارت پڑھ لی تھی اور اس نے معاویہ کو خوش کرنے کے لئے یہ تحریک اپنی طرف سے پیش کردی کہ آپ اپنے بعد یزید کو خلیفہ بنادیں۔ اس تحریک کے صدقے میں انھوں نے اپنی جاتی ہوئی گورنری بچالی، چاہے پھر مسلمانوں کو اس کا کتنا ہی زبردست خمیازہ بھگتنا پڑا۔

دوسری ایک اہم بات یہ کہ شریعتِ اسلامی میں امارت کی تمنا ممنوع ہے۔ اگر یزید از خود امارت کی تمنا کرتا ہوا نظر آرہا ہے تو یہ اس کے لئے فضل و شرف یا دینی جذبہ کی بات نہیں، بلکہ بے دینی اور احکاماتِ شریعت سے غافل ہونے کی بات ہے۔ اس میں دینداری کی تڑپ نہیں، بلکہ اقتدار کی ہوا و ہوس کا مظاہرہ ہے اور اگر معاویہ اس کی اس تمنا پر اسے روکتے ٹوکتے نہیں بلکہ اس کا منہ چوم کر اس کی حوصلہ افزائی

کرتے اور بعد میں یزید کی اس تمنا پر شریعت کے احکامات کے خلاف جا کر عمل کرتے ہیں تو یزید سے پہلے خود امیر معاویہ کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے شریعت پر جسارت کی۔ علامہ ابو محمد فرماتے ہیں:

> ''حدیث شریف میں مغفرت کی بشارت امیر جیش کے لئے نہیں ہے، جیش کے لئے ہے۔ اگر یزید کو مغفرت کی رغبت ہوتی تو اس کے لئے فوج کی شرکت ہی کافی تھی۔ یزید کا امیر بننا اور بنانا تو اس عہد و پیمان کی بنا پر تھا جو اوپر مذکور ہوا ہے اور مقصد تھا ولی عہدی کے لئے زمین ہموار کرنا اور یزید کو ابھارنا'' (حضرت امام حسینؑ شہید، ص ۶۴)

علامہ موصوف کی یہ تحریر بھی حالات کا اچھی طرح جائزہ پیش کرتی ہے:

> ''(بقول اموی مورخین) یزید کی فوج میں حضرت امام حسینؑ، عبداللہ بن عمر، عبداللہ ابن عباس، عبداللہ ابن زبیر اور ابو ایوب انصاری جیسے بزرگ شامل تھے۔ یہ حضرات اخلاق و عمل فضل و کمال، تقویٰ و تقدس، ہر بات میں یزید سے افضل تھے، اور ان میں کتنے حضرات تھے جو جنگی مہارت و تجربہ یزید سے زیادہ رکھتے تھے، جن کے مقابلے میں یزید کی حیثیت صفر کی تھی۔ اس لئے سوال یہ ہے کہ ان جلیل القدر صحابہ کے مقابلہ میں یزید کس بات میں افضل تھا جس کی بنا پر اس کی امارت کو ہم اس کی فضیلت کی دلیل مانیں؟ معاویہ ایسے اکابر صحابہ میں سے کسی کو امیر نہیں بناتا، اس کی نظرِ انتخاب پڑتی ہے تو اپنے بیٹے یزید پر۔ اسے فرزند نوازی کے علاوہ کیا کہا جائے؟ آپ کو کہیں اسامہ بن زید کی وہ امارت یاد نہ آجائے جو آنحضرتؐ نے رومیوں کے مقابلے کے لئے فوج ترتیب دے کر حضرت اسامہ کو عطا فرمائی تھی۔ اس فوج میں بڑے بڑے اکابر صحابہ شامل تھے۔ اگر معاویہ کے سامنے حضرت اسامہ جیسے

دوسرا کتب خانہ نہ تھا۔ خود علامہ موصوف کو بھی یہ معلوم تھا کہ وہ حضرت علیؑ کا سارا کلام جمع نہیں کر سکے ہیں، اسی لئے کتاب کے اختتام میں رقم فرماتے ہیں۔

''ہم اللہ سبحانہ کی بارگاہ میں شکر گزار ہیں کہ اس نے ہم پر احسان کیا کہ ہمیں توفیق دی کہ ہم حضرت کے منتشر کلام کو یکجا کریں اور دور دست کلام کو قریب لائیں۔ ہمارا ارادہ ہے جیسا کہ پہلے طے کر چکے ہیں کہ ان ابواب میں سے ہر باب کے آخر میں کچھ سادہ اوراق چھوڑ دیں تاکہ جو کلام اب تک ہاتھ نہیں لگا اسے قابو میں لا سکیں اور جو ملے اسے درج کرلیں۔ شاید ایسا کلام جو ہماری نظروں سے اوجھل ہے بعد میں ہمارے لئے ظاہر ہو اور دور ہونے کے بعد ہمارے دامن میں سمٹ آئے۔''

اس تحریر سے ظاہر ہے کہ خود علامہ رضی علیہ الرحمہ بھی جانتے تھے کہ جتنا کلام انھوں نے جمع کیا ہے وہ حضرت کا تمام تر کلام نہیں ہے۔ چنانچہ بعد میں آنے والے کچھ لوگوں نے کچھ اور خطبات وغیرہ تلاش کئے ہیں۔

اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ اس دور میں حضرت علیؑ اور اہلبیتؑ کے کلام کو حاصل کرنا کس قدر دشوار عمل تھا۔ حکومتوں نے حضرت علیؑ اور اہلبیتؑ کے مناقب کو اور ان کی باتوں کو عام کرنے کی عملی پابندی لگائی ہوئی تھی، بلکہ ان کے فضائل اور تعلیمات کی رد اور مقابل دوسروں کے فضائل بیان کرنے کے لئے زبانیں اور قلم سرکاری خزانوں سے خریدے جاتے تھے۔ آل رسول کی تعلیمات دبائی جا رہی تھیں اور ان کے دوست تلوار کی دھار پر تھے۔ یہ سب تاریخی حقائق ہیں جس کی ایک سرسری جھلک آپ کو اس کتاب میں دیکھنے کو ملے گی۔ ایسے میں ان خطبوں، مکتوبات اور اقوال کو جمع کرلینا یقیناً ایک بڑا کارنامہ اور قوم پر گراں قدر احسان ہے۔

''نہج البلاغہ'' قرآن کریم کے بعد وہ سب سے اہم کتاب ہے۔ جس کے ترجمے اور شرحیں قرآن کریم کے بعد سب سے زیادہ ہوئے ہیں۔ ان شرحوں کے لکھنے

ہی کوئی بزرگ ہوتے اور وہ ان کو امیر مقرر کرتا تو پھر کہنا ہی کیا تھا۔
حالانکہ کتنے فخر کے ساتھ حضرت اسامہ کی امارت کا واقعہ دنیا کے سامنے
پیش کر کے کہتے ہیں کہ اسلام کتنا انسانیت نواز ہے جو غلام زادوں کو اس
طرح نوازتا ہے اور سرفراز کرتا ہے۔ لیکن معاویہ و یزید کی مثال تو اسلام
کی اس امتیازی اسپرٹ کے سراسر منافی ہے کہ باپ قابل احترام اور
جلیل القدر صحابہ کے ہوتے ہوئے بیٹے کو ان پر سردار مقرر کرتا ہے۔"
(حضرت امام حسین شہید، ص ۶۴ ۔ علامہ ابو محمد امام الدین)

اس حدیث کے راقم علامہ ابن کثیر کی خود اپنی رائے کیا ہے، یہ دیکھنا تو بہت ہی اہم ہے۔ تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"میرا خیال ہے کہ یہ حدیث اور اس سے پہلے والی حدیث کے ظاہری
الفاظ نے یزید ابن معاویہ کو مغفرت کی (غلط) امید کی طرف جھکا دیا اور
اسی سبب سے وہ بہت سے ایسے اعمال کا مرتکب ہوا جن کو سب نے برا
قرار دیا۔ جیسا کہ ہم یزید کے تذکرے میں بیان کریں گے۔"
(البدایہ والنہایہ، جلد ۹، ص ۵۹۔ ماخوذ از مقالہ عزیز احمد قاسمی، الجمعیۃ
دہلی، ۲۹ نومبر، ۵۹ء، بحوالہ امام حسین شہید)

گویا ابن کثیر بھی محدث مہلب کی حدیث کو نقل کر کے اپنا جھکاؤ ابن المنیر اور ابن التین کی طرف ظاہر کر رہے ہیں۔ حالانکہ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ ابن کثیر یزید کے معاملے میں بہت نرم ہیں۔ اب یہ بات طے ہے کہ باوجود اس حدیث مغفرت کے یزید اس کے فائدے سے خارج ہے، کیونکہ مغفرت کے انتہائی قریب ہو جانے کے باوجود وہ خود کو اس قابل نہ رکھ سکا کہ حدیث میں اپنا وجود بنائے رکھے، کیونکہ حدیث کے بعد خود کو اس حدیث کے دائرہ میں بنائے رکھ کر ہی حدیث کا فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اس پہلو کے ساتھ اس تاریخی بیان پر بھی ایک نظر کر لی جائے تو اچھے نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔ 'عمدۃ القاری' کی عبارت کا اس حدیث کے سلسلہ میں ایک حصہ ہے ''صاحب المراۃ'' کا بیان ہے کہ یہ امر اظہر ہے کہ یہ اکابر صحابہ تو سفیان کی ماتحتی میں روانہ ہوئے تھے، نہ کہ نا اہل یزید کی۔ اکبر شاہ نجیب آبادی بھی 'تاریخ اسلام' میں تحریر کرتے ہیں:

''جب عظیم الشان لشکر مرتب ہو گیا تو سفیان بن عوف کی سپہ سالاری میں قسطنطنیہ کی جانب روانہ کیا اور سفیان بن عوف کی ماتحتی میں اور اپنے بیٹے یزید کو، جو فوج کا ایک افسر تھا کیا۔۔۔۔۔۔۔''

اب ہم اس حدیث پر اوپر کی گئی بحث کا ایک نظر میں جائزہ لیں:

۱۔ مدینۂ قیصر سے مراد کون سا شہر ہے، اس کی تعین نہیں ہے۔

۲۔ حدیث میں اہل لشکر کے لئے مغفرت ہے، امیر لشکر کے لئے نہیں۔

۳۔ طے نہیں ہے کہ سب سے پہلا قیصر کی طرف کوچ کرنے والا لشکر یہی تھا یا کوئی اور۔

۴۔ یہ بھی طے نہیں ہے کہ اس لشکر کا امیر یزید تھا یا سفیان بن عوف۔

۵۔ حدیث کا فائدہ اٹھانے کے لئے امیر اور لشکر دونوں کے لئے ضروری ہے کہ ان میں شرائطِ مغفرت بھی ہوں۔ خصوصاً اس جہاد کے بعد ایسا گناہ سرزد نہ ہو جو انھیں اس حدیث کے دائرہ سے باہر کر دے، جیسے کہ اللہ و رسول کے خلاف بدزبانی کرنے سے تمام فائدے جو کلمہ پڑھنے سے حاصل ہوتے ہیں، فوراً ختم ہو جائیں گے۔

سب سے اہم شرط مذکورہ بالا باتوں میں یہی ہے کہ ''شرطِ مغفرت'' قائم رہے۔ لہٰذا اگر ہم ''مدینۂ قیصر'' کو قسطنطنیہ ہی تسلیم کر لیں، امیرِ لشکر یزید ہی کو تسلیم کر لیں، سب سے پہلا اسلامی لشکر جو قیصر کی سرحدوں میں داخل ہوا اسی کو مان لیں تب بھی یزید کے لئے کوئی فائدہ حاصل نہیں۔

اس سلسلہ میں بانیٔ دار العلوم مولانا محمد قاسم نانوتوی کی یہ تحریر بس آخری درجہ رکھتی ہے:

''جس طرح بیعتِ رضوان میں منافقین شریک ہوئے اور اپنے نفاق کی وجہ سے اللہ کی رضا مندی حاصل نہ کر سکے، یزید بھی اپنی اندرونی خرابیوں کے باعث بشارت کی فضیلت سے محروم رہا۔''

(قاسم العلوم نمبر، ۴، ص ۱۳، منقول از مکتوبات شیخ الاسلام)

الغرض یہ بات علماء نے طے کر لی ہے کہ اگر یزید کو امیر لشکر قسطنطنیہ مان بھی لیا جائے اور شہر قیصر بھی قسطنطنیہ تسلیم کر لیا جائے تب بھی یزید کے لئے کوئی امید نہیں ہے۔ میں نے یہ بحث تھوڑی سی تفصیل کے ساتھ اس لئے کی کہ اکثر لوگ اس جال میں الجھ جاتے ہیں، لہٰذا اس حدیث کے جتنے پہلو ہو سکتے ہیں وہ سب زیر نظر کر لئے گئے۔ ورنہ سچی بات تو یہ ہے کہ یہ حدیث پیغمبرؐ کی زبانِ مبارک سے نکلی ہوئی نہیں ہے۔ بلکہ یزید کو مغفرت کے مکان تک پہنچانے کے لئے ہی تیار کی گئی ہے، ورنہ جو پیغمبر یزید پر لعنت اس کی پیدائش سے پہلے کرتا ہے وہ اس کے لئے مغفرت کی بشارت کس طرح کر سکتا ہے؟ مغفرت کوئی کھیل تماشہ نہیں کہ بس ایک جہاد کی لیڈری کر لی اور سات پشتوں تک کے گناہ معاف ہو گئے۔

ایک بات یہ بھی قابلِ غور ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ یزید نے مغفرت کی تمنا میں حدیث سن کر امیر لشکر بننے کی خواہش کی تھی تو علامہ ابن خلدون ان کی نفی کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

''لشکر روانہ ہونے کے بعد تک امیر لشکر یعنی یزید نے روانگی نہیں کی، بلکہ اپنی محبوبہ کی زلفوں کا اسیر بنا رہا۔ معاویہ اس کو تادیبی کارروائی کے تحت بھیجنا چاہتے تھے، مگر وہ روانہ ہی نہیں ہوا، یہاں تک کہ کچھ منزل کے بعد قحط پڑ گیا۔ بخار وبا کی شکل میں پھیلا۔ یزید کو ایک بہانہ مل گیا اور

خوش ہو کر ایک نظم کہی جس کے اشعار اس طرح تھے "مجھے کیا مطلب ہے
کہ فوجوں میں وبا پھیلے، میں تو اپنی محبوبہ ام کلثوم کو ۔۔۔۔۔۔۔ میں
اونچی مسند پر لئے تکیہ لگائے بیٹھا ہوں۔"

علامہ ابن کثیر نے بھی ابن خلدون کی ہی تحریر کی طرح معاملہ کی توثیق کی ہے۔ خیال رہے کہ علامہ ابن خلدون اور علامہ ابن کثیر دونوں بزرگوار یزید کے لئے کافی کشادہ دل رکھتے ہیں۔ اب تو ظاہر ہے مغفرت کے افسانے کا پورا ہی رنگ اُڑ گیا۔ دراصل بات یہ ہے کہ حامیانِ یزید پانی میں کیل ٹھونک رہے ہیں کہ شاید ان کا ہیرو بھی عزت دار مسلمان مان لیا جائے۔

ان بیچاروں نے علماء کی ان تحریروں کو قطعی نظر انداز کر دیا ہے جن میں یزید پر لعنت کی گئی ہے۔ اگر یہ فہرست تیار کی جائے تو ہزاروں صفحات کی کتاب تیار ہو جائے۔ جو لعنت کا مستحق ہو وہ رحمت کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

مروان بن حکم

یزید محض چار سال حکومت کر سکا اور ایک بار جب وہ شکار کھیلنے کے لئے جنگل میں گیا ہوا تھا تو اس کا گھوڑا اس کو سرپٹ لے کر دوڑ پڑا۔ یزید نے چاہا کہ وہ گھوڑے سے اتر جائے، مگر اس کا پیر رکاب میں الجھ گیا۔ پتھریلے راستے پر گھوڑا دوڑتا رہا اور یزید اس کے ساتھ گھسٹتا رہا۔ یہاں تک کہ بعد میں فقط اس کا پیر رکاب میں الجھا ہوا مل سکا۔ جس تختِ حکومت پر بٹھانے کے لئے باپ نے سارے نفرت انگیز کارنامے کئے اور جس تختِ حکومت کے زعم میں یزید نے امام حسینؑ کو مظلوم قتل کر دیا، اس تخت پر چار سال سے زائد بیٹھنا نصیب نہ ہو سکا۔ سچ ہے ظلم کی حیات بہت چھوٹی ہوتی ہے۔ یزید ۳۸ برس کی عمر میں حمص کے قریب حوارین میں واصلِ جہنم ہوا۔
(عقد الفرید)

یزید کے بعد اس کے بیٹے معاویہ کو بنی امیہ نے تخت نشین کیا۔ یہ ۲۱ سال کا انتہائی سنجیدہ نوجوان تھا۔ اسے امورِ حکومت سے رغبت نہ تھی کیونکہ وہ حکومت کے رنگ ڈھنگ دیکھ رہا تھا کہ کس کس طرح سے تاج وتخت کی خاطر اس کے باپ دادا نے رسولؐ کے اہل بیتؑ اور اولاد کو برباد کیا ہے۔ اپنے آباء واجداد کے کردار سے اس کا دل متنفر تھا، لیکن وہ کچھ بھی کرنے میں بے بس تھا۔ مگر یزید کی موت کے بعد جب بنی امیہ نے معاویہ کو اپنا امیر منتخب کیا تو معاویہ نے اپنے خیالات کو سب کے سامنے رکھ دیا۔ اس نے سب کو جمع کیا، منبر پر پہنچا، کچھ دیر گم سم بیٹھا رہا، پھر رونے لگا اور بولا ''مجھ میں سلطنت کی قابلیت نہیں ہے، تم کسی اور کو اپنا امیر بنالو۔'' لوگوں نے اصرار کیا تو اس نے جواب دیا۔ ''جس تخت کے پائے آلِ رسول کے خون میں ڈوبے ہوں، میں اس پر بیٹھنا گوارا نہیں کرتا۔'' یہ کہہ کر وہ منبر سے اترا اور محل میں چلا گیا۔ پھر اس کی لاش ہی وہاں سے برآمد ہوئی۔

معاویہ کی ماں نے جو یہ حال سنا تو اس نے کہا'' کاش! تو حیض میں نکل گیا ہوتا۔'' عقد الفرید میں ہے کہ بنی امیہ نے کہا کہ آپ خود امارت قبول نہیں کرتے تو پھر کسی کو منتخب کردیں۔ اس نے کہا'' میری زندگی کی حالت اس سے نفع نہ اٹھا سکی تو مرنے کے وقت میرا انتخاب کیا مفید ہوگا۔'' کچھ تواریخ میں ہے کہ اس نے جواب دیا'' جب میں نے اس کی (حکومت کی) مٹھاس چھوڑ دی، تو تلخی دوسرے کو کیوں دوں۔''

علامہ طبری نے تحریر کیا ہے کہ معاویہ بن یزید نے عمرو بن معصوم سے پوچھا تھا کہ سلطنت کیوں کر کرنی چاہیے، انھوں نے کہا ابوبکر وعمر کی مثل حکومت کی جائے تو دین ودنیا دونوں کی سعادت ہے، ورنہ پھر دوزخ ہے۔ اس فقرہ کا معاویہ پر اتنا اثر پڑا کہ وہ حکومت چھوڑ بیٹھے۔ بنی امیہ نے جب سنا کہ عمرو بن معصوم کے بہکانے سے معاویہ حکومت سے متنفر ہوا ہے تو انھوں نے عمرو بن معصوم پر سختی کی اور انھیں شہر سے جلاوطن کردیا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس نے محبتِ اہل بیتؑ میں ہی حکومت چھوڑی،

جس کا اس نے باقاعدگی سے اعلان بھی کیا لہٰذا اس کے علاوہ کوئی دوسری تفسیر کرنا بے معنی ہے۔

کیونکہ معاویہ نے حکومت قبول ہی نہیں کی، لہٰذا ہم اسے شاہان بنی امیہ میں شمار نہیں کرتے۔ یہ پروردگارِ عالم کا انتقام نہیں تو اور کیا ہے کہ جس حکومت کو نسلوں میں باقی رکھنے کی خاطر معاویہ ذلیل کارناموں کی آخری تہہ میں چلے گئے، وہ حکومت ان کے بیٹے سے آگے نہ بڑھ سکی۔ اور بنی امیہ میں رہتے ہوئے بھی یہ حکومت ان کی اولاد اور ان کے خاندان سے نکل گئی۔

''یزیدنامہ'' صفحہ ۱۵۰ / پر خواجہ حسن نظامی تحریر کرتے ہیں:

''معاویہ بن یزید پر امیر معاویہ کی تدبیروں کا خاتمہ ہوگیا۔ سلطنت ان کی اولاد سے نکل گئی اور جس منصوبہ کی خاطر انھوں نے دین کو برباد کیا تھا، وہ ڈیڑھ نسل بھی باقی نہ رہ سکا۔''

معاویہ ابن یزید کے متعلق جو کچھ بھی لکھا گیا ہے وہ عقد الفرید، تاریخ ابوالفداء وغیرہ میں موجود ہے۔ دیگر مؤرخین نے بھی اس کی حکومت ٹھکرائے جانے کے حالات تحریر کئے ہیں۔ شائقین کو چاہئے کہ وہ ۶۴/ ہجری کے واقعات میں تاریخوں میں یہ حالات تفصیل سے پڑھیں۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ یزید کے بعد معاویہ ۴۰/ دن زندہ رہا، بعض نے دو مہینہ روایت کی ہے، اور بعض نے تین مہینہ۔ اس سے زیادہ کی روایات موجود نہیں۔۔۔!

معاویہ کی موت کے بعد بنی امیہ میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ یزید کے تمام لڑکے کمسن تھے۔ خالد بن یزید کی طرف کچھ لوگوں کا رجحان تھا مگر کم عمری کے سبب کثرت رائے حق میں نہ ہو سکی۔ عبیداللہ ابن زیاد خصوصیت سے اس حق میں نہ تھا کہ یزید کی اولاد میں سے کسی کی بیعت ہو۔ یہ وہی زمانہ تھا جب عبداللہ ابن زبیر کا خوب زور ہو چکا تھا۔ بنی امیہ میں شدید اختلاف ہوگیا تو بنی امیہ کی سب سے بزرگ اور مکار

شخصیت مروان بھی دیگر امراء کے ساتھ عبداللہ ابن زبیر کی بیعت کے لئے مکہ روانگی کے لئے تیاری کرنے لگا، لیکن عین اسی وقت عبیداللہ ابن زیاد نے اپنی لوٹی ہوئی دولت کے بل پر مروان کے حق میں ماحول سازگار کر دیا۔ یہ واقعات ہم مروان بن حکم کی بادشاہت کی پیشین گوئی میں لکھ آئے ہیں۔

مروان کی مفسد طبیعت، بے دینی اور ہولناکیوں سے کون واقف نہیں۔ پیغمبرؐ نے مسلمانوں کو اس کے مکر سے محفوظ رکھنے کے لئے ہی اس کو مدینہ بدر کیا تھا، مگر عثمان جب بادشاہ ہوئے تو اسے واپس بلا لیا۔ مروان کے تختِ حکومت پر بیٹھتے ہی اموی حکومت کے اہم ارا کین میں زبردست تضاد شروع ہو گیا۔ ضحاک بن قیس اور نعمان بن بشیر جو کہ حمص کا صوبیدار تھا، باغی ہو گئے۔ انھوں نے اعلان کیا کہ ہم تو ابن زبیر کی بیعت کریں گے، وہ مروان سے لاکھ درجہ بہتر ہے۔ فلسطین کے گورنر نے بھی ضحاک کا ساتھ دیا۔ چنانچہ ایک بڑی جماعت تیار ہو گئی۔ مروان نے بغاوت کو کچلنے کے لئے تیرہ ہزار کا لشکر لے کر ابن زیاد کے ساتھ کوچ کیا۔ اُدھر سے ضحاک اور اس کے اتحادی ساٹھ ہزار کے لشکر کے ساتھ نکلے۔ لشکر تعداد کے علاوہ آلاتِ حرب وضرب سے بھی فوقیت رکھتا تھا۔ مروان کے ساتھی تو پیدل تھے۔ مروان گھبرا گیا۔ ابن زیاد نے تب کہا کہ یہ جنگ اسلحوں کے بجائے دماغ سے جیتی جا سکتی ہے۔ تم ضحاک کو پیغام بھیجو کہ ملاقات کے لئے آئے تا کہ غور وفکر کر لیں۔ اگر واقعی ابن زبیر کی بیعت فائدہ مند ہے تو پھر سب ساتھ مل کر چلتے ہیں۔ ضحاک باوجود اس کے کہ انتہائی شاطر تھا اور امیر معاویہ کے خصوصی ساتھیوں میں ہوا کرتا تھا، چکر میں آ گیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ملاقات کے لئے آ گیا۔ مگر جیسے ہی وہ مروان کے پاس پہنچا پہلے سے موجود مروان کے سپاہیوں نے اس کے ٹکڑے کر ڈالے۔ لشکر کے قدم اکھڑ گئے۔ نعمان بن بشیر بھی معرکہ میں مارا گیا اور مروان کی حکومت مضبوط ہو گئی۔ اور یہ اب مصر کی مہم کے لئے آمادہ ہوا۔ اسی بیچ اس نے ام خالد سے نکاح کیا، جس کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ پھر جب ام خالد

نے محسوس کیا کہ مروان خالد کو قتل کرنے کے فراق میں ہے تاکہ بآسانی باشاہت اپنے بیٹوں میں منتقل کر دے تو ام خالد نے ایک رات گلا گھونٹ کر اس کا قصہ پاک کر دیا۔
مروان کو حکومت کا زیادہ موقع نہیں مل سکا۔ ۳/ رمضان، ۶۵ ھجری، بہ عمر ۶۳/ سال اس کا قتل اس کی بیوی کے ہاتھوں ہوا۔ کُل مدتِ حکومت ۹/ ماہ، ۱۰/ دن ہو سکی۔ اس کے زمانے میں افراتفری کا عالم تھا۔ بغاوت ہر طرف تھی۔ حکومت مضبوط نہ تھی۔ اس کی اپنی عمر بھی ۶۰/ سال سے متجاوز تھی، لیکن جو کچھ مدتِ حکومت تھی، اس میں بنی امیہ کو ظلم و بربریت پھیلانے کی چھوٹ تھی۔ وہ خود ہی خبیث تھا، ایسے میں اس کے قبیلہ اور قوم والے کیوں نہ بے قابو ہوتے، لیکن ابن زبیر کی تحریک خلافت اور کمزور حکومت کے سبب بنی امیہ اور مروان اسی میں الجھے رہے۔

عبدالملک بن مروان

ام خالد کا مروان کا قتل کرنا دراصل اس لئے بھی اہم تھا کہ وہ صرف اپنے بیٹے خالد کو مروان کے ہاتھوں سے بچانا ہی نہیں چاہتی تھی، بلکہ اس کا خیال تھا کہ اس مرتبہ خالد کو ضرور حاکم بنالیا جائے گا اور اس کی بیعت کر لی جائے گی۔ لیکن حضرت علیؑ نے تو پہلے ہی فرما دیا تھا کہ مروان بھی حاکم ہوگا اور اس کے ۴/ بیٹے بھی حاکم ہوں گے۔ ایک پیشین گوئی میں ہم تفصیل سے اس پر گفتگو کر چکے ہیں، لہٰذا زمانے کو تو اسی راستے پر بہر حال چلنا ہی تھا۔ چنانچہ ام خالد کا خیال غلط ثابت ہوا اور خالد کی طرف کسی کی توجہ نہیں ہوئی اور سب نے مروان کے پسر اکبر عبدالملک کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

خلافت کے ملنے سے پہلے تک عبدالملک بن مروان بڑا عابد و زاہد اور تارک الدنیا ظاہر کرتا تھا۔ جس وقت یزیدی لشکر مدینے پر حملہ آور ہوا، اسی نے مدینے کے بھید شامی لشکر کو دیئے اور زبردست خونریزی بپا کرائی۔ دراصل اہل مدینہ اسے بے ضرر خیال کرتے تھے، کیونکہ اس کا وقت محض عبادات میں گزرتا تھا۔ اسی لئے بہت

سے راز اہل مدینہ کے ایسے تھے جو اس کے سامنے ظاہر تھے۔ لوگ اس سے محتاط نہ تھے۔ لشکرکشی کے وقت اس عابد کا انداز ایسا بدلا کہ اس کے دیئے گئے بھیدوں کے سبب خطرناک خوں ریزی اہل مدینہ کی ہوئی۔ الغرض ۳؍رمضان ۶۵ ہجری میں بمقام دمشق اسے تخت نشین کیا گیا۔ ابوالولید اس کی کنیت تھی مگر اُسے ابوالاملاک (بادشاہوں کا باپ) بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ اس کے چار بیٹے تخت وتاج کے وارث ہوئے۔

عبدالملک کو جس وقت خلافت کی خوش خبری دی گئی، اس کے سامنے کھلا ہوا قرآن شریف رکھا تھا اور وہ تلاوت میں مصروف تھا۔ وہ کثرت سے تلاوت کیا کرتا تھا۔ جب اسے اپنے خلیفہ بنائے جانے کا حال معلوم ہوا تو اس نے زور سے قرآن بند کیا اور قرآن سے مخاطب ہوکر بولا "یہ میری اور تیری آخری ملاقات تھی۔"

(تاریخ الخلفاء، جلال الدین سیوطی، حالات عبدالملک)

"یہ لوگوں کو احکام خدا اور سول بیان کرنے سے روکا کرتا تھا۔"

(تاریخ الخلفاء)

بعد بیعت عبدالملک نے جو پہلا خطبہ دیا، اس کا ایک اقتباس عقدالفرید کے حوالے سے مولانا حسن نظامی نے تحریر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

> "اے لوگو! میں عثمان کی طرح کمزور نہیں ہوں اور معاویہ کے مثل مکاری بھی مجھ میں نہیں ہے۔ میرا تو بس ایک سخن ہے، جو شخص گردن سے کہے گا ایسا (انکار کا اشارہ) تو میری تلوار جواب دے گی ایسا (قتل کرنے کا اشارہ)۔ خدائے تعالیٰ نے کچھ حدود اور کچھ فرائض مقرر کیے ہیں۔ اگر تم ان سے آگے بڑھوگے اور نافرمانی کی طرف جاؤ گے تو میری سخت گیری بھی بڑھنا شروع کرے گی، یہاں تک کہ ہم تلوار کے پاس پہنچ جائیں گے۔"
>
> (یزید نامہ۔ص ۱۵۶)

ام الدرداء نے ایک مرتبہ پوچھا کہ امیرالمومنین میں نے سنا ہے کہ آپ

قربانی اور عبادت کے بعد شراب پیتے ہیں، تو کہا کہ ہاں خدا کی قسم میں اس خون کو پیتا ہوں۔ (عقد الفرید والفرقۃ الناجیہ ص ۱۰۰)

اسے بنی ہاشم سے عمومی اور حضرت علیؑ سے خصوصی نفرت تھی۔ چنانچہ علامہ حسن نظامی تاریخی حوالوں سے واقعہ تحریر کرتے ہیں:

''حضرت ابن عباس کے ایک صاحب زادے کا نام حضرت علیؑ نے اپنے نام پر علی رکھا تھا اور کنیت بھی اپنی ہی ابوالحسن دی تھی۔ حافظ ابو نعیم ''حلیۃ الاولیاء'' میں لکھتے ہیں کہ ایک دن یہ ابوالحسن عبدالملک ابن مروان کے پاس تشریف لے گئے تو وہ بگڑ کر بولا ''مجھے تیرا نام اور کنیت سننے کی تاب نہیں ہے، لہٰذا میں تجھ کو ابو محمد کہا کروں گا۔''

(تاریخ کامل، جلد ۴۔ یزید نامہ، حسن نظامی، ص ۱۵۴)

سمجھا جا سکتا ہے کہ جس کے دل میں حضرت علیؑ سے اس قدر گہرا بغض ہو، وہ اپنے دورِ حکومت میں علیؑ کے شیعوں سے کس طرح پیش آیا ہوگا، چنانچہ اس نے اپنی طاقت بھر شیعوں کو اپنے دورِ حکومت میں برباد کیا۔

اس کے گرے ہوئے اخلاق کا اندازہ اس تاریخی واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے:

''عبدالملک نے سیب کو ایک دن دانتوں سے کتر کر کھایا اور کترا ہوا باقی سیب اپنی بیوی لبابہ بنتِ عبداللہ جعفر بن ابی طالب کو دیا۔ لبابہ نے عبدالملک کی گندہ دہنی اور منہ کی بیماری سے کراہت کے سبب چھری منگائی تاکہ اس کو چھیل کر اور صاف کر کے کھائیں۔ (عبدالملک کے منہ میں کچھ مرض تھا۔ اس کے سبب اس کے منہ پر کھیاں بھنکا کرتی تھیں، اور لوگ اس کو اسی وجہ سے ابوالزباب (مکھیوں کا باپ) بھی کہنے لگے تھے)۔ عبدالملک نے پوچھا چھری کا کیا کرو گی؟ لبابہ نے کہا اس کو صاف کر کے کھاؤں گی۔ عبدالملک کو یہ اس قدر گراں گزرا کہ اس نے

والوں میں شیعہ مسلک کے علاوہ اہلسنت کے بڑے علماء اور دانشور۔۔۔۔۔بھی شامل ہیں۔مشہور اہلسنت عالم عزالدین بن ابی الحدید معتزلی کی شرح تو نہج البلاغہ کی شرحوں میں سب سے زیادہ مشہور شرح ہے جو ۲۰ ضخیم جلدوں میں پھیلی ہوئی ہے۔

''کتاب نامۂ نہج البلاغہ'' میں علامہ رضا استادی نے ۳۷۰ ترجموں اور شرحوں کا ذکر کیا ہے، ظاہر ہے اتنی شرح اور ترجمے تو ان کے علم میں آسکے، اس سے بھی زیادہ کے امکانات موجود ہیں، حالانکہ یہ کام اب بھی مسلسل جاری ہے اور اس میں ایک گراں قدر اضافہ ہمارے ہندوستان سے علامہ ذیشان حیدر جوادی مرحوم کی شرح ہے۔ان شرحوں اور ترجموں کے علاوہ جو مواد نہج البلاغہ پر لکھا گیا ہے وہ بے شمار ہے۔ نہج البلاغہ پر قلم اٹھانے والوں میں تمام مسالک کے علماء کے علاوہ غیر مسلم خصوصاً انگریز دانشوران بھی ہیں۔

مشہور عربی عیسائی محقق جارج جرداق نے جو اپنی عالمی شہرت یافتہ تصنیف ''صوت العدالۃ انسانیہ'' لکھی، اس کا کہنا ہے کہ اس نے وہ کتاب نہج البلاغہ کا ۲۰۰ر مرتبہ مطالعہ کرنے کے بعد تحریر کی۔

مگر اس سب کے باوجود ایک ایسا طبقہ بھی موجود ہے جس کو نہج البلاغہ کے کلامِ امیر المومنین ہونے میں شبہ ہے اور ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ امیر المومنین علیؑ کا کلام نہیں ہوسکتا۔۔۔۔۔۔اس میں علامہ ابن خلکان سرِ فہرست ہیں، بلکہ وہ اس سلسلہ میں شکوک قائم کرنے کے بانی ہیں۔علامہ ابن خلکان کے ذہن میں اچانک شکوک پیدا ہوئے اور ان کے بھی ۱۰۰ر سال بعد ذہبی نے ابن خلکان کے شکوک کو یقین کی سرحدوں سے ملا دیا۔مزے کی بات یہ ہے کہ نہج البلاغہ کی تصنیف کے تقریباً ۲۵۰ر سال بعد ہمیں پہلی آواز سنائی دی جس میں ابن خلکان نہج البلاغہ کے حضرت علیؑ کی تصنیف ہونے میں شبہ کررہے ہیں، گویا ۲۵۰ر سال تک علماء و دانشوران میں اس کے کلام امیر المومنین ہونے میں کوئی شک نہیں تھا۔

فوراً لبابہ کو طلاق دے دی۔ کچھ عرصہ بعد لبابہ کا عقد ثانی علی ابن عبداللہ ابن عباس (جن کا ذکر ابھی اوپر حضرت علی سے بغض کے واقعہ میں لکھا ہے) سے ہوگیا۔ عبدالملک نے لبابہ کو پیغام بھیجا کہ گنجا ہاشمی تجھے مبارک ہو۔ انھوں نے جواباً کہلا بھیجا کہ گنجا ہاشمی مجھے گندہ دہن اموی سے زیادہ پیارا ہے۔ عبدالملک کو یہ طنز اس قدر ناگوار ہوا کہ اس نے لبابہ کے ان ہاشمی شوہر کو کوڑوں سے پٹوایا اور کہا تیرا یہ حوصلہ کہ شاہانِ وقت کی بیویوں سے شادی کی جسارت کرے۔'' (دارۂ معارف عربی انسائیکلوپیڈیا جلد اوّل، ص ۷۹۴، بحوالہ یزید نامہ، ص ۱۵۵)

دھوکہ، فریب اور ظلم دیگر امویوں کی طرح اس کی بھی رگ رگ میں پیوستہ تھا۔ جب عبدالملک مصعب ابن زبیر کی مہم کو سر کرنے کے لئے بذاتِ خود نکلا تو ابھی چند منزلیں ہی قطع کی تھیں کہ معلوم ہوا عمر بن سعید الاشدق نے بغاوت کر دی اور دار الحکومت پر قبضہ کر لیا۔ مجبوراً مہم کا رخ بدل گیا اور عبدالملک نے دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ حالات کچھ ایسے بنے کہ دارالحکومت قبضہ میں ہونے کے سبب عبدالملک کو صلح پر مجبور ہونا پڑا۔ صلح اس بات پر ٹھہری کہ عبدالملک کے بعد عمرو ابن سعید الاشدق کو حکومت کے لئے نامزد کیا جائے۔ عبدالملک نے قبول تو کر لیا مگر اس کا سازشی ذہن سعید کو راستے سے ہٹانے کی ترکیبیں سوچتا رہا۔ چنانچہ اس نے اچانک عمرو کا انتہائی اعزاز واکرام کرنا شروع کیا۔ اس نے اپنی گفتگو، اپنے طور طریقہ اور ہاؤ بھاؤ سے یہ ظاہر کرنا شروع کیا کہ عبدالملک سے ٹکراؤ ٹالنے کے سبب جیسے عبدالملک کے دل میں عمرو کی انتہائی عزت ہو۔ اس نے اس ڈرامہ کو یہاں تک پھیلایا کہ عمرو اس کا گرویدہ ہوگیا۔ عمرو بن سعید الاشدق کے ساتھ عبدالملک کی خصوصی عنایات جاری رہیں۔ ایک دن عبدالملک نے اسے طلب کیا۔ جب عمرو بن سعید نے جانے کا قصد کیا تو اس کی بیوی نے اور عزیز واقارب نے اسے جانے سے منع کیا، لیکن اس نے جواب دیا ''وہ مجھ پر اتنا مہربان

ہے کہ اگر میں سوتا ہوا ہوں اور اسے کوئی سخت ضرورت پیش آجائے تو مجھے آرام سے جگانا بھی گوارا نہ کرے گا بلکہ اس ضرورت کو ترک کردے گا اور میرے از خود جاگ جانے کا منتظر رہے گا۔'' عزیز و اقارب نے جب زیادہ اصرار کیا تو چار ہزار سپاہی ساتھ لیتا گیا اور محل کے چاروں طرف پھیلا دیا کہ کوئی گڑبڑ ہو تو مدد کریں۔ عبدالملک سے ملاقات ہوئی تو اس نے بڑے ہی محبت بھرے انداز میں یوں استقبال کیا جیسے دنیا میں اگر وہ کسی سے ٹوٹ کر محبت کرتا ہے تو بس وہ عمرو ہی ہے۔ کچھ دیر گفتگو ہوئی۔ ذہن بٹانے کے لئے اس نے امورِ سلطنت کے کچھ معاملات پر گفتگو کی۔ پھر نماز کا وقت قریب ہونے لگا تو عبدالملک بولا ''ابھی نماز کا وقت ہونے والا ہے، نماز سے پہلے ایک منت پوری کرلیں۔ دراصل میں نے قسم کھائی تھی کہ دمشق کا محاصرہ توڑوں گا تو آپ کے گلے میں طوق اور ہاتھوں پیروں میں ہتھکڑیاں بیڑیاں ڈالوں گا۔ اللہ کا شکر ہے کہ معاملہ صلح پر ختم ہوگیا۔ ہمارے آپسی اختلافات دور ہوگئے اور محبت وانسیت نے راہ لی۔ بہر حال قسم کی منت پوری کرنا باقی ہے۔ میں نے آپ کے لئے یہ چاندی کا طوق، ہتھکڑیاں، اور بیڑیاں تیار کرائی ہیں۔ کیا مجھے اجازت ہے کہ انھیں ڈال کر نکال لوں، تا کہ قسم کی منت پوری ہوسکے۔'' عمرو بن سعید کی عقل پر تو عبدالملک کے اخلاص کا پردہ پڑ چکا تھا۔ اس نے بلا چون و چرا اپنے ہاتھ آگے بڑھا دیئے۔ عبدالملک نے اسے چاندی کی ہتھکڑیاں، بیڑیاں لگا کر جکڑ دیا۔ اتنے ہی میں اذان کی آواز آگئی۔ اس نے امامت کے لئے جاتے ہوئے اپنے بھائی عبدالعزیز ابن مروان سے کہا کہ میری واپسی کے وقت مجھے اس کا سر اترا ہوا ملے۔ عبدالعزیز نے تلوار کھینچ کر عمرو پر حملہ کرنا چاہا تو وہ بہت گڑگڑایا۔ عبدالعزیز کو رحم آگیا اور وہ اپنے ارادے سے باز آیا۔ عبدالملک واپس ہوا اور اس نے یہ ماجرا دیکھا تو بھائی کو خوب برا کہا اور تلوار اس کے ہاتھ سے لے کر عمرو بن سعید کا سر کاٹ لیا اور لاش تخت کے نیچے چھپا دی۔ اتنے ہی میں اس کا ایک حامی سردار اندر آیا۔ اس کی نظر تخت کے نیچے پڑی عمرو بن سعید کی لاش پر چلی گئی۔ مگر وہ

انجان ہو گیا۔ سمجھ گیا کہ عبدالملک ہانپ رہا ہے، حواس باختہ ہے اور لاش کو چھپا رکھا ہے، لہٰذا ڈرا ہوا بھی ہے۔ اس نے اکیلے ہی عمرو کو قتل کیا ہے۔ عبدالملک اس سے بولا کہ عمرو بن سعید کا کیا کروں؟ سردار نے کہا ''حضور اس کا علاج یہ ہے کہ اس کو قتل کر ڈالا جائے۔'' عبدالملک نے کہا مگر یہ ممکن کیسے ہو گا؟ مجھے معلوم ہوا ہے کہ عمرو بن سعید کے بہت سے مسلح سپاہی محل کے چاروں طرف موجود ہیں۔ سردار نے جواب دیا ''یہ کوئی مشکل نہیں۔ آپ عمرو بن سعید کا سر کاٹ کر محل سے باہر پھینک دیجئے اور اس کے فوراً بعد اشرفیوں کی تھیلیاں بھی پھنکوا دیجئے۔ لوگ اشرفیوں کو دیکھ کر انتقام بھول جائیں گے۔'' عبدالملک کو یہ تجویز بہت پسند آئی۔ اس نے ایسا ہی کیا اور سب کچھ توقع کے مطابق ہوا۔ لوگ اشرفیاں لوٹنے لگے اور معاملہ ختم ہو گیا۔ (عقد الفرید، ص ۲۳۲)

عبدالملک کیونکہ خود انتہائی ظالم، سفاک اور دین دشمن تھا، چنانچہ اس کی فوج اور امراء میں خود بہ خود یہ اثر ہونا ہی چاہیے تھا۔ اس کے ساتھیوں کی بے دینی اور مذہب بیزاری کا حال یہ تھا کہ اس نے ایک لشکر مدینہ پر بھیجا جس کا امیر جیش بن دلجہ تھا۔ اس نے مدینہ میں داخل ہونے پر مسجد نبوی کی راہ لی۔ منبر رسول پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور عبدالملک کی بیعت لینے لگا۔ کچھ دیر بعد بھوک لگی تو منبر پر ہی کھانا منگوایا اور منبر پر بیٹھے بیٹھے کھانا کھایا۔ اس کے بعد پانی منگا کر منبر پر ہی وضو کیا۔ (عقد الفرید، جلد ۲)

اپنے وقت کا ظالم ترین شخص حجاج بن یوسف اسی عبدالملک کا فوجی افسر تھا۔ عبدالملک نے اسے ظلم کی چکی پوری رفتار سے چلانے کی چھوٹ دی تھی۔ چنانچہ جب وہ مکہ کی طرف ابن زبیر کے مشن پر نکلا تو اس نے پھر یزید کے دور کی سیاہ کاریوں کی تجدید کی۔ ابن زبیر سے مقابلہ آرائی میں اس نے آگ کے گولے کعبۂ پاک کی طرف پھینکے جن سے غلافِ کعبہ میں آگ لگ گئی اور دیواریں شکستہ ہو گئیں۔ ابن زبیر کو قتل کرنے کے بعد اس نے خانۂ کعبہ کو بالکل منہدم کر دیا۔ (تاریخ کامل، جلد ۴)

ابن زبیر کو قتل کرنے کے بعد اس نے کسی کو ان کے جنازے پر نماز نہ

پڑھنے دی اور لاش کو یہودیوں کے قبرستان میں پھنکوا دیا۔ (تاریخ کامل، جلد ۴)

اپنی اس فتح مکہ کے بعد ۷۴ھ ہجری میں حجاج مدینہ پہنچا تو اس نے وہاں خونریزی اور ظلم کی وہ، وہ ہولناک تصویریں پیش کیں جو چشمِ فلک نے اب سے پہلے شاذ ہی دیکھی ہوں گی۔ اس نے صحابہ کو گالیاں دیں، کوڑوں سے پٹوایا اور بڑے بڑے صحابہ کی گردنوں اور ہاتھوں پر اطاعتِ عبدالملک کے داغ لگائے۔ ان میں انس، حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت سہیل بن سعد الساعدی جیسے اکابر صحابہ تھے۔

(علی الایام، ص ۳۳۷۔ بحوالہ ''یزید نامہ'' خواجہ حسن نظامی)

عبدالملک نے معاویہ کی طرح اپنی زندگی میں اپنے بیٹے ولید اور سلیمان کے حق میں بیعت لینا شروع کی تو اہل مدینہ کے لئے بھی اس کا پیغام پہنچا۔ لوگ عبدالملک اور اس کے گورنروں اور اس کے ساتھیوں کے ظلم سے اس قدر ڈرے ہوئے تھے کہ سب نے بیعت کرلی۔ مگر سعید بن مصعب نے اس روش کی مخالفت کی کہ عبدالملک زندہ ہے تو میں بیٹوں کی بیعت کیوں کروں۔ حاکمِ مدینہ ہشام بن اسماعیل نے ان کو ٹاٹ پہنوا کر کوڑے لگوائے۔ (عقد الفرید، ص ۲۳۸)

عبدالملک اولادِ حضرت علیؑ اور سادات کا بدترین دشمن تھا۔ چنانچہ اپنے ۲۱ رسالہ دورِ حکومت میں اس نے کئی مرتبہ امام زین العابدینؑ کو طوق وزنجیر میں اسیر کر کے مدینہ سے شام طلب کیا۔ (روضۃ الصفاء، شواہد النبوۃ)

اسے حکومت کرنے کا کافی وقت ملا اور اس نے اپنے دورِ حکومت میں بغاوتوں کو کچل ڈالا اور حکومت میں جو کمزوری تھی، اس کے دور میں ذور ہوئی۔

ولید بن عبدالملک

عبدالملک نے اپنے ایک بیٹے کا نام ولید رکھا تھا، حالانکہ پیغمبر اسلام نے اپنی امت کو اپنے بچوں کا ولید نام رکھنے سے منع فرمایا تھا۔ ولید نام فرعون کا تھا۔

فرماتے تھے میری امت میں بھی ایک ولید ہوگا جو ثانی فرعون ہوگا۔ عبدالملک نے اپنی حیات میں ہی اس کے لئے بیعت لے لی تھی۔ (الفرقۃ الناجیہ)

حضرت عمر بن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے ولید نے شام کی سرزمین کو، حجاج نے عراق کی سرزمین کو اور عثمان بن جبارہ نے حجاز اور قرہ ابن شریک نے مصر کی سرزمین کو ظلم سے لبریز کر دیا۔

علامہ جلال الدین سیوطی اس کے حالات میں اپنی مشہور تاریخ ''تاریخ الخلفاء'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''ولید بڑا ظالم، جابر اور نرا جاہل تھا۔ اعراب میں غلطیاں کرتا تھا۔ عمر بن عبدالعزیز کہتے تھے کہ جب میں نے ولید کو قبر میں رکھا تو وہ بار بار زمیں پر پاؤں مار رہا تھا (عالمِ اضطراب میں)۔ (گویا کہ دفن سے پہلے ہی عذاب شروع ہو چکا تھا)۔

(تاریخ الخلفاء۔ علامہ جلال الدین سیوطی۔ حالات ولید بن عبدالملک)

وہ فطرتاً ظالم اور بے رحم اور جاہل تو تھا ہی، آلِ رسولؐ کے ساتھ اس کی عداوت خصوصیت رکھتی تھی۔ چنانچہ اسی بدبخت نے حضرت امام زین العابدینؑ، فرزند امام حسینؑ کو زہر سے شہید کرایا۔

سلیمان بن عبدالملک

عبدالملک نے اپنی زندگی میں ہی ولید ابن عبدالملک اور سلیمان بن عبدالملک کے لئے بیعت لے لی تھی۔ چنانچہ ولید ابن عبدالملک کے انتقال کے بعد پچھلی بیعت کی مناسبت سے سلیمان ابن عبدالملک کو خلافت کی مسند ملی۔ یہ بڑا پیٹو تھا۔ علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ ایک ہی وقت میں ۷۰ انار، ایک بکری کا بچہ، چھ مرغ اور کئی سیر کشمش کھا گیا۔

ابن ابی الحدید اس کی غیر معمولی خوراک کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ اس نے بیس بڑے اور ۸۰ روٹیاں کھائیں اور اس کے بعد دوسروں کے ساتھ شریکِ دسترخوان بھی ہوا۔ یہ بھی دیگر بنی امیہ کی طرح بے رحم، ظالم اور دشمنِ اہلبیت تھا۔ اس کے Political advisor رجاء نے اسے وصیت نامہ لکھنے پر تیار کیا۔ اس میں اس نے اپنے بعد عمر ابن عبدالعزیز کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ وصیت نامہ لکھ کر مہر کر دیا گیا۔ پھر اس نے رجاء کو تمام ذمہ داران اور ملّی قائدین کو جمع کرنے کو کہا۔ جب سب جمع ہو گئے تو اس نے رجاء ہی کو یہ مہر بند لفافہ دیا اور کہا کہ سب سے اس عنوان سے بیعت لو کہ اس وصیت نامہ میں جو نام ہے اس کے نام پر بیعت کریں۔ چنانچہ رجاء نے مجمع عام میں لفافہ دکھا کر کہا کہ اس میں جس کا نام ہے، امیر المومنین کے بعد اس کے نام پر بیعت کرو۔ کیونکہ یہ بالکل جداگانہ انداز کی بیعت تھی، لہٰذا بہت سے لوگ منحرف ہوئے اور کہا کہ جب تک بیعت لینے والے کے نام کا علم نہ ہو، ہم بیعت نہیں کر سکتے۔ جب سلیمان کو اس انحراف کی خبر دی گئی تو اس نے کہا سب کے سر کاٹ ڈالو۔ یہ سن کر لوگ دہل گئے اور طوعاً و کرہاً نامعلوم جانشین کی بیعت کر لی۔

(تاریخ الخلفاء۔ حالات سلیمان بن عبدالملک)

سلیمان بھی اپنے پیشرو خلفاء کی طرح ظالم، جابر اور بے دین تھا۔

عمر بن عبدالعزیز

سلیمان ابن عبدالملک کے بعد عمر بن عبدالعزیز بادشاہ ہوئے۔ یہ دو سال پانچ ماہ خلیفہ رہے۔ ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ سلیمان کے بعد جب وصیت نامہ کھولا گیا اور اس میں عمر ابن عبدالعزیز کے لئے وصیت دیکھی تو سب نے انتہائی خوشی اور رغبت سے بیعت کی۔ (الامامت والسیاست، جلد ۲)

ان کو بعض علماء نے بارہ خلفاء میں شامل کیا ہے اور بعض نے نہیں۔ بعض علماء کی ان سے ناراضگی کا سبب یہ رہا کہ انھوں نے اپنے دورِ اقتدار میں دو انتہائی اہم

کام کیئے، جن کو بنی امیہ کی Dynasty میں کرنا یقیناً بہت دشوار ہی نہیں، بلکہ ایک معجزہ سے کم نہ تھا۔

۱۔انھوں نے اہم ترین کام یہ کیا کہ فرمان جاری کر کے تمام ممالک اسلامیہ میں حضرت علیؑ پر خطبۂ جمعہ میں جو سب و شتم امیر معاویہ کے حکم سے اس کے دور میں شروع ہوا تھا، اس کو بند کرادیا۔(تاریخ خمیس، جلد ۲۔نصائح کافیہ ودیگر تواریخ)

۲۔فدک کا وہ تمام علاقہ جو حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی جاگیر تھا اور ابوبکر کے زمانۂ خلافت میں اس کو حکومت نے اپنی تحویل میں جبراً لے لیا تھا اور تب ہی سے اب تک حکومت ہی کے قبضے میں لگاتار چلا آرہا تھا۔عمر ابن عبدلعزیز نے اسے حضرت فاطمہؑ کا حق مان کر اہل بیت اطہار کو واپس کر دیا۔

(تاریخ الخلفاء۔جلال الدین سیوطی)

عمر بن عبدالعزیز اموی سلسلے میں اکیلے ایسے بادشاہ ہیں جن کی تعریف و توصیف سب ہی نے کی ہے۔دراصل وہ بہت ہی عادل اور رحم دل شخصیت کے مالک تھے۔ان کی عدالت اس حد تک پہنچی ہوئی تھی کہ عدالت کے معاملے میں ان کو سنی علماء و مورخین نے عمر ثانی کا لقب عطا کیا ہے، جبکہ ان کے طریقۂ کار میں ہمیں حضرت علیؑ کا اثر دکھائی دیتا ہے۔یہ واقعہ دیکھیں:

''ایک مرتبہ ان کی زوجہ محترمہ نے ان سے خواہش کی کہ عید قریب ہے اور بچوں کے لئے نئے کپڑوں کا اہتمام نہیں ہے۔کیونکہ وہ صرف بیت المال کے وظیفہ پر ہی اپنی زندگی گزارتے تھے اور وہ رقم اتنی نہیں تھی کہ بچوں کا لباس تیار کرایا جاسکتا،لیکن بیوی کی مامتا دیکھ کر انھوں نے وعدہ کیا کہ ٹھیک ہے، ہم انتظام کر دیں گے۔صبح انھوں نے اپنے خزانچی کو ایک خط لکھا کہ بچوں کے لئے عید کے کپڑے تیار کرانے ہیں اس لئے اگلے مہینہ کا وظیفہ ہمیں پیشگی ادا کر دیا جائے۔خزانچی نے اسی خط کی

پشت پر جواباً تحریر کردیا ''امیر المومنین، کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ اتنے دن زندہ رہیں گے؟'' عمر ابن عبدالعزیز نے اسی وقت بچوں کے لئے لباس بنانے کا ارادہ ترک کردیا اور بیوی سے معذرت کرلی۔''

عمر بن عبدالعزیز اپنی اسی عدالت کی بنا پر انتہائی ہر دلعزیز تھے۔

خلافت ملنے سے پہلے جب وہ ولید بن عبدالملک کے زمانے میں گورنر تھے تو خلیفہ کے حکم سے ایک شخص کو بغیر کسی جائز وجہ کے ۵۰ رکوڑے لگوائے گئے، پھر سردی کے زمانے میں اس کے سر پر ٹھنڈے پانی کی مشکیں چھوڑی گئیں اور پھر سارا دن مسجد کے دروازے پر کھڑا رکھا گیا۔ اسی سبب سے اس کی موت ہوگئی۔ عمر بن عبد العزیز نے خلیفہ کے حکم کی تعمیل تو کردی، مگر اس کے بعد طبیعت میں اس قدر تکدر پیدا ہوا کہ انھوں نے گورنری چھوڑ دی اور گوشہ نشین ہوگئے۔ چنانچہ جب ان کو سلیمان بن عبدالملک کے بعد خلافت کی خبر دی گئی تو وہ آمادہ نہ ہوئے، لیکن بعد میں قبول کیا اور ہر ممکن کوشش کی کہ بنی امیہ کے ظلم کی تلافی کریں اور حکومت کی اصلاح کریں۔ ان کا یہ رخ اموی مفادات کے قطعی خلاف تھا۔ اس لئے بنی امیہ میں بے چینی کا ماحول پیدا ہوگیا۔ فدک کی واپسی اور حضرت علیؑ پر سب و شتم بند کرانے اور بنی ہاشم کا لحاظ کرنے سے امویوں کو یہ شبہ ہونے لگا کہ کہیں وہ بنی امیہ کی موروثی حکومت کا خاتمہ کرکے کسی غیر بنی امیہ کو جانشین نہ بنادیں کہ یہ بادشاہت کا سلسلہ ہی ختم ہوجائے۔ چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو زہر دے دیا گیا اور اسی کے سبب انھوں نے وفات پائی۔

یزید بن عبدالملک بن مروان

۱۰۱ھ ہجری میں، جب عمر بن عبدالعزیز کا انتقال ہوگیا تو اپنے بھائی سلیمان بن عبدالملک کی اسی وصیت کے مطابق جس کے ذریعہ عمر ابن عبدالعزیز کو خلافت ملی تھی، ان کے بعد تختِ خلافت پر بیٹھا۔

عمر بن عبدالعزیز کے تخت خلافت پر بیٹھنے سے کیونکہ بنی امیہ کی ظالمانہ روش جو چلی آرہی تھی، اس کا رخ تبدیل ہو گیا تھا اور حکومت کے کارندوں اور عوام میں پھر سے اصلاح ہونے لگی تھی، یزید نے بھی تختِ خلافت پر بیٹھنے کے بعد عمر ابن عبدالعزیز کو ہی اپنا آئیڈیل بنایا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ ''میں عمر بن عبدالعزیز سے زیادہ خدا کا محتاج ہوں۔'' چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء میں اس کے حالات کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ تقریباً ۴۰ دن تک وہ اپنی صالحانہ روش پر قائم رہا، مگر کیونکہ بنی امیہ کو عمر بن عبدالعزیز کی ہی روش پسند نہ تھی لہٰذا انھیں یزید کا یہ طرز قطعی پسند نہیں آیا۔ یزید محض عمر ابن عبدالعزیز سے متاثر تھا۔ اس میں بذات خود وہ خوبیاں اور دینداری نہ تھی جو عمر ابن عبدالعزیز میں تھیں۔ لہٰذا بنی امیہ کے اہم لوگوں نے اسے بنی امیہ کی اہم وراثت ظلم وتعدی کی طرف واپس لانے کی مہم شروع کی۔ چنانچہ علامہ سیوطی تحریر کرتے ہیں کہ بڑے بڑے سفید ریش محدثین وعلماء اس کے پاس آئے اور کہا کہ خلیفۂ وقت کے لئے نہ حساب ہے نہ کتاب ہے، نہ اسے عذاب ہے، وہ جو کچھ بھی کرے سب معاف ہے۔ ان نام نہاد خود ساختہ محدثین وعلماء نما لوگوں کے اس بیان کے بعد وہ اپنی اصل کی طرف لوٹ گیا اور شراب اور عورتوں میں گھر گیا۔ علامہ طبری نے اپنی تاریخ میں اس کی ایک کنیز خاص حبابہ کا ذکر کیا ہے، جس کے ساتھ وہ عیش و طرب میں مشغول رہتا تھا۔ ایک دوسری کنیز سلالۃ القیس، جو اس کی بڑی منظورِ نظر تھی، خلافت وحکومت کے کام اس کے سپرد تھے۔

ھشام بن عبدالملک

ہشام عبدالملک کی چوتھی اولاد تھی جس نے خلافت وحکومت کا مزا لوٹا۔ ہشام انتہائی سنگ دل اور بے رحم انسان تھا۔ آلِ رسول کے ساتھ اس کا بغض وحسد خصوصی تھا۔ چنانچہ اس کے دور اقتدار میں جہاں بڑی بڑی عزتیں پامال ہوئیں، صالح

اور دیندار لوگوں کا خون بہایا گیا، وہیں حضرت زید کا واقعہ اپنے آپ میں بنی امیہ کی سیاہ کاریوں کی ایک روشن مثال بن گیا۔

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ جب ۱۱۵ ہجری میں وہ تخت حکومت پر بیٹھا تو اس کو آل رسولؐ اور اہل بیتؑ اطہار سے جو عداوت تھی اس کو نبھانے کا ایک اچھا موقع ہاتھ آیا۔ چنانچہ اس نے بنی ہاشم اور ان کے ہمنواؤں کے ساتھ انتہائی بربریت اور تحقیر آمیز سلوک کرنا شروع کیا۔ اس کے پیرو اور اس کی حکومت کے کارندے اس معاملہ میں اتنا آگے نکل گئے کہ لوگوں کو اپنی عزتیں محفوظ رکھنا اور حکومت کے غضب سے بچے رہنا آسان نظر نہ آیا۔ جب ظلم حدوں سے آگے نکلنے لگا تو تمام لوگ حضرت زید ابن علی (امام زین العابدینؑ) کے پاس جمع ہوئے۔ حضرت زید یکتائے زمانہ سخی، شریف، عابد و زاہد بے بدل، متقی اور فقیہ تھے۔ ان میں امام زین العابدین جیسی خوبیاں اور اخلاق موجود تھے۔ چنانچہ لوگوں کا خیال تھا کہ ان کے ذریعہ اپنی تکالیف ہشام ابن عبدالملک تک پہنچائی جائیں تو شاید وہ متوجہ ہوگا۔ غالباً انھیں یہ خیال رہا ہوگا کہ حکومت کے کارندے ازخود اس طرح کا تحقیر آمیز سلوک کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت زید ابن علی نے تمام لوگوں کی باتیں غور سے سنیں اور ان کی تکالیف کو ہشام تک پہنچانے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ آپ نے سفر شام اختیار کیا۔ طویل اور تکلیف دہ مسافت طے کرنے کے بعد جب حضرت زید شام پہنچے اور ہشام سے ملنے کی طلب کی تو آپ کی طرف کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ بار بار کے بعد ہشام نے ملاقات کا وقت دیا تو بجائے اس کے کہ حضرت کی آمد کا سبب معلوم کرتا اور ان کی باتوں کو سماعت کرتا، سخت توہین کے ساتھ پیش آیا۔ اس نے بھرے دربار میں آپ کو نہ صرف بے عزت کیا بلکہ زخمی کر کے دربار سے باہر پھنکوا دیا۔ ان واقعات کو علامہ مقریزی نے اپنی کتاب ''النزاع والتخاصم فیما بین بنی ہاشم و بنی امیہ'' میں، علامہ مسعودی نے اپنی مشہور تاریخ ''مروج الذہب'' جلد ۲ میں اور علامہ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں

۲۵۰ رسال بعد اچانک ابن خلکان کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا اور پھر ذہبی نے اس کے کلام امیر المومنین ہونے کا اس گراؤنڈ پر انکار کر دیا کہ اس میں حضرات شیخین پر غصبِ خلافت کا الزام بھی موجود ہے، خصوصیت سے خطبہ شقشقیہ کے سبب وہ اسے کلام امیرؑ ماننے کو تیار نہیں، اگر صحیح اور غلط کا معیار یہی مان لیا جائے تو رسولؐ کی بعض مستند احادیث بھی اس کی زد میں آ جائیں گی اور ان کے لکھنے والے علماء کا اعتبار بھی جاتا رہے گا۔

اس صدی کے بہت بڑے عالم جن سے ملاقات کرنے اور ان کی تقاریر سننے کا مجھے بھی اتفاق ہوا مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی اپنی مشہور کتاب ''المرتضیٰ'' میں اس سلسلہ میں نہج البلاغہ کے کلام بلاغت کی بہت مدح وثناء کرنے کے بعد استاد احمد حسن الزیات کی مشہور کتاب ''تاریخ الادب العربی'' سے یہ تحریر نقل کرتے ہیں:

> ''کچھ لوگوں کا رجحان اس طرف ہے کہ اس مجموعہ کا بڑا حصہ شریف رضی کی تصنیف ہے کیونکہ اس میں صحابہ کرام پر طنز وتعریض ہے اور ان کے حق میں نامناسب الفاظ آ گئے ہیں۔۔۔۔۔ظاہر ہے کہ اس مجموعہ میں بہت کچھ حضرت علیؑ کا کلام ہے اور زیادہ حصہ اُن سے منسوب کیا گیا ہے۔''

مولانا علی میاں انھیں کے ہم فکر ہو کر ان کی تحریر پر اپنی رائے دیتے ہیں:

> ''لیکن ایک صاحب بصیرت ناقد جس کو اس عصر کی زبان واسلوب سے واقفیت اور اس کا ذوق ہے وہ جانتا ہے کہ حضرت علیؑ کو استثنائی طور پر کیا ذہنی صلاحیتیں اللہ نے عطا کی تھیں اور انسانی نفوس کے کیا تجربات ان کو حاصل تھے، زندگی کے سرد وگرم کا انھیں کس درجہ تجربہ تھا، جس کو یہ معلوم ہے وہ بآسانی تمیز کر سکتا ہے کہ کون سا کلام ان کے شایانِ شان ہے اور کون سا نہیں اور ان باتوں کو بآسانی تمیز کر سکتا ہے جو ان کی طرف منسوب ہیں۔''
>
> (المرتضیٰ، صفحہ-286)

تفصیل سے لکھا ہے۔ دوسرے مورخین نے بھی تفصیلاً یہ واقعات تحریر کیے ہیں۔ انتہائی ذلت آمیز برتاؤ کے ساتھ اور زخمی حالت میں ہشام کے دربار سے نکالے جانے کے بعد آپ نے دفعِ ظلم کا ارادہ کیا اور شام سے سیدھے کوفہ تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے اپنے ہم خیال لوگوں کو جمع کیا اور ایک گروپ تیار کرلیا۔ حاکم کوفہ یوسف بن عمر ثقفی ایک مضبوط لشکر لے کر مقابلہ پر آیا۔ سخت معرکہ ہوا۔ حضرت زید اپنی خاندانی روایت کے مطابق جنگ کررہے تھے اور رجز میں یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

ازل الحیات وعز الممات		وکلا اراہ طعاما و بیلا
فان کان لابد من واحد		فیسری الی الموت سیرا جمیلا

یعنی ذلت کی زندگی اور عزت کی موت، دونوں لقمے بہت تلخ معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اگر دونوں میں سے ایک لازمی ہوجائے تو اے نفس خوشی کے ساتھ موت کی طرف بڑھ۔ یہ وہی فکر تھی جو کربلا میں امام حسینؑ نے پیش کی تھی۔ الغرض دورانِ معرکہ ایک تیر پیشانی مبارک پر آکر لگا اور آپ نے شربتِ شہادت نوش فرمایا۔ آپ کے فرزند جلیل حضرت یحییٰ ابن زید بھی اس معرکہ میں آپ کے ساتھ تھے۔ حضرت زید کی شہادت کے فوراً بعد آپ نے اپنے چند ناصروں کے ساتھ حضرت زید کی لاش کو اٹھا کر خفیہ طریقے سے شہر کے باہر نہر کے کنارے اس طرح دفن کردیا کہ اوپر سے نہر کا پانی جاری کردیا۔ مقصد بنی امیہ کے روایتی وحشی پن اور درندگی سے لاش مبارک کو محفوظ کرنا تھا، کیونکہ آپ کے سامنے پوری تاریخ اور بنی امیہ کی فطرت تھی کہ وہ مذہبی اقدار کو پامال کرتے ہوئے لاشوں کو بے حرمت کرتے ہیں۔ لیکن چند بدبخت مفسدوں نے یوسف کو یہ خبر کردی۔ چنانچہ اس نے قبر کھدواڈالی، لاش کو نکلوالیا، سر کاٹ کر شام ہشام کے پاس روانہ کردیا اور پھر ہشام کے حکم سے حضرت زید کے جسم کو قطعی برہنہ کرکے سولی پر لٹکوادیا۔ ہشام کے پورے دورِ حکومت میں مظلوم فرزند رسول کا برہنہ جسم یوں ہی سولی پر لٹکارہا۔ اور ۱۲۱ ہجری سے لے کر ۱۲۶ ہجری تک ظلم، بربریت، وحشی

پن، کمینگی اور ذلالت کی یہ انتہائی نمائش جاری رہی۔ ۱۲۶ ہجری میں جب ولید بن یزید تختِ حکومت پر آیا تو اس نے حکم دیا کہ لاش کو سولی سے اتار کر استخوان اور باقیات کو جلا دیا جائے۔ چنانچہ لاش مبارک کو ان درندوں نے آگ میں جلا دیا اور پھر خاک کو ہوا میں منتشر کر دیا۔ بنی امیہ کے اسی بھیانک چہرے کو حضرت علیؑ نے اپنی پیشین گوئی کے آئینے میں کس طرح زمانے کو پہلے ہی دکھا دیا تھا۔

امام ابوحنیفہ نے حضرت زید کے قیام کو جنگ بدر میں رسول اللہ کے خروج سے تشبیہ دی تھی۔ یعنی ان کے نزدیک جس طرح آنحضرتؐ کا جنگ بدر میں حق پر ہونا غیر مشتبہ ہے، اسی طرح حضرت زید کا ہشام پر خروج میں حق پر ہونا غیر مشتبہ ہے۔ ایک طرح سے یہ کفر و اسلام کی جنگ ہوئی، جیسے کہ جنگ بدر کفر و اسلام کی جنگ تھی۔

شاہانِ بنی امیہ کی شان میں قصیدہ پڑھنے والے نام نہاد درباری شاعروں کو پتہ ہونا چاہیے کہ وہ اسلام کے باغیوں کے مداح ہیں۔

حضرت زید کے بعد اس تحریک کی کمان حضرت یحییٰ نے، جو آپ کے انتہائی متقی فرزند تھے، سنبھالی۔ دشمن کی فوجوں سے لڑتے ہوئے یہ بھی میدان جنگ میں شہید ہوئے۔ آپ کے سر کو بدن سے جدا کر کے ہشام ملعون کے پاس بھیج دیا گیا اور پدر، بزرگوار کی مانند ہی آپ کے جسم کو بھی اسی طرح سولی پر لٹکوا دیا گیا۔ تقریباً چھ سال تک یہ مظلوم بھی اسی طرح دار پر لٹکے رہے۔ یہاں تک کہ ولید ملعون کے واصل جہنم ہونے کے بعد ابومسلم خراسانی نے جو بنی عباس کی حمایت میں بنی امیہ کے مقابلے پر اٹھا تھا، لاش مبارک کو سولی سے اتروا کر جرجان میں دفن کرایا۔ اور یہ مقام خلائق عالم کے لیے زیارت گاہ بنا اور آج تک بنی امیہ کے ظلم کا گواہ بنا ہے۔

ہشام ملعون ہی نے حضرت امام محمد باقرؑ کو خفیہ طریقہ پر زہر سے شہید کرایا۔ اگر اس ملعون کے دور کے تمام مظالم کو نکال دیا جائے تو یہ تین کام (۱) امام محمد باقرؑ کو زہر سے شہید کرانا۔ (۲) حضرت زید کے ساتھ اس کا سلوک اور ان کا قتل، پھر لاش کی دل

ہولا دینے والی بے حرمتی۔ (۴) حضرت یحیی بن زید کی لاش کے ساتھ اس کا سلوک، اس کے نامہ اعمال کو سیاہ کرنے اور خدا کے غضب کو جوش میں لانے کے لئے بہت کافی ہیں۔

ولید بن یزید بن عبدالملک

علامہ جلال الدین اس کے لئے تحریر کرتے ہیں کہ:

''ولید فاسق و فاجر، شراب خوار، اور حرماتِ خدا کی تضحیک و توہین کرنے والا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے حج کا ارادہ اس نیت کے ساتھ کیا کہ کعبہ شریف کی چھت پر بیٹھ کر شراب پیے۔ لوگ اس کے فسق و فجور کے سبب اس کے دشمن ہو گئے اور اس پر خروج کر دیا۔ چنانچہ جمادی الآخر ۱۲۶ ہجری میں لوگوں نے قتل کر ڈالا۔''

یہی علامہ سیوطی آگے تحریر فرماتے ہیں:

''جب ولید مار ڈالا گیا اور اس کے بھائی سلیمان بن یزید نے اس کا کٹا ہوا سر دیکھا تو کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ بڑا فاسق و فاجر اور بدکار تھا اور خود میرے ساتھ اغلام کرنا چاہتا تھا۔'' (حالات ولید بن یزید۔ تاریخ الخلفاء سیوطی)

یہ ملعون ہر وقت عالمِ نشہ میں رہتا تھا۔ علامہ دمیری نے اپنی مشہور تصنیف ''حیوٰۃ الحیوان'' میں تحریر فرمایا ہے کہ ولید نے ایک حوض بنوایا تھا۔ اس میں شراب بھر دی جاتی تھی، یہ اس میں کود پڑتا تھا اور اتنی پیتا تھا کہ کنارے خالی ہونے لگتے تھے۔

علامہ ذہبی، جو ظالموں کی پردہ پوشی میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں، اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس کا کفر و الحاد ثابت نہیں مگر جو کچھ اس کی نسبت مشہور ہے وہ لواطہ اور شراب خواری ہے۔ علامہ ذہبی نے یہ جملہ اس تاریخی حقیقت کو جاننے کے باوجود لکھا ہے کہ اس بدبخت نے ایک دن قرآن مجید کو تیروں سے پارہ پارہ کر دیا اور جب بالکل

ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تو کہا کہ جا! روز قیامت خدا سے کہہ دینا کہ ولید نے مجھ کو پارہ پارہ کر دیا۔

بہت تعجب کا مقام ہے کہ آج ایک معمولی مسلمان اگر کسی کو قرآن کریم کی بے حرمتی کرتے ہوئے دیکھ لے تو اس کا خون کھول جاتا ہے، لڑنے، مارنے اور شہادت پر فائز ہونے تک کو تیار ہو جاتا ہے اور کسی صورت ایسے انسان کو مسلمان تسلیم نہیں کر سکتا۔ مگر علامہ ذہبی اس سنگین تاریخی حقیقت کے علم میں ہونے کے باوجود بھی یہ رعایت برت رہے ہیں کہ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس کا الحاد اور کفر ثابت نہیں، بس شراب خواری اور لواطہ مشہور ہے۔ ظاہر ہے ہمیں اس پر بحث کرنے کا کوئی معقول سبب نظر نہیں آ رہا ہے، لیکن آپ کو یہ ضرور بتاتے چلیں کہ حضرت ذہبی وہ عالم، محدث اور مورخ ہیں جو حضرت علیؑ کی احادیثِ فضائل میں دل کھول کر بحث کرتے ہیں اور قدح کرتے ہیں۔

یہ ولید ایک دن حالتِ نشہ میں تھا۔ اسی حالت میں اس نے ایک کنیز سے جماع کیا۔ اتنے میں اذان کی آواز آئی۔ ولید نے قسم کھائی کہ آج یہی کنیز امامت کرے گی۔ چنانچہ اس نے حالتِ جنابت میں ہی اس کنیز کو مردانہ لباس (علماء کا لباس، عبا، قبا وغیرہ جو امامت کے وقت پہننا مستحب ہے) پہنا کر امامت کو بھیج دیا اور اس نے نشہ اور جنابت کی حالت میں ہی نماز پڑھائی۔

شاہانِ بنی امیہ سے، ہم نے صرف ان لوگوں کے کردار پیش کئے جنھیں سواد اعظم میں خلافت کا منصب حاصل ہے اور اسلام کی نمائندگی کرتے تھے۔ سواد اعظم نے خود بھی مجبوراً خلافت کو خلافت راشدہ اور غیر راشدہ میں تقسیم کر دیا۔ سوچا جا سکتا ہے کہ جب اجماعی خلفاء کا یہ حال ہے جو اسلام کی نمائندگی کر رہے تھے تو باقی شاہانِ بنی امیہ کا کردار، ظلم اور بے دینی کہاں جا کر ٹھہری ہوگی۔ حضرت علیؑ نے اپنے خطبے میں ان بے دین اور انسان نما درندوں کی جو پیشین گوئی کی ہے، وہ ہو بہو قطعی ثابت ہوئی۔

طلحہ وزبیر کے آپسی اختلاف کی پیشین گوئی

طلحہ اور زبیر اپنے زمانے کے دو مشہور دوست تھے۔ ایک روح اور دو قالب کی اگر تاریخ سے کوئی مثال پیش کرنی ہو تو شاید اس سے بہتر کوئی دوسری مثال مشکل سے دستیاب ہو سکے۔ جن لوگوں کی آنکھیں تاریخ کے اوراق کو اپنی نگاہوں کے نیچے سے نکالے ہوئے ہیں، وہ اس بات کی تردید نہیں کریں گے۔ زبیر گو کہ حضرت علیؑ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ بنی ہاشم تھے۔ نرم طبیعت بھی تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ رسولؐ کے بعد کے دور میں کچھ عرصہ تک حضرت علیؑ کے حقوق کے پُر جوش حامی تھے۔ وہ اکیلے ایسے آدمی تھے جو حکومت کی زیادتی کے خلاف سب سے پہلے علیؑ کے حق میں آکر کھڑے ہوئے۔ یہاں تک کہ حضرت عمر جب اپنی فورس کے ساتھ بنی ہاشم (حضرت علیؑ) سے جبریہ بیعت لینے پہنچے تو زبیر نے تلوار نکال لی۔ آمادۂ جنگ ہوئے اور حضرت ابوبکر کی بیعت پر کسی صورت راضی نہ تھے۔ (تاریخ کامل جلد-۲)

مگر بعد میں جیسے جیسے حضرت امیر پر حکومت کی سختیاں بڑھتی گئیں اور حکومت کے طرفداروں کے منہ بھرے جانے لگے۔ وہ بھی حضرت پاکؑ سے منحرف ہو کر حکومت کے گروپ میں شامل ہو گئے۔ ان کی اس تبدیلی پر حضرتؑ کا یہ تبصرہ ہوتا تھا

کہ ''وہ اپنے بیٹوں کے اثر میں آگئے ہیں۔'' طلحہ ان کے بہت ہی قریبی دوست تھے۔ یہ دونوں دوست حضرت ابوبکر کی مخالفت میں ساتھ تھے۔ پھر موافقت میں بھی ساتھ رہے۔ حضرت عمر کے ۱۰؍سالہ دور میں بھی ان کی دوستی پکی اور مضبوط رہی۔ پھر جب حکومت کی دلہن حضرت عثمان کے گھر آن اتری تو دونوں کی خوب بن آئی کیونکہ یہ دونوں ہی حضرت عثمان کے قریبی دوست تھے۔ حضرت عثمان نے ان کی دوستی کا خوب لحاظ کیا۔۔۔ کچھ عرصہ کے بعد حالات تیزی سے بدلے۔ حضرت عثمان کے گورنروں کے مظالم کی داستانیں زبان زدِ خاص و عام ہوئیں۔ ان کے اقتدار کا محل جب متزلزل ہونے لگا اور حالات حضرت عثمان کے بگڑنے لگے تو انھوں نے بھی حضرت عثمان سے آنکھیں پھیرلیں اور اپنا الگ پلیٹ فارم تیار کرلیا۔ ام المومنین عائشہ یہ صدا دے کر کہ ''اس نعثل (عثمان) کو قتل کردو'' مدینہ سے مکہ بغرض طواف خانۂ کعبہ نکل گئی تھیں۔ حضرت عثمان کا گھیراؤ ہونے لگا تھا۔ ملک کے کئی حصوں سے باغیوں کے غول کے غول آکر مدینہ میں اترنے لگے۔ خلیفہ کا محل گھیرا جانے لگا۔ مدینہ پوری طرح فسادیوں کے قبضہ میں آچکا تھا۔ کمزور مرکز طاقتور صوبے شام سے فوجی امداد مانگ رہا تھا اور معاویہ کانوں میں انگلیاں دیئے بیٹھے تھے۔ تاکہ خلیفہ قتل ہوں تو خلافت کا اونٹ ان کے محل کی راہ پکڑے (تفصیلات کے لئے دیگر کتب تواریخ کے علاوہ خصوصیت سے ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری کی مشہور تاریخ ''الفتنۃ الکبریٰ'' کا مطالعہ کریں، جس میں انھوں نے یہ دعویٰ کیا ہے۔ ایسے خطرناک ماحول میں عثمان سے پرانی دوستی اور ان کی کرم فرمائیوں کو یکسر نظر انداز کرکے یہ دوست اپنے چہرہ پر نقاب لگا کر خلیفہ کے محل پر تیر بارانی کرنے لگے۔ میری بات کی تصدیق درج ذیل عبارت سے ہوگی۔

''جن لوگوں نے واقعہ (قتل عثمان) میں کتابیں لکھی ہیں، انھوں نے اس امر کی روایت کی ہے کہ بروز قتل عثمان طلحہ ایک کپڑے سے اپنے کو چھپائے ہوئے لوگوں کی نگاہوں سے خود کو بچا کر عثمان کے گھر پر تیر

برسارہے تھے اور یہ بھی روایت کی ہے کہ جب محاصرین کو گھر کے دروازے سے داخلہ ممکن نہ ہوا تو طلحہ ان کو ایک انصاری کے گھر لے گئے اور ان کو اس گھر کی چھت پر خود چڑھایا۔ وہاں سے وہ لوگ دیوار پھاند کر عثمان کے یہاں گھسے اور انھیں قتل کیا۔'' (شرح نہج البلاغہ، ابی الحدید، جلد-۲)

علامہ ابن ابی الحدید نے اسی مقام پر یہ بھی رقم کیا ہے کہ زبیر ایام محاصرہ میں کہتے تھے ''عثمان کو قتل کردو اس نے تمھارا دین ہی بدل ڈالا۔''

(شرح نہج البلاغہ، جلد-۲)

تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات بالکل آئینہ ہو جاتی ہے کہ قتل عثمان کے روز باغیوں کی کمان طلحہ کے ہاتھوں میں تھی اور زبیر اُن کے ہمنوا تھے۔

خود حضرت عثمان کو ان دونوں کے ساتھ چھوڑ دینے کا احساس تھا۔ تاریخ کے مطالعہ سے یہ پتہ چلے گا۔

واقعۂ قتل عثمان کے بعد جب بیعت حضرت علی کے ہاتھوں پر ہوگئی تو حضرت کی بیعت کرنے میں بھی یہ دونوں دوست ساتھ ساتھ ہی تھے۔ مگر حضرت علیؑ کا دَور بہت سارے اور لوگوں کی طرح ان دونوں کے لئے بھی پھل دار ثابت نہ ہو پایا۔ نہ تو ان کے نام نہاد بڑے قد کے پیش نظر حضرت نے انھیں کسی صوبے کا گورنر بنایا، نہ کوئی دوسرا عہدہ دیا۔ نہ کوئی جاگیر بخشی یہاں تک کہ سلطنت کے امور میں انھیں مشیر تک نہیں بنایا۔ اس کی توقع انھیں نہ تھی۔ انھوں نے جو حضرت کے حالات دیکھے کہ اپنے حقیقی بھائی عقیل کو بیت المال سے کچھ زیادہ مانگنے پر انھیں خالی ہاتھ واپس کر دیتے ہیں۔ بیت المال سے ہر بڑے اور ہر غریب کو برابر وظیفہ ادا کرتے ہیں تو وہ حضرت سے قطعی طور پر مایوس ہوگئے اور پلاننگ کے تحت مکہ چل دیئے۔ یہاں امّ المومنین حضرت عائشہ پہلے ہی موجود تھیں۔ انھیں قتل عثمان کی خبر تو مل چکی تھی مگر بعد کے حالات سے ابھی

تک بے خبر تھیں اور یہ علم نہیں تھا کہ بیعت کس کے ہاتھوں پر ہوئی ہے۔ دونوں دوستوں کے پہنچنے کے بعد وہ حالات سے باخبر ہوئیں۔ حضرت علیؑ کی بیعت کی خبر نے ان کا دل خون کر دیا۔ پھر اچانک نعثل ''مظلوم'' ہوگیا اور اس کے خون کا بدلہ لینے کے لئے انھوں نے خود کمان سنبھال لی۔ حضرت عائشہ کو علیؑ کی بیعت گوارہ نہ تھی اور دونوں دوستوں نے نکث بیعت کر دیا تھا لہٰذا جنگ جمل کا پورا پلان تیار ہوگیا۔ قصاص خون عثمان کا نعرہ بلند ہوگیا۔ کس سے؟ حضرت علیؑ سے۔ انھیں سب منظور تھا علیؑ کی خلافت منظور نہ تھی۔ مؤرخین کا خیال اور الزام ہے کہ حضرت عائشہ کو اس عمل پر طلحہ اور زبیر نے ابھارا۔ گوکہ یہ حضرت عائشہ کی خطا کو کم کرنے کی سمت میں ایک کوشش ہے۔ تاہم سرے سے یہ غلط بھی نہیں کیونکہ حضرت علیؑ کی خلافت عائشہ کو کتنی ہی ناگوار رہی مگر وہ فوجی اقدامات کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھیں۔ طلحہ اور زبیر نے ان کی حیثیت کا فائدہ حاصل کرنے کے لئے اس سخت ترین دلدل میں انھیں دھکیل دیا۔ طلحہ اور زبیر کا سہارا نہ ہوتا تو ''جنگ جمل'' کا سیاہ باب اسلامی تاریخ میں شامل نہ ہوتا۔ (تفصیلات ''تاریخ اعثم کوفی'' میں دیکھئے)

ان دونوں دوستوں کے آپسی تعلقات اور اتنے حالات کا تذکرہ اس لئے ضروری تھا کہ ان سے متعلق حضرت علیؑ کی پیشین گوئی کی اہمیت کا صحیح صحیح اندازہ ہوسکے۔ یہ دونوں دوست ہر سیاہ سفید میں ساتھ ساتھ رہے۔ حکومت کی مخالفت میں ساتھ ساتھ، بیعتِ ابوبکر میں ساتھ ساتھ، بیعتِ عمر میں ساتھ ساتھ، بیعتِ عثمان میں ساتھ ساتھ، عثمان کے خلاف بغاوت میں ساتھ ساتھ، حضرت علیؑ کے ہاتھوں پر بیعت میں ساتھ ساتھ، نکثِ بیعت میں ساتھ ساتھ اور پھر جنگ جمل میں ساتھ ساتھ۔

اس قدر مضبوط، طولانی، بظاہر بے لوث اور مخلصانہ دوستی کو دیکھ کر کون کہہ سکتا تھا کہ یہ دونوں بہت جلد ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوجائیں گے۔ لیکن حالات حاضرہ کے عین برعکس حضرت امیر نے یہ پیشین گوئی فرمائی۔

''وہ دونوں (طلحہ اور زبیر) ایک دوسرے کی طرف سے دلوں میں کینہ لئے ہوئے ہیں۔ بہت جلد ان کا یہ کینہ بے نقاب ہو جائے گا۔ خدا کی قسم اگر وہ اپنے ارادوں میں کامیاب ہو جائیں (یعنی خلیفہ بن جائیں) تو ایک ان میں سے دوسرے کو جان ہی سے مار ڈالے اور دوسرے کو ختم کر کے ہی دم لے۔'' (خطبہ نمبر ۱۴۶۔ نہج البلاغہ)

آیئے جنگ جمل کی روشنی میں اس پیشین گوئی کا جائزہ لیتے ہیں۔ جنگ جمل کے واقعات تمام مستند تواریخ میں موجود ہیں۔ ہم متاخرین میں سے ممتاز مؤرخ شمس العلماء حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی کی تصنیف ''محرم نامہ'' سے جنگ جمل کے کچھ حالات پیش کرتے ہیں اور اسی سے نتائج اخذ کریں گے۔ خواجہ صاحب متاخرین میں مانے ہوئے مؤرخ ہیں۔ ان کا محرم نامہ اکبر الہ آبادی جیسے مبصر تاریخ نے بھی بہت پسند کیا تھا اور شیعہ مصنفین میں مولانا سید امیر حسن صاحب برادر محسن الملک بہادر نے بھی اپنی کتابوں میں اس کے حوالے دیے ہیں۔ ان کی دیگر تاریخی کتابوں میں ''محرم نامہ''، ''یزید نامہ'' اور ''طمانچہ بر رخسار یزید'' بہت مقبول ترین کتابیں ہیں۔ محرم نامہ میں وہ تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت عائشہ حج کو تشریف لے گئی تھیں۔ ان کے پیچھے حضرت عثمان کی شہادت ہوگئی۔ حضرت عائشہ مکہ جاتے وقت حضرت عثمان سے کہہ گئی تھیں کہ تم کو خلقت کی خواہش کے مطابق توبہ کر کے خلافت سے دست بردار ہو جانا چاہیے۔

جب وہ حج سے واپس آئیں تو مدینہ کے قریب ان کو حضرت علی کے چند مخالف ملے اور انھوں نے خوب رنگ آمیزی سے حضرت عثمان کا واقعہ قتل سنایا۔ حضرت عائشہ کو معلوم تھا کہ حضرت عثمان سے آنحضرت کس درجہ محبت رکھتے تھے اور ان کے کیسے کیسے مناقب

حضرت نے بیان فرمائے ہیں۔ جب انھوں نے ان کی ایسی دردناک، بے کسی اور غمناک موت کا حال سنا تو وہ بے تاب ہوگئیں اور زار و قطار روئیں اور ان کو اندیشہ ہوا کہ مدینہ میں حضرت علی کی حکومت سے ان کو بھی تکلیف ہوگی اور ممکن ہے کہ کوئی خطرہ پیش آئے۔ کیونکہ ان کو حضرت علی سے ایک شکایت تھی جس کی بناء پر بشریت کا وہم ہوسکتا تھا کہ شاید حضرت علی بھی اُن سے صاف نہ ہوں گے اور وہ شکایت یہ تھی کہ ایک دفعہ حضرت عائشہ سے حضرت رسول خدا کچھ کبیدہ خاطر تھے تو حضرت علی نے مشورہ دیا تھا کہ آپ کے لئے عائشہ سے اچھی عورتیں موجود ہیں۔ آپ رنج کیوں کرتے ہیں۔ عائشہ کو طلاق دے دیجئے لیکن خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں حضرت عائشہ کی بریت اور ان کو پاکدامن اور بے گناہ ثابت کیا جس سے آنحضرت کا دل تو ان سے صاف ہوگیا۔ مگر حضرت عائشہ کو حضرت علی سے رنجش ہوگئی کہ انھوں نے میرے چھوڑنے کا مشورہ کیوں دیا۔ یہی وجہ تھی کہ ان کو مدینہ آنے میں تامل ہوا اور پھر مکہ واپس چلی گئیں۔

حضرت طلحہ اور حضرت زبیر نے حضرت علیؑ کی بیعت تو کر لی تھی مگر وہ بھی لوگوں کے بہکانے سکھانے کے سبب حضرت علی سے دل ہی دل میں برگشتہ ہو رہے تھے اب جب سنا کہ حضرت عائشہ مکہ چلی گئی ہیں اور حضرت عثمان کے انتقام کی تیاریاں کر رہی ہیں تو ان دونوں نے بھی حضرت علی سے مکہ جانے کی اجازت طلب کی۔ حضرت علی کو ان واقعات کی خبر نہ تھی۔ آپ نے ان کو رخصت دے دی اور یہ دونوں حضرت عائشہ کے پاس مکہ چلے گئے۔

مروان الحکم بھی باوجود زخمی ہونے کے تمام بنی امیہ کو لے کر مکہ چلا گیا

گویا بات یہاں آ کر رکی کہ اس میں کچھ علیؑ کا کلام ہے اور کچھ سید رضی کی ملاوٹ۔۔۔۔۔ملاوٹ کہاں ہے؟ جہاں تنقید خلافت ہے، خطبۂ شقشقیہ وغیرہ، مگر اب نہج البلاغہ اور خطبۂ شقشقیہ کے لئے ذرا ایک سنی جلیل القدر قدیم عالم کا بیان ملاحظہ فرمائیں۔

نہج البلاغہ کے سب سے بڑے شارح عزالدین ابن ابی الحدید فرماتے ہیں:

> ''میرے استاد ابوالخیر مصدق بن شبیب الواسطی متوفی ۶۰۵ ہجری نے ۶۰۳ ہجری میں مجھ سے بیان کیا تھا کہ میں نے اپنے استاد ابومحمد عبداللہ ابن احمد المعروف بہ ابن الخشاب سے یہ خطبہ پڑھا تو ان سے پوچھا تھا۔کیا آپ اسے جعلی کہتے ہیں؟ انھوں نے کہا بخدا ہرگز نہیں حقیقتاً میں تو اسے امیر المومنین کا کلام بالکل اسی طرح جانتا ہوں جس طرح تمھیں مصدق جانتا ہوں۔ میں نے کہا بہت سے لوگ اسے رضی کا کلام بتاتے ہیں انھوں نے کہا رضی کو یہ طریقہ اور یہ طرز کہاں نصیب؟ ہم رضی کے خطوط سے واقف ہیں اور کلام نثر میں اس کے اسلوب کو پہچانتے ہیں، اسے اس کلام سے کوئی علاقہ نہیں۔''
>
> (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، جلد اول)

شیعہ علماء نے اس بحث میں بہت ہی گراں قدر کتابیں تصنیف کی ہیں۔امیر المومنین کی پیشینگوئیاں اور خطبات میں شامل وہ ضمناً سائنسی اشارے جن پر آج کے سائنسدانوں کی تحقیقات تصدیق کر رہی ہیں۔نہج البلاغہ کے ہر ہر لفظ کے کلام امیر المومنین ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ پیشین گوئیاں جو وقت گزرنے کے ساتھ پوری ہو چکی ہیں اور پوری ہو رہی ہیں، بذات خود ایک طرف نہج البلاغہ کے امیر المومنینؑ کا کلام ہونے پر دلیل ہیں تو دوسری طرف آپ کی امامت اور منصوص من اللہ ہونے پر مہر ہیں۔

میں نے کوئی نیا کام نہیں کیا ہے، شارحین نہج البلاغہ نے جہاں جہاں حضرت کا اس طرح کا کلام ہے وہاں وہاں اشارے کر دیے ہیں، میں نے بس تاریخی پس

اور حضرت عائشہ کے سامنے قتل عثمان کے ایسے پُر درد سین کھینچے کہ وہ حضرت علی سے لڑائی پر آمادہ ہو گئیں۔ مروان نے زمین و آسمان کے قلابے ملا کر اس بھولی سیدہ کو یقین دلایا کہ حضرت علی ہی شہادتِ عثمان کا باعث تھے۔

مکہ کے حاکم عبداللہ ابن الحضرمی کو معلوم ہوا کہ آقائے نامدار محمدؐ رسول اللہ کی محبوب زوجہ ام المومنین عائشہ حضرت علی سے حضرت عثمان کا بدلہ لینا چاہتی ہیں تو وہ در دولت پر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ فدوی بھی اپنی مالکہ کے قدموں کے ساتھ تلوار اٹھانے کو حاضر ہے۔ چنانچہ سب مکّے والوں نے عبداللہ الحضرمی کے ہاتھ پر عہد کیا کہ حضرت علی سے لڑیں گے۔ مکہ میں یہ سامان ہو رہے تھے اور حضرت علی کو کچھ خبر نہ تھی۔ آپ کو صرف معاویہ کے منصوبے کی اطلاع ہوئی تھی اور اسکے انتظام کے لئے آپ نے لشکر تیار کیا تھا۔ اتنے میں خبر آئی کہ مکّے میں حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ بنت عمر فاروق وزوجۂ رسول خدا نے لڑائی کا سامان کیا ہے اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر بھی ان کے ساتھ مل گئے ہیں تو حضرت علیؑ کو بہت فکر ہوئی۔ انھوں نے مدینہ کے لوگوں کو جمع کر کے سارا حال بیان کیا اور فرمایا اب ہم کو پہلے اس فتنہ کا تدارک کرنا چاہئے۔ معاویہ کے معاملے سے یہ قصہ بڑھا ہوا ہے۔ اہل مدینہ نے جب یہ سُنا کہ مقابلہ حضرت عائشہ، حضرت حفصہ اور حضرت طلحہ وزبیر سے ہے تو سب کے سب دم بخود ہو گئے اور کسی نے ایسے مقدس و پاک لوگوں کے خلاف تلوار اٹھانے کی حامی نہ بھری۔ تین دن ہو گئے حضرت علی روز تقریریں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ تم نے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ تم نے وفاداری کا عہد کیا ہے۔ تم جانتے ہو کہ میں بے قصور ہوں اور میرا

قتلِ عثمان میں مطلق دخل نہ تھا۔ پھر تم کیوں بے وفائی کرتے ہو اور کیوں مجھ کو یورش سے نہیں بچاتے جو دشمنوں نے جھوٹ موٹ کھڑی کی ہے اور حضرت عائشہ وحضرت حفصہ وغیرہ کو فریب دے کر میرے خلاف ابھارا ہے۔ تین دن تک لوگوں نے سنا اور کسی نے ساتھ دینے کا اقرار نہ کیا۔ آخری دن ایک شخص زیاد بن طلحہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے کہا:

''میں حاضر ہوں امیر المومنین! تیرے پسینہ پر اپنا خون بہاؤں گا اور جہاں تو لے چلے گا چلوں گا۔ تو برسرِ حق ہے اور تیری اطاعت میں بموجب حکم خدا اور رسول میری گردن بندھی ہوئی ہے۔''

زیاد بن طلحہ کا یہ کہنا تھا کہ سارا مجمع کھڑا ہو گیا اور سب نے اس لڑائی میں حضرت علی کی مدد کا اقرار کیا اور یہ وہ لوگ تھے جن میں ۷ شخص تو بدر کی لڑائی میں شریک ہو چکے تھے، بدری صحابہ کی فضیلت آنحضرتؐ نے بہت فرمائی ہے۔

مکہ میں حضرت طلحہ وزبیر نے حضرت عائشہ سے عرض کیا کہ لڑائی عورتوں کا کام نہیں ہے۔ آپ ہمارے ساتھ بصرہ چلیے اور وہاں لوگوں کو حضرت عثمان کے انتقام کے لئے آمادہ فرما دیجئے۔ اسکے بعد آپ گھر میں تشریف رکھئے۔ ہم خود سب بندوبست کرلیں گے۔ حضرت عائشہ نے اس کو قبول کرلیا اور بصرہ چلنے پر راضی ہوگئیں۔ پھر یہ حضرات حضرت حفصہ کے پاس حاضر ہوئے اور اُن سے بھی یہی درخواست کی۔ انھوں نے فرمایا ''میں حضرت عائشہ کے ساتھ ہوں۔ جو رائے ان کی وہ میری، وہ بصرے چلیں گی تو میں بھی چلوں گی۔ یہ خبر حضرت حفصہ کے بھائی حضرت عبداللہ ابن عمر کو ہوئی تو انھوں نے اپنی بہن کو بصرہ جانے سے روک دیا۔

بصرے کی ہل چل:

حضرت عائشہ کا قافلہ بصرہ چلا تو عائشہ کو ایک مشہور تیز رفتار اونٹ پر جس کا نام عسکر تھا بٹھایا گیا، مکہ سے ایک منزل باہر حضرت مغیرہ بن شعبہ نے حضرت طلحہ و زبیر سے خفیہ ملاقات کی اور پوچھا کہ اگر تمھاری فتح ہوئی تو خلیفہ کون بنے گا؟ حضرت طلحہ نے جواب دیا:

''میں یا زبیر'' ان میں جن کو مسلمان پسند کریں۔ مغیرہ نے کہا اس کا انجام اچھا نظر نہیں آتا۔ یہ کہا اور مکے کو چلے گئے۔

بصرہ جاتے ہوئے راستے میں ایک مقام پر لشکر میں یہ بحث چھڑ گئی کہ اس فوج کا سردار کون ہے؟ حضرت طلحہ کے بیٹے نے کہا میرے باپ ہیں۔ حضرت زبیر کے صاحب زادے عبد اللہ بولے، نہیں! میرے باپ ہیں۔ اس پر بات بڑھ گئی اور قریب تھا کہ باہم فساد ہو جائے۔ حضرت عائشہ یہ حالت دیکھ کر مایوس ہوئیں اور انھیں اس جھگڑے کے سبب اندیشہ ہوا کہ جب آپس میں یہ حال ہے تو حضرت عثمان کا انتقام کیا لیں گے۔''

(محرم نامہ، خواجہ حسن نظامی)

جنگ جمل کا پورا واقعہ حضرت نظامی نے تفصیل کے ساتھ تحریر کیا ہے اس میں جگہ جگہ انھوں نے اپنی من پسند ہستیوں کی غلطیوں کی عقیدت کے ہاتھوں مجبور ہو کر پردہ پوشی کی ناکام کوشش بھی کی ہے۔ تاہم ہمیں اس وقت نہ تو ان پر گفتگو مقصود ہے اور نہ ہی جنگ جمل کو پورا رقم کرنے کی ضرورت ہے، صرف گفتگو پیشین گوئی سے متعلق ہے۔ ان تمام واقعات پر تفصیل و تبصرہ میرے مقالے ''قتل عثمان تاریخ و حقائق کی روشنی میں'' میں تحریر کیا گیا ہے۔

حضرت علیؑ نے یہ پیشین گوئی اس وقت کی تھی کہ جب طلحہ و زبیر میں دور دور

تک کسی اختلاف کی آہٹ نہ تھی، لیکن حضرت نے فرمایا کہ ان کا یہ خلوص جھوٹا اور بناوٹی ہے، دراصل یہ ایک دوسرے سے اپنے اپنے مفاد کی خاطر وابستہ ہیں۔ تاریخ نے بہت جلدان کے اس خلوص کا خول توڑ کران کے اندر کا اصل پیش کردیا۔

آپ مغیرہ کی گفتگو کو جو طلحہ و زبیر سے ہوئی ایک مرتبہ پھر سے ملاحظہ فرمائیں۔ مغیرہ بن شعبہ جو کہ امیر معاویہ کے بہت ہی خاص آدمی اور انتہائی چالاک افراد میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اچانک آکران دونوں سے ملاقات کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ معاویہ کی طرف سے حالات کی جانکاری لینے کے لئے بھیجے گئے ہیں تا کہ ان کے جوابات کی روشنی میں امیر معاویہ اپنا آئندہ کا لائحہ عمل ترتیب دیں۔

مغیرہ طلحہ اور زبیر سے پوچھتے ہیں کہ علیؑ کے خلاف اس جنگ میں اگر تم لوگوں کو فتح ہوئی تو تم میں سے کون خلیفہ بنے گا؟ طلحہ نے جواب دیا میں یا زبیر، دونوں میں سے جس کو مسلمان پسند کریں۔ آپ دیکھیں لباس اترنے لگا ہے۔ جو اَب تک ایک دوسرے کے لئے جان نثار کرتے نظر آرہے ہیں۔ وہ اب ایک دوسرے کے لئے قربانی دینے کو تیار نہیں۔ دونوں میں سے کوئی بھی خلافت اور اقتدار کا دعویٰ چھوڑنے کو تیار نہیں بلکہ مسلمانوں کی رائے کا بہانہ بنا کر فی الحال اس معاملے کو جنگ کے فتح ہونے تک ٹالنا چاہ رہے ہیں۔ مغیرہ نے یہ کیا ان کے منہ سے اگلوالیا؟ یہ تحریک تو قصاص خون عثمان کی تھی۔ اپنی خلافت درمیان میں کہاں سے آٹپکی؟ دراصل طلحہ نے تحریک کا اصل مقصد بیان کر ڈالا کہ قصاص خون عثمان Banner ہے اور خلافت مقصد۔ بھلا ابھی سے طلحہ وزبیر کو خلافت کا معاملہ طے کرنے کی فکر کیوں ہوئی؟ یہ کیسے طے کرلیا گیا کہ طلحہ اور زبیر ہی میں سے کوئی خلیفہ بنے گا؟ اور مسلمان اس کو سپورٹ کریں گے؟ یہ ابھی سے ایک طرح سے نامزدگی کیوں ہے؟ زبیر وطلحہ سے متعلق جو لوگ اس سلسلے کی زیادہ تفصیل لینا چاہیں وہ تاریخ طبری میں جنگ جمل پڑھیں۔

حضرت امیرؑ نے دیکھئے کس طرح اپنے خطبہ کی پیشین گوئی میں ان کے

ظاہری خلوص کا خول توڑ کر ان کا اندر تک Ultrasound کیا ہے۔

حضرت نے انھیں حریص خلافت بتایا ہے اور اس طمع خلافت میں دونوں کو ایک دوسرے کا دشمن ۔۔۔ حالانکہ بظاہر دونوں گہرے دوست ہیں۔ تاریخ نے دراصل طلحہ اور زبیر کی ذلت آمیز شکست اور پھر موت پر باب بند کر دیا ورنہ دنیا دیکھتی کہ دونوں میں کس طرح تلوار چلتی اور خلافت جھپٹنے کے لئے ایک دوسرے کے خون کے کس قدر پیاسے ہوتے۔ بہر حال طلحہ کے اس واضح اقرار حریص خلافت ہونے کے بعد بھی اگر کوئی جنگ جمل کو مذہبی لوگوں کی مذہبی لڑائی کہے تو اس کے علاوہ کیا کہا جا سکتا ہے کہ عقل کے دروازے پر بیٹھا ہوا عقیدت کا اندھا پہرے دار کبھی بھی حقیقت کو عقل تک پہنچنے نہ دے گا۔ واضح طور پر یہ ایک طرف مذہبی شخصیت علی ابن ابی طالب سے سیاسی لوگوں کی سیاسی لڑائی تھی۔ بہر نوع کیونکہ مقصد جمل پر تبصرہ نہیں بلکہ حضرت علی کی پیشین گوئی ہے۔ اس لئے اس گفتگو کو یہیں روکتے ہیں۔ حضرت علی کے واقعۂ غدیر اور چند احادیث یاد دلانے پر زبیر تو میدان سے ہٹ گئے تھے زبیر کے بعد طلحہ بھی میدان چھوڑنا چاہتے تھے مگر مروان نے انھیں میدان سے ہٹتا دیکھ کر ایسا تیر مارا کہ وہیں ان کا کام تمام ہو گیا۔ حسن نظامی کہتے ہیں کہ تیر لگنے کے بعد بھی ظہر کی نماز تک لڑتے رہے پھر میدان سے واپس ہو رہے تھے تو عمرو بن حردون نام کے ایک سپاہی نے ان کو برچھی مار کر قتل کر ڈالا۔

یہ کیسا لشکر ہے جو لڑنے چلا آیا لیکن اس کا سردار ابھی تک طے نہیں ہے؟ دراصل لشکر کی سرداری خلافت کی امیدواری کا دعویٰ تھی یہی وجہ تھی کہ طلحہ اور زبیر کے بیٹے آپس میں بھڑ گئے اور یہ کشیدگی پورے لشکر میں اس طرح پھیل گئی کہ ام المومنین کو لشکر کی کارکردگی پر ہی بھروسہ نہیں رہا۔

اپنے بعد اپنا دور یاد کرنے کی پیشین گوئی

(U.N کے سابق سکریٹری کوفی عنان نے حضرت علیؑ کی حکومت کو آئیڈیل حکومت بتایا)

''......۔ میرا جسم چند دن تمھارے پڑوس میں رہا اور میرے مرنے کے بعد مجھے جسد بے روح پاؤ گے کہ جو حرکت کرنے کے بعد تھم گیا اور بولنے کے بعد خاموش ہو گیا تاکہ میرا یہ سکون اور ٹھہراؤ اور آنکھوں کا مندھ جانا اور ہاتھ پیروں کا بے حس و حرکت ہو جانا تمھیں پند و نصیحت کرے کیونکہ عبرت حاصل کرنے والوں کے لئے یہ (منظر) بلیغ کلموں اور کان میں پڑنے والی باتوں سے زیادہ موعظت و عبرت دلانے والا ہوتا ہے۔ میں تم سے اس طرح رخصت ہو رہا ہوں کہ جیسے کوئی شخص کسی کی ملاقات کے لئے چشم براہ ہو۔ کل تم میرے اس دور کو یاد کرو گے اور میری نیتیں کھل کر تمھارے سامنے آجائیں گی اور میری جگہ کے خالی ہونے اور دوسروں کے اس مقام پر آنے سے تمھیں میری قدر و منزلت کی پہچان ہوگی۔'' (خطبہ نمبر-۱۴۷ کا آخری پیراگراف)

حضرتؑ نے اس خطبہ میں اپنے بعد آنے والے حکمرانوں کا ظالمانہ اور آرام و آسائش کا دور دیکھ کر لوگوں کو اپنا دور یاد آنے کی بات کہی ہے۔ یہ بھی کہا کہ

میرے کاموں اور کردار کو تم لوگ یاد کرو گے۔

حضرت علیؑ کے بعد تقریباً چھ ماہ کا عرصہ امام حسنؑ کی خلافت کا رہا۔ اس کے بعد ایک خاص حکمت کے تحت جیسا کہ صلح حدیبیہ کے معاملے میں رسولؐ کی حکمت تھی، آپؑ نے صلح کے ذریعہ خلع خلافت کیا اور حکومت معاویہ کے سپرد کردی۔ یہاں صلح امام حسنؑ کی حکمت اور اس سے حاصل ہونے والے فائدوں پر گفتگو موضوع نہیں ہے ورنہ حق یہ ہے کہ شیعیت اگر باقی ہے تو اسی صلح کے صدقہ میں باقی ہے ورنہ اس کی عدم موجودگی میں قتل عام کے ذریعہ شیعہ ختم کردئے گئے ہوتے۔ حضرت علیؑ نے اپنے دور میں جس مدبرانہ سکوت سے شیعوں کی زندگیاں محفوظ رکھیں، صلحِ حسنؑ نے وہی کردار اپنے دور میں ادا کیا۔

بہر نوع حضرت نے جو فرمایا تھا کہ کل تم مجھے یاد کرو گے۔ میرے دور حکومت کو یاد کرو گے تو ایسا بار بار ہوا۔ عوام و خواص حضرت علیؑ کو ان کے بعد بہت یاد کرتے تھے۔

ضرار بن ضمرۃ الضبائی، حضرت علی کے صحابی تھے، حالانکہ رجال کی کتابوں میں ان کا ذکر نہیں ہے۔ مگر تاریخ میں فقط ایک خطبہ کے سبب ان کا نام باقی ہے۔ اسی خطبہ سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے حضرت علیؑ کو کس قدر قریب سے دیکھا اور اُن سے کس قدر متاثر تھے۔

'حلیۃ الاولیاء' عالم اسلام کے مشہور اسکالر حافظ ابونعیم کی کتاب ہے۔ انھوں نے تحریر کیا کہ

''ہم سے سلمان بن احمد نے بیان کیا، انھوں نے محمد بن زکریہ غلابی سے انھوں نے عبدالواحد ابن عمرو الاسدی سے انھوں نے محمد بن سائب الکلبی سے انھوں نے ابوصالح سے سُن کر بیان کیا کہ ابو صالح کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ضرار بن ضمرۃ امیر معاویہ کے دربار میں آئے، معاویہ

نے اُن سے کہا کہ ضرار کچھ علیؑ کے وصف بیان کرو، ضرار نے کہا کہ امیر مجھے اس خدمت سے معذور سمجھا جائے۔ غالباً اس لئے ضرار نے معذرت کی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ امیر معاویہ کو علیؑ سے خلوص نہیں اور علیؑ کے فضائل انھیں ہمیشہ ناگوار رہے ہیں۔ معاویہ نے کہا ''یہ نہیں ہوسکتا'' اور ضرار کو انھوں نے مجبور کیا تو ضرار یوں گویا ہوئے۔

''علیؑ وہ تھے جن کی انتہا بہت دور تھی، جن کے قویٰ بہت سخت تھے۔ بات فیصلہ کن کہتے تھے اور قول کے ساتھ حکم کرتے تھے۔ ان کے پہلوؤں سے علم کے چشمے جاری ہوتے تھے اور حکمت ان کے اطراف سے بولتی تھی۔ وہ دنیا اور اس کی رنگینیوں سے وحشت کرتے تھے اور رات اور اس کی تاریکی سے آسودگیٔ ضمیر محسوس کرتے تھے، موٹے موٹے آنسوؤں سے روتے تھے۔ لمبی فکر کرتے تھے۔ اپنی ہتھیلیوں کو رگڑ رگڑ کر اپنے نفس سے مخاطب ہوتے تھے۔ معمولی سے معمولی لباس اور موٹی سے موٹی غذا ان کو پسند تھی۔ قسم خدا کی وہ ہم میں ایک عام آدمی کی طرح تھے۔ جب ہم ان کے پاس آتے تھے تو قریب بٹھاتے تھے اور جب اُن سے کچھ پوچھتے تھے تو جواب دیتے تھے اور باوجود اس کے کہ وہ ہم سے اور ہم اُن سے ہر وقت قریب رہتے تھے پھر بھی ہیبت کی وجہ سے ہم ان سے بات نہیں کر سکتے تھے۔ آپ اگر کبھی تبسم فرماتے تو ایسا لگتا تھا کہ جیسے پروئے ہوئے موتی چمک رہے ہوں۔ وہ اہل دین کی تعظیم کرتے تھے اور مسکینوں کو دوست رکھتے تھے۔ طاقتور اپنے باطل میں اُن سے کوئی طمع نہیں کر سکتا تھا اور ضعیف ان کے قول سے مایوس نہیں ہوتا تھا۔ میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ بعض مواقع پر میں نے ان کو دیکھا ہے جب کہ رات تاریکی کے پردے چھوڑے ہوتی تھی اور

ستارے ڈوبتے ہوتے تھے کہ آپ اپنی محراب عبادت میں جھکے ہوئے اور داڑھی کو پکڑے ہوئے اس طرح تڑپتے تھے جس طرح عقرب گزیدہ تڑپتا ہے۔ اور اس طرح روتے تھے جیسے کوئی غمزدہ روتا ہے۔ میرے کان میں اس وقت بھی ان کے یہ فقرے گونج رہے ہیں۔

''اے دنیا، اے دنیا۔۔۔ میرے پاس سے دور ہو جا۔''

یہ تقریر ضرار کو اچانک اور بغیر آمادگی کے کرنی پڑی۔ مجمع بھی ان کے عقائد سے ہم آہنگ نہ تھا۔ جس سلطان کی موجودگی میں اور جس دربار میں ان کو تقریر کرنی پڑی وہ ہمیشہ سے ہمیشہ تک علیؑ کے خلاف سازشوں کا مرکز رہا۔ تقریر میں ضرار نے حضرت علیؑ کے اوصاف کا کروڑواں حصہ بھی بیان نہیں کیا کہ جس کو وہ کر سکتے تھے۔ لیکن صرف اسی قدر گفتگو کا اثر یہ ہوا کہ خود امیر معاویہ کو علیؑ کا کردار یاد آ گیا اور روایت کے مطابق اس قدر متاثر ہوئے کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے پھر پوچھا کہ ''اے ضرار تجھ کو علیؑ کا کتنا غم ہے؟'' ضرار نے جواب دیا:

''اتنا غم جتنا اس عورت کو جس کا اکیلا بچہ اس کی گود میں ذبح کر دیا جائے۔''

اس تقریر سے امیر معاویہ اور پورا دربار رو پڑا۔ اور علیؑ کا دور حکومت لوگوں کو یاد آ گیا۔

اس واقعہ کو تمام مستند تاریخوں میں جگہ ملی ہے۔ چنانچہ مسعودی نے ''مروج الذہب'' میں ابو اسمٰعیل قالی نے ''امالی'' میں، شیخ صدوق نے اپنی ''امالی مجلس ۹۱'' میں اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں، ابن جوزی نے صفقۃ العفوۃ میں محی الدین ابن عربی نے کتاب محاضرات میں اور حافظ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں اس کو درج کیا ہے۔

اس واقعہ کی انتہائی شہرت کی وجہ یہی ہوئی کہ یہ واقعہ شام میں، دربار معاویہ میں، معاویہ کی موجودگی میں، معاویہ کی طلب پر پیش آیا اور سامعین کے خلاف توقع ضرار نے انجام سے بے پرواہ ہو کر علیؑ کے فضائل بیان فرمائے اور ابھی وہ اپنے

بیان کی ابتدائی منزلوں میں ہی تھے کہ خود امیر معاویہ اور درباری رو پڑے۔

اسی طرح عبد اللہ ابن عبد اللہ ایک مرتبہ معاویہ کے دور خلافت میں معاویہ سے ملاقات کو پہنچے تو ان کے شریک دستر خوان ہوئے۔ دستر خوان کی وسعت دیکھ کر ان کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ انھوں نے دستر خوان پر ایک ایسی سویٹ ڈش بھی دیکھی جو اس سے قبل انھوں نے کبھی دیکھی نہ تھی۔ چنانچہ انھوں نے معاویہ سے پوچھا یہ کیا ہے۔ تب معاویہ نے بتایا کہ یہ ایک خصوصی Sweet Dish ہے جس کو میرا باورچی بطوں کی آنت سے تیار کرتا ہے۔ بط کی آنتوں کو صاف کر کے اس میں میٹھا اور میوہ جات بھرے جاتے ہیں اور پھر روغن زیتون میں اس کو چرب کیا جاتا ہے۔ یہ کہہ کر معاویہ کھانے میں مشغول ہو گئے۔ تھوڑی دیر میں عبد اللہ کی طرف نگاہ کی تو دیکھا کہ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ معاویہ نے پوچھا ''یہ رونے کا کیا محل ہے؟'' کہا ''علی یاد آگئے۔'' معاویہ نے کہا علی کو یاد کرنے کا کیا محل ہے۔ کہا ایک مرتبہ میں علیؑ سے ملنے پہنچا۔ وہ روزے سے تھے۔ اسی درمیان افطار کا وقت ہو گیا۔ میں اٹھنے لگا تو مجھے روکا کہ کچھ کھا کر جانا۔ معاویہ! کچھ دیر بعد گھر سے جو سامان افطار آیا اس میں جو کی سوکھی روٹیاں اور نمک تھا۔

خود بنی امیہ کے آخری تاجدار مروان بن محمد نے ان کو ان کی شجاعت کی وجہ سے یاد کیا۔ چنانچہ جب مروان خراسان میں بنی عباس سے مقابلہ کیلئے لشکر لے کر پہنچا تو اس نے بنی عباس کے لشکر کی قیادت کرتے ہوئے عبد اللہ ابن عباس کے پوتے عبد اللہ ابن علی کو دیکھا تو بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا:

''کاش اس جوان کے بجائے علی ابنِ ابی طالب ہوتے اور ہماری فوج کی قیادت کرتے۔''

اکثر و بیشتر مواقع پر حضرت علیؑ کو لوگ یاد کرتے رہے۔ ان کی سادگی، بیت المال سے ان کا برابر ادائیگی کرنا۔ ان کا دور حکومت۔۔۔ جیسے جیسے حکمرانوں کے

منظر اور تفصیلات کے ساتھ ان کو جدید مطالعات اور تحقیقات کے ساتھ جمع کر دیا ہے تا کہ نوجوان خصوصیت سے اس رخ سے بھی نہج البلاغہ کا مطالعہ کریں، حالانکہ کچھ پیشین گوئیوں تک میری رسائی نہیں ہوسکی ہے، ممکن ہے آئندہ اشاعتوں میں یہ کمی دور ہوسکے، ظاہر ہے کہ تمام احتیاط کے باوجود کمیاں اور کوتاہیاں ضرور رہ گئی ہوں گی، مجھے اس طرف متوجہ کیا جائے گا تو مجھ پر احسان ہوگا۔

میں خصوصیت کے ساتھ اپنی بیگم محترمہ ڈاکٹر زرین عابدی اور اپنے بچوں سید شوذب عباس، سیدہ خدیجہ آفرین، سید قاسم عباس اور سید قنبر عباس کا شکر گزار ہوں کہ جن کے گراں قدر تعاون اور سرگرمیوں سے میری یہ کتاب آپ تک پہنچ سکی ہے، اللہ تعالیٰ ان سب کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔

فائز شکارپوری میرے بچپن کے دوست بھی ہیں، ہم وطن بھی اور بڑے اسکالر بھی۔ ان کے مشورے بہت مفید ثابت ہوئے۔ کونین حیدر سلمہٗ نے مختصر وقت میں کتابت کے فرائض بڑی دلجوئی سے انجام دیے۔ میثم زیدی سلمہ نے طباعت کے مراحل میں بڑا ساتھ دیا۔ رب کریم سب کو بہترین اجر عطا فرمائے۔

ڈاکٹر عباس علی نقوی

نئی دہلی

me.abbasnaqvi@gmail.com

Mob: 9210020867

مظالم اور ناانصافیاں بڑھتی گئیں علی کا دور حکومت لوگوں کو یاد آتا رہا۔ جتنی جتنی حکومت کی ناانصافیاں اور رعایا پر حاکموں کی ناروا سختیاں اور مظالم بڑھے، اتنا ہی علیؑ ابن ابی طالب کا دور حکومت لوگوں کو یاد آیا۔

یو این کے سابق سکریٹری جنرل کوفی عنان نے مسلم حکمرانوں کو اپنا طرز حکومت سنبھالنے کے لئے ایک خط لکھا تھا۔ جو یو این کی ویب سائٹ پر موجود ہے۔ اس میں انھوں نے عرب حکمرانوں کو دعوت دی تھی کہ وہ اپنے ممالک میں آئیڈیل حکومت قائم کرنے کے لئے حضرت علیؑ کے ساڑھے چار سالہ دورِ حکومت کو اپنے ممالک کا دستور العمل بنائیں اور ان قوانین کو نافذ کریں۔

U.N سکریٹری کا خط:

"The caliph Ali Bin AbiTalib is considered the fairest governor who appeared during human history(after the prophet Mohammed). So we advise Arab countries to take Imam Ali bin Abi Talib (A-S) as an example in establishing a regime based on justice and democracy and encouraging knowledge.

یہ خط کوفی عنان نے نیویارک میں U.N سکریٹریٹ کی طرف سے Human Rights Committee کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے ۲۰۰۲ء میں تحریر کیا۔

حضرت علیؑ سے پہلے خلفائے ثلاثہ کا ۲۵ سالہ دورِ حکومت ہے۔ حضرت علیؑ کے بعد تقریباً ۱۰۰ سال کا بنی امیہ کا دور حکومت ہے۔ اس کے بعد ۵۲۵ سال کا بنی عباس کا دور حکومت ہے۔ خلفائے اندلس کا ۳۰۰ سال کا دور حکومت ہے اور اس کے علاوہ مسلم حکمرانوں کے بہت سارے سلسلہ ہائے حکومت گزرے ہیں۔ لیکن حضرت علیؑ کے ساڑھے چار سالہ مختصر دورِ حکومت میں انسانی اقدار کا جو تحفظ ہوا اور اسلامی

قوانین کے فیض جاری ہوئے ان کے سبب صرف اور صرف حضرت علیؑ ہی کا دورِ حکومت ہے جسے آج بھی یاد کیا جا رہا ہے۔ ناظرین یہ بات بھی اپنے اذہانِ عالیہ میں محفوظ رکھیں کہ حضرت علیؑ کا یہ مختصر سا دورِ حکومت جو آج بھی یادگار ہے اور کل بھی یادگار رہے گا، ایسے حالات کا دورِ حکومت ہے کہ ان ساڑھے چار سال میں حضرت علیؑ کو ایک دن بھی چین کا سانس لینا نصیب نہیں ہوا۔ اسی دور میں آپ کو جمل لڑنا پڑی۔ اسی میں صفین لڑنا پڑی۔ اسی میں خوارج سے معرکہ ہوا۔ اپنے ہی لشکر کے لوگ دنیاوی اسباب کی خاطر مخالف سے کھلے عام اور در پردہ مل کر حضرت کے خلاف جو سازشیں کرتے، ان کا سدِ باب۔ امیر معاویہ کے سرکاری ڈاکو اسلامی حکومت کی سرحدوں میں گھس کر جو تباہیاں مچاتے اور حضرت علیؑ کے ساتھیوں کا قتل عام اور دیگر ریشہ دوانیاں کرتے تھے، ان سب کا ازالہ بھی کرنا رہا۔ اس کے علاوہ روزانہ کے انتظامی امور اور مسائل کا حل نکالنا۔ ایسے حالات میں اگر علی کی حکومت آج بھی یادگار ہے تو وہ قوانین الٰہی کا اطلاق اور حضرت علی کا انصاف ہے، جو نہ اُس سے پہلے رعایا کو کبھی میسّر ہوا اور نہ اس کے بعد اب کبھی ہوگا، کیونکہ حضرتؑ کے بعد پھر کوئی بھی اہلبیتؑ میں سے مسندِ حکومت پر نہیں جلوہ افروز ہو سکا۔

بنی امیّہ کا اقتدار بنی عباس کو جانے کی پیشین گوئی

''آخر اللہ نے محمد کو بھیجا حالانکہ وہ گواہی دینے والے خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے تھے جو بچپنے میں بھی بہترین خلائق اور سن رسیدہ ہونے پر بھی اشرف کائنات تھے اور پاک لوگوں میں خوخصلت کے اعتبار سے پاکیزہ تر اور جودوسخا میں ابر صفت برسائے جانے والوں میں سب سے زائد لگاتار برسنے والے تھے۔ دنیا اپنی لذتوں میں اس وقت تمھارے لئے شیریں وخوشگوار ہوئی اور اس وقت تم اس کے تھنوں سے دودھ پینے پر قادر ہوئے کہ جبکہ اس کے پہلے اس کی مہاریں جھول رہی تھیں اور اس کا تنگ (ڈھیلا ہوکر) ہل رہا تھا (یعنی اس کا کوئی سوار اور دیکھ بھال کرنے والا نہ تھا جو اس کی باگیں اٹھاتا اور تنگ کستا) کچھ قوموں کے لئے تو حرام اس بیری کے مانند (خوشگوار اور مزے دار) ہوگیا تھا، جس کی شاخیں پھلوں کی وجہ سے جھکی ہوئی ہوں۔ اور حلال انکے لئے کوسوں دور اور نایاب تھا۔ خدا کی قسم یہ دنیا لمبی چھاؤں کی صورت میں ایک مقررہ وقت تک تمھارے پاس ہے مگر اس وقت تک تو

زمین بغیر روک ٹوک کے تمھارے قبضہ میں ہے۔ تمھارے ہاتھ اس میں کھلے ہوئے ہیں اور پیشواؤں کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ تمھاری تلواریں اُن پر مسلّط ہیں اور ان کی تلواریں روکی جا چکی ہیں۔ تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہر خون کا کوئی قصاص لینے والا اور ہر حق کا کوئی طلب کرنے والا بھی ہوتا ہے اور ہمارے خون کا قصاص لینے والا اس حاکم کے مانند ہے جو اپنے ہی حق کے بارے میں فیصلہ کرے اور وہ اللہ ہے کہ جسے وہ تلاش کرے وہ اسے بے بس نہیں بنا سکتا۔ اور جو بھاگنے کی کوشش کرے وہ اس کے ہاتھوں سے بچ کر نہیں نکل سکتا۔ **اے بنی امیّہ! میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جلد ہی تم اپنی (دنیا اور اس کی) ثروتوں کو دوسروں کے ہاتھوں اور دشمنوں کے گھروں میں دیکھو گے۔"**

(خطبہ نمبر-۱۰۳)

بنی امیّہ دنیا کے مزے لوٹ رہے ہیں۔ حرام ان کے لئے لذیذ ہے اور حلال ان کے قریب نہیں ہے۔ حالات زمانہ نے دنیا ان کے ہاتھوں میں دے دی ہے جس کا وہ پورا لطف اٹھا رہے ہیں۔

"خدا کی قسم! یہ دنیا لمبی چھاؤں کی صورت میں ایک مقررہ وقت تک تمھارے پاس ہے مگر اس وقت تک تو زمین بے روک ٹوک تمھارے قبضہ میں ہے۔ تمھارے ہاتھ اس میں کھلے ہوئے ہیں اور پیشواؤں کے بندھے ہوئے ہیں۔ تمھاری تلواریں اُن پر مسلّط ہیں اور ان کی تلواریں روکی جا چکی ہے۔ تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہر خون کا قصاص لینے والا اور ہر حق کا کوئی طلب کرنے والا بھی ہوتا ہے اور ہمارے خون کا قصاص لینے والا اس حاکم کے مانند ہے جو اپنے ہی حق کے بارے میں فیصلہ کرے اور وہ اللہ ہے کہ جسے وہ تلاش کرے وہ اسے بے بس نہیں بنا سکتا۔"

یہ جملے آپ کے دل کا گہرا درد بھی بیان کر رہے ہیں اور بنی امیہ کی حالت بھی بیان کر رہے ہیں۔ حضرت فرما رہے ہیں کہ اس وقت تمھارے پاس اہل حق سے چھپٹا ہوا اقتدار ہے اور تم ہر ظلم کرنے کے لئے آزاد ہو۔ جن کا تم کو تابعدار ہونا چاہئے تھا، تم نے ان پر سبقت کی ہے۔ حالات زمانہ نے تم کو کھل کر کھیلنے کا موقع دے دیا ہے جبکہ تمھاری تلواریں ان پر بلند ہیں۔ جن کے تم محکوم ہو۔ (یعنی خود حضرت پاکؑ کے)

اس خطبہ میں آپ نے بہت واضح پیشین گوئی فرمائی ہے کہ دنیا کے یہ عیش و آرام ایک مقررہ وقت تک ہی بنی امیہ کے ہاتھوں میں ہیں۔ اس میں وہ خوب ظلم کریں گے اور دنیا سے مزے حاصل کریں گے مگر بہت جلد حکومت بنی امیہ کے ہاتھوں سے نکل کر اُن کے بدترین دشمنوں میں چلی جائے گی اور وہ اپنی آنکھوں سے اپنے دشمنوں کو اپنی جگہ دیکھیں گے۔

ذرا تاریخ کے البم میں ان تصویروں کو ملاحظہ فرمائیں جو مورخین نے محفوظ کر رکھی ہیں۔ بنی امیہ کے حکمرانوں کے جبر، ظلم اور اسلام سوز اور انسانیت سوز حرکتوں کے سبب بنی امیہ سے نفرت کا ماحول تو بنا ہوا ہی تھا مگر واقعۂ کربلا کے بعد سے یہ نفرت اپنے عروج کو پہنچ چکی تھی۔ پھر واقعۂ حُرہ مدینہ اور اس کے بعد مکّہ میں یزیدی افواج کے ذریعہ خانۂ کعبہ پر سنگ باری اور آتش زنی اور اہل مکّہ کی بربادی نے اموی حکومت کے لئے کوئی نرم گوشہ لوگوں کے دل میں نہیں چھوڑا تھا۔

ہشام ابن عبدالملک کے وقت سے ہی بغاوتوں کا سلسلہ پھوٹ پڑا تھا۔ پھر حضرت زید ابن علی کی قیادت میں بغاوت ۷۳۶ء میں شروع ہوئی جو ۷۴۰ء تک جاری رہی لیکن یہ ساری بغاوتیں کچل ڈالی گئیں۔ حضرت زید شہید کر دیئے گئے اور اس کے بعد ان کے بیٹے عیسیٰ ابن زید بھی شہید کر ڈالے گئے۔ تفصیل سے ہم ان کے ساتھ گزرے ہوئے دردناک حالات کا تذکرہ کر چکے ہیں۔ اس وقت تک بنی امیہ کافی مضبوط تھے۔ لیکن لوگوں کی ناراضگی اندر ہی اندر لاوے کی طرح پک رہی تھی اور

حضرت زید کی شہادت نے نفرت کی جڑیں بہت گہری کردی تھیں اور لوگ اب اس ظالم سلسلۂ حکومت سے جلد از جلد پیچھا چھڑانے کی فکر میں تھے۔

رسولؐ کے چچا حضرت عباس کی اولاد بلاد شام کے ایک قریہ حمیما میں جا کر آباد ہوگئی تھی۔ اس وقت تک بنی عباس کو کچھ خاص اہمیت حاصل نہ تھی اور وہ سیاست سے الگ زندگی گزار رہے تھے۔ حضرت علی کے پوتے حضرت محمد حنفیہ کے صاحب زادے ابو ہاشم عبد اللہ اس وقت بنی امیہ کے خلاف تحریک چلائے ہوئے تھے۔ حالات کچھ اس طرح کے پیدا ہوئے کہ ابو ہاشم عبد اللہ کی موت اتفاقاً حمیما گاؤں میں ہوئی جہاں حضرت عباس کی اولاد آباد تھی۔ اس وقت پیغمبرؐ کے اقرباء میں بس یہی لوگ تھے جو ان کے آخری وقت ان کے قریب تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی تحریک کی قیادت محمد ابن علی کے سپرد کردی کہ جو ابن عباس کے پوتے تھے۔ اور یہی بنی عباس کے سرپرست تھے۔ عبد اللہ انھیں کے گھر پر فوت ہوئے (۷۱۷ء)۔ ساتھ ہی انھوں نے اپنی تحریک کے خراسانی ساتھیوں کو یہ وصیت کردی کہ ہر حالت میں وہ بنی امیہ کے خلاف محمد ابن علیؓ کی سرپرستی میں کام کریں۔ اس طرح یہ مضبوط اموی مخالف تحریک بغیر کسی بڑی جستجو کے بنی عباس کے ہاتھ آگئی اور وہ اس کے قائد بن گئے گویا خلافت عباسیہ کا سنگ بنیاد رکھ گیا۔

۱۲۶ ہجری میں محمد بن علی فوت ہوا تو اس کے بیٹے ابراہیم بن محمد نے اس تحریک کی قیادت سنبھالی۔ محمد بن علی کے زمانے تک بنی امیہ کے خلاف خفیہ تیاریاں چل رہی تھیں۔ لیکن ابراہیم بن محمد کے زمانے میں اس بغاوت کا راز فاش ہوگیا۔ یہ زمانہ اموی خلافت کا آخری زمانہ ثابت ہوا۔

بنی امیہ کے آخری فرماں روا مروان ثانی نے ابراہیم بن محمد کو گرفتار کرا لیا اور پھر قتل کرڈالا۔ گرفتاری کے وقت ہی ابراہیم نے اس باغی تحریک کی قیادت اور اپنی جانشینی عبد اللہ ابن محمد کے سپرد کردی۔ اب تک عباسی تحریک خوب زور پکڑ چکی تھی اور

بنی امیہ زوال کی طرف جا رہے تھے۔ عبداللہ ابن محمد کو ایک انتہائی زیرک، دور اندیش اور بہادر جرنیل ابو مسلم خراسانی کے سبب زبردست کامیابیاں نصیب ہوئیں۔ اس کی خدمات کے پیش نظر مؤرخین اس کو خلافت عباسیہ کے بانیان میں شمار کرتے ہیں۔ اُس نے عبداللہ کو عراق، ایران اور خراسان امویوں کے قبضہ سے نکال کر دیے۔

جب عراق و ایران پر قبضہ ہو گیا تو ۱۳۲ ہجری میں عبداللہ بن محمد نے کوفہ کی جامع مسجد سے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا اور پہلا خطبہ بحیثیت خلیفہ کے دیا۔ یہیں سے عباسی حکومت کی داغ بیل پڑی۔

۱۳۳ ہجری (AD۷۵۰) میں دریائے فرات کے کنارے بنی امیہ اور بنی عباس کا فیصلہ کن آخری معرکہ پیش آیا۔ اس سخت ترین معرکہ میں بنی امیہ کا آخری تاجدار مروان ثانی مارا گیا اور اس طرح بنی امیہ کی ظالم حکومت کا زوال ہو گیا۔ اور یہیں حضرت علی کی وہ پیشین گوئی پوری ہوئی جو آپ نے بنی امیہ کے زوال کے بارے میں فرمائی تھی۔ حکومت ایک جھٹکے میں بنی امیہ کے ہاتھوں سے نکل کر ان کے سخت ترین ''دشمنوں'' کے ہاتھوں میں پہنچ گئی، جیسا کہ حضرت علی نے فرمایا تھا کہ یہ حکومت تمہارے دشمنوں کے ہاتھوں میں پہنچے گی اور تم اپنی آنکھوں سے اپنی یہ آسائشیں ان کے گھروں میں منتقل ہوتے دیکھو گے۔

بنی عباس نے حکومت پر قبضہ کر کے بنی امیہ کا کھلے ہاتھوں قتل عام کیا۔ ان کے قتل عام سے بچ کر ایک شہزادہ عبدالرحمٰن اندلس نکل گیا۔ وہاں اس نے اپنے حامیوں کے ساتھ مل کر حکومت قائم کر لی جو تقریباً ۳۰۰ سال تک قائم رہی۔ اِدھر بنی امیہ سے جو بھی بنی عباس کے ہاتھ آیا اس کو انتہائی بربریت سے قتل کیا۔ عبداللہ نے اپنے لئے ''السفاح'' کا لقب تجویز کیا جس کے معنی انتہائی خونریزی کرنے والے کے ہیں۔ تاریخ میں یہ پہلا عباسی خلیفہ اب ابوالعباس سفاح نام ہی سے معروف ہے۔

جیسا کہ اُس نے اپنے لئے خونریز کا لقب منتخب کیا تھا۔ اس لقب کی اُس نے

پوری آبرو رکھی۔ اس نے ظلم کی چکی چلا دی۔ عموماً دیگر سب اور خصوصاً بنی امیہ اس کے ظلم کا شکار ہوئے۔ مؤرخین کا کہنا ہے کہ بنی امیہ کے ۱۰۰ سالہ مظالم کا انتقام اس نے ۵ سال میں پورا کرنے کی کوشش کی۔ جہاں جہاں جن جن شہروں میں بنی امیہ تھے ان کا قتل عام بغیر تخصیص کے کیا گیا۔ حالت یہ تھی کہ شہر کی نالیوں میں پانی کی جگہ خون بہتا تھا۔ کئی سال تک بنی امیہ کا قتل عام جاری رہا۔ اس میں بچے، بوڑھے اور بیمار کی تخصیص نہیں تھی۔

بنی عباس کے مؤرخین نے بنی عباس کے ہولناک مظالم کی جھلکیوں میں ایک واقعہ یہ رقم کیا ہے کہ ابوالعباس کے چچا عبداللہ ابن علی نے اپنے ہاں ۹۰/ امویوں کو پناہ دے رکھی تھی اور وہ اس قتل عام سے محفوظ تھے۔ ایک دن کھانے کے لئے دسترخوان لگایا گیا۔ اس پر عبداللہ ابن علی اور یہ پناہ گزیں اموی آ کر بیٹھے کھانا دسترخوان پر چن دیا گیا۔ اتفاقاً وہاں اس وقت ایک شاعر شبل بن عبداللہ بھی شریک دسترخوان تھا۔ اس نے اس وقت کچھ ایسے بھڑکیلے اشعار پڑھنا شروع کئے جن میں بنی امیہ کے مظالم کا تذکرہ تھا۔ بس اچانک عبداللہ بن علی کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور اس نے اسی وقت دیگر عباسیوں کے ساتھ لاٹھی ڈنڈوں اور تیز دھار اسلحوں سے ان امویوں پر حملہ کر دیا اور سب کو مار لیا۔ اس واقعہ کا ہولناک ترین منظر یہ ہے کہ اس قتل عام سے فارغ ہو کر دسترخوان انہیں اموی مقتولین کی لاشوں پر بچھایا گیا۔ صورت حال یہ تھی کہ دسترخوان کے اوپر کھانے چنے ہوئے تھے اور دسترخوان کے نیچے چند دم توڑتے ہوئے کراہتے ہوئے بنی امیہ۔ اور اسی صورت میں کھانا کھایا گیا۔ (تاریخ اسلام، اکبر شاہ نجیب آبادی و دیگر مؤرخین)

بنی عباس کا جوش انتقام صرف زندہ امویوں پر مظالم تک ہی محدود نہیں رہا۔ بلکہ مُردے بھی اس انتقام کی زد سے محفوظ نہ رہ سکے۔ چنانچہ سفاح نے اموی خلفاء کی قبروں کو کھدوا دیا اور ہڈیوں کو جلا ڈالا اور پیس ڈالا، فقط عمر ابن عبدالعزیز کی قبر کو چھوڑا

گیا۔ ہشام ابن عبدالملک کی لاش صحیح نکل آئی تو اس کو لٹکا کر کوڑے لگوائے گئے اور پھر جلا ڈالا گیا۔ ابومسلم خراسانی نے خراسان میں یہ کام اور زور وشور سے کیا اس نے ہر اُس شخص کو قتل کروا ڈالا جس نے کبھی بنی امیہ سے کوئی ہمدردی کی یا کوئی خدمت انجام دی تھی۔

غرض بنی امیہ کے لئے کوئی قریہ، کوئی گاؤں اور کوئی مکان جائے پناہ نہ تھا۔ برسوں تک بنی امیہ کا قتل عام چلتا رہا۔

وہ پیشین گوئی جو امویوں کے لئے حضرت علی نے ارشاد فرمائی تھی اس طرح پوری ہوئی۔

قرآن واہلبیتؑ کی بے وقعتی کا دور

''میرے بعد تم پر ایک ایسا دور آنے والا ہے، جس میں حق بہت پوشیدہ اور باطل بہت نمایاں ہوگا اور اللہ و رسول پر افترا پردازی کا زور ہوگا۔ اس زمانہ والوں کے نزدیک قرآن سے زیادہ کوئی بے قیمت چیز نہ ہوگی جبکہ اسے اس طرح پیش کیا جائے کہ جیسا کہ پیش کرنے کا حق ہے۔ اور اس قرآن سے زیادہ ان میں کوئی مقبول اور قیمتی چیز نہیں ہوگی اس وقت جبکہ اس کی آیتوں کا بے محل استعمال کیا جائے اور نہ ان کے شہروں میں نیکی سے زیادہ کوئی برائی اور برائی سے زیادہ کوئی نیکی ہوگی۔ چنانچہ قرآن کا بار اٹھانے والے اسے پھینک کر الگ کریں گے اور حفظ کرنے والے اس کی تعلیم بھلا بیٹھیں گے اور قرآن اور قرآن والے بے گھر اور بے در ہوں گے اور ایک ہی راہ میں ایک دوسرے کے ساتھی ہوں گے۔ انھیں کوئی پناہ دینے والا نہ ہوگا۔ وہ بظاہر لوگوں میں ہوں گے مگر ان سے الگ تھلگ، ان کے ساتھ ہوں گے مگر بے تعلق اس لئے کہ گمراہی ہدایت سے سازگار نہیں ہوسکتی اگرچہ کہ وہ یکجا ہوں۔ لوگوں نے تفرقہ پردازی پر تو اتفاق کرلیا ہے اور جماعت سے کٹ گئے ہیں۔ گویا کہ وہ

دورِ حاضر کے عظیم فتنہ داعش کی پیشینگوئی

اپنی اس کتاب میں گو کہ ہم نے صرف نہج البلاغہ کی پیشینگوئیاں بیان کی ہیں ورنہ تو آپؑ کا کلام بہت وسیع ہے، تاہم نہج البلاغہ سے الگ صرف اس پیشین گوئی کو میں نے اس لئے منتخب کیا کیونکہ یہ دورِ حاضر کی ایک انتہائی اہم پیشین گوئی ہے جو پوری ہوئی ہے۔

ہمارے شیعہ علماء میں سے ۴۰۰ رسال قبل شہید ثالث علیہ الرحمہ نے ایک عظیم کتاب ''احقاق الحق'' تصنیف فرمائی تھی۔ یہ کتاب ولایت حضرت امیر المومنینؑ کے دفاع میں تحریر کی تھی اور کتاب ''ابطال نہج الباطل'' کا رَد تھی۔ اسی عظیم کتاب کی تصنیف کی پاداش میں قاضی نور اللہ شوستری علیہ الرحمہ کو مغل بادشاہ جہاں گیر نے شہید کرادیا۔ آپ کا مزارِ مبارک آگرہ میں ہے اور ''شہیدِ ثالث'' کے لقب سے آپ کو یاد کیا جاتا ہے اور آپ کے مزار مبارک پر ہر سال بڑے پیمانے پر سالانہ مجالس عزا کا انعقاد کیا جاتا ہے۔

اپنی اسی کتاب ''احقاق الحق'' کے صفحہ نمبر ۴۱۰ ر باب ۲۹ ر میں امام

کتاب کے پیشوا ہیں، کتاب ان کی پیشوا نہیں۔ ان کے پاس تو صرف قرآن کا نام رہ گیا ہے اور صرف اس کے خطوط و نقوش کو پہچان سکتے ہیں۔ اس آنے والے دور سے پہلے وہ نیک بندوں کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچا چکے ہوں گے اور اللہ کے متعلق انکی سچی باتوں کا نام بھی بہتان رکھ دیا ہوگا اور نیکیوں کے بدلے میں انہیں بری سزائیں دی ہوں گی۔"

(خطبہ نمبر-۱۴۵)

اس پیشین گوئی میں حضرت نے ایک ایسے وقت کا اعلان کیا ہے جس میں ہدایت کی کتاب اور دستور اسلامی کو بری طرح نظر انداز کیا جائے گا۔ اس پیشین گوئی کو عموماً تو ہم اپنے زمانے میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن چند اشاروں کے سبب یہ پیشین گوئی ایک مخصوص زمانے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں قرآن کو لوگ سبک سمجھیں گے لیکن جب ان کو اپنی بات ثابت کرنی ہو یا کوئی جواز پیدا کرنا ہو تو یہی قرآن جس کو انھوں نے اپنی زندگی میں حقیر قرار دے رکھا ہے، اپنے استدلال کے وقت یہی قرآن ان کو بہت عزیز ہو جائے گا کیونکہ اس کی آیتوں سے وہ اپنے مفادات حاصل کریں گے۔ یعنی کہ قرآن کو محض اپنے مفادات حاصل کرنے کا ذریعہ بنالیا جائے گا اور اس کا اصل یعنی اُس سے ہدایت لینی بند کر دی جائے گی۔ اُن کی بستیوں کا حال یہ ہوگا کہ پورا معاشرہ خراب ہو چکا ہوگا۔ اس طرز پر لوگوں کے شب و روز ہوں گے کہ نیکیاں اُن کے نزدیک برائیاں بن چکی ہوں گی اور برائیوں کو اس طرح انجام دیں گے کہ جیسے نیکیاں کی جا رہی ہوں۔ یعنی معاشرہ میں بے حسی کا ماحول ہوگا اور لوگ بے تکلف گناہ اور معاصیات میں شامل ہوں گے۔ قرآن کے حاملین اور قرآن کو حفظ کرنے والے بس اس کے الفاظ کو تو اپنے پاس رکھیں گے مگر اس کی تعلیمات سے انھیں کوئی سروکار نہ ہوگا۔

یہ تمام حالات آج کے دور میں بھی ہیں اور پہلے ادوار میں بھی نظر آجاتے

ہیں لیکن ایک خصوصی اشارہ ''قرآن اور قرآن والے بے گھر اور بے در ہوں گے اور ایک ہی راہ میں ایک دوسرے کے ساتھی ہوں گے۔ انھیں کوئی پناہ دینے والا نہ ہوگا۔ وہ بظاہر لوگوں میں ہوں گے مگر اُن سے الگ تھلگ اُن کے ساتھ ہوں گے مگر بے تعلق اس لئے کہ گمراہی ہدایت سے سازگار نہیں ہوسکتی اگرچہ کہ وہ یکجا ہوں۔''

یہ مخصوص اشارے اس پیشین گوئی کو حضرت کے فوراً بعد کے زمانے سے لے کر امام حسن عسکری کے زمانے تک کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ علامہ مفتی جعفر صاحب نے ''قرآن والے'' سے یہاں اہلبیت اطہار کو مراد لیا ہے، جو کہ قطعی درست ہے۔ کیونکہ رسول نے حدیث ثقلین میں جو کہ مسلّم ہے، قرآن کے ساتھ اہلبیتؑ کا تذکرہ کیا ہے اور ان کے کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہونے کی پیشین گوئی کی ہے یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر پہنچیں گے۔ اس مقام پر بھی حضرت علیؑ جو فرمار ہے ہیں۔ ''قرآن اور قرآن والے'' ساتھی ہوں گے سے مراد وہی ہیں۔ حضرت علی کی شہادت کے بعد سے لے کر امام حسن کی خلافت کی ابتدا پھر خلع خلافت اور پھر وہاں سے لے کر امام حسن عسکریؑ کی شہادت تک آپ تاریخ پڑھ لیں بنی امیہ کے مختلف بادشاہوں کا دور اور بنی امیہ کے بعد سے لے کر بنی عباس کے حکمرانوں کا دور خود بہ خود تمام حالات بیان کردے گا۔ بادشاہوں کے چہرے بدلتے رہے اور حکمراں Dynasty بھی بدل گئی لیکن اہلبیتؑ اطہار جنھیں یہاں حضرت نے ''قرآن والے کہہ کر یاد کیا ہے بالکل انھیں حالات میں رہے جس کی پیشین گوئی حضرت نے فرمادی تھی۔ معاشرہ میں بے دینی کا دور دورہ تھا جس کے لئے فریقین کے تمام علماء اور مفسرین و مورخین متفق ہیں اور حکمرانوں کے اس پورے دور کو ''خلفائے غیر راشدین'' یا ملوکیت کا دور کہتے ہیں۔ ان ادوار میں جہاں قرآن کی بے توقیری تھی محض اپنے مطالب کے لئے قرآن سے جواز پیش کئے جاتے تھے اور معاشرہ کا عین وہی عالم تھا جو کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ وہیں اہلبیت رسول کو قطعی طور پر نظرانداز کردیا گیا تھا اور اُن کی بے توقیری کا عالم یہ تھا کہ

انھیں معاشرہ سے بالکل کاٹ دیا گیا تھا۔ وہ مدینہ ہی میں رہتے تھے۔ لوگوں کے درمیان ہی میں زندگی بسر کرتے تھے۔ مگر اس کے باوجود وہ تنہا تھے کیونکہ لوگوں کو ان کی طرف رغبت نہ تھی اور حکومت کی پالیسیوں کے سبب لوگ اُن سے کٹے ہوئے تھے۔ یہ آلِ رسول کے لئے انتہائی مصیبت کی صورت حال تھی جس پر انھوں نے ہمیشہ صبر فرمایا۔ پیغمبر جن کی عزت خود فرماتے تھے اور دوسروں کو ان کی عزّت کرنے کی ہدایت فرماتے تھے، وہ پوری طرح امت کی بے توجہی کا شکار تھے۔ یہاں تک کہ بعد کے ادوار وہ آئے کہ وہ علیؑ جن کی شان میں بہت سی آیات قرآنی نازل ہوئیں، جن کی شان میں رسول اللہ نے لوگوں کو متوجہ کر کے بہت سی حدیثیں بیان فرمائیں، انھیں علی کو منبر رسول سے گالیاں دی جانے لگیں۔ یہ کارنامہ معاویہ نے انجام دیا جو پورے ملک میں پھیل گیا۔ تاریخ احمدی میں مختلف حوالوں سے ہے کہ جب حضرت علیؑ پر برسر منبر لعنت ہونے لگی تو جناب ام سلمٰی زوجہ نبیؐ نے معاویہ کو خط لکھا کہ تم یہ علی پر برسر منبر لعنت نہیں کہتے ہو بلکہ یہ خدا اور رسول پر لعنت ہے کیونکہ میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ اور اس کے رسول علیؑ کو چاہتے ہیں مگر معاویہ نے ان کے خط پر کوئی توجہ نہیں دی۔ صورت حال یہ تھی کہ مدینہ میں امام حسن اور امام حسین اور دیگر بنی ہاشم کی موجودگی میں یہ خوفناک اور غلیظ ترین کام کیا جاتا تھا اور مظلومی اپنے عروج پر تھی کہ یہ حضرات اس عمل کو دیکھتے اور صبر فرماتے تھے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرت نے فرمایا ہے کہ اس دور کے آنے سے پہلے "وہ نیک بندوں کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچا چکے ہوں گے اور اللہ کے متعلق ان کی صحیح باتوں کا نام بھی بہتان رکھ دیا ہوگا اور نیکیوں کے بدلے میں انھیں بری سزائیں دی ہوں گی۔"

خصوصاً بنی امیہ اور اس کے بعد بنی عباس کے ادوار پر حضرت علیؑ کے یہ جملے حقیقت اور سچائی کی آخری منزل پر نظر آتے ہیں۔ تاریخ آج تک گواہ بنی کھڑی ہے۔ قرآن کی بے وقعتی کے جس دور کا حضرت علیؑ نے ذکر کیا ہے، خود رسول خدا نے

بھی حضرت علیؑ سے پہلے ہی اس کی نشاندہی فرمادی تھی اور مسلمانوں کو خبردار کردیا تھا۔ سچ یہ ہے کہ حضرت علیؑ کا علم خود رسول ہی کا علم تو تھا۔ انھیں سے حاصل کردہ علوم سے آپؑ نے ازخود بہت سے دروازے اپنی لیاقت سے کھولے تھے۔ رسول نے جو پیشین گوئی فرمائی وہ اس طرح ہے۔

''عطیات اسی وقت تک قبول کرو جب تک ان کی حیثیت عطیہ کی رہے (یعنی حضرت کا مقصد یہ ہے کہ اسلام نے مومنین کی تحفہ وتحائف کے لینے دینے میں جو حوصلہ افزائی اور ہدایت کی ہے کہ اس سے آپسی محبت میں اضافہ ہوتا ہے، وہ بس اسی حد تک قابل قبول ہے جب تک کہ وہ خلوص نیت سے ہو۔ اگر ان تحائف وعطیات کے پیچھے دین کی خرید وفروخت کا کھیل کھیلا جارہا ہو تو ان کی حیثیت عطیہ کی نہیں بلکہ دین فروشی اور اس کی قیمت جیسی ہوگی) اور جب وہ دین کے معاملے میں رشوت بن جائے تو ایسے عطیات کو قبول کرنے سے انکار کردو (یہ بنی امیہ کے زمانے میں ہونے والی دین فروشی اور حکومت کی عطا کی طرف اشارہ اور اس کو رد کرنے کا حکم ہے۔) لیکن تم اس رشوت ستانی سے بچ نہیں سکو گے۔ تمھاری ضرورتیں تمھیں ان کے قبول کرنے پر مجبور کریں گی (یہ ان حالات کی طرف اشارہ ہے کہ بنی امیہ کے زمانے میں لوگ عیش وآرام کی زندگی کے عادی ہوجائیں گے۔ دین سبک ہوجائے گا اور دنیاوی ترجیحات بڑھ جائیں گی۔ یہی ہوا کہ لوگوں کی اس صورت حال کا بنی امیہ نے مول بھاؤ کے ذریعہ فائدہ حاصل کیا۔) یاد رکھو کبر ونخوت والے لوگوں کا دور ختم ہوگیا ہے اب اسلام کا دور دورہ ہے اس لیے کتاب الٰہی کے مطابق زندگی بسر کرو۔ یاد رکھو ایک دور آنے والا ہے جب حکمراں ٹولہ خدا کی کتاب کے خلاف عمل پیرا ہوگا۔ ایسے پر

آشوب دور میں تم کتاب الٰہی کی اطاعت کرتے رہنا، کتاب خدا کی اطاعت سے ہرگز انحراف کا راستہ اختیار مت کرو۔تم پر ایسے لوگ مسلط ہو جائیں گے کہ اگر تم انکی اطاعت کرو گے تو وہ تمھیں غلط راستہ پر ڈال دیں گے اور اگر تم ان کی نافرمانی کرو گے تو تمھیں ذلیل و رسوا کریں گے۔

صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! ایسے وقت میں ہمارے لئے کیا حکم ہے۔؟

فرمایا، تم عیسیٰ کے اصحاب کے مانند اپنے دین پر قائم رہنا کہ انھیں آروں سے چیر دیا گیا اور سولیوں پر لٹکا دیا گیا مگر اُن کے پائے عزیمت وثبات میں لغزش نہیں آئی۔اللہ کے راستے میں مرجانا اس کی نافرمانی کرتے ہوئے زندہ رہنے سے ہزار گنا بہتر ہے۔" (بیہقی)

سرکارِ رسالتمآب کی گفتگو کے جلی لفظوں والے حصوں میں صاف صاف بتا دیا گیا ہے کہ آنے والے دور میں قرآن کے خلاف چلنے کا چلن ہوگا اور یہ کوئی اور نہیں خود حکمراں طبقہ ہوگا جو قرآن کو بے وقعتی کے حال میں پہنچائے گا۔اس میں تمام حالات کا ذکر ہے کہ جو لوگ ان کی اطاعت کریں گے وہ گمراہی کی راہ پکڑ لیں گے اور جو ان کی اطاعت سے انحراف کریں گے وہ سختیوں اور رسوائیوں کا سامنا کریں گے۔ گفتگو کا ایک ایک حرف بنی امیہ کے ادوار کی ہو بہو تصویر کشی کر رہا ہے۔حضرتؐ نے امت کو سخت ترین تاکید کی ہے کہ گمراہی اور قرآن کی مخالف زندگی میں جانے کے بجائے دین وعقائد صالحہ کے ساتھ موت کو گلے لگانا فائدہ کا سودا ہے۔

''ایک ایسے زمانے کی پیشین گوئی کہ جس میں دولت مند دے گا مگر ثواب لینے والے کا زیادہ ہوگا۔ لوگ جھوٹی قسمیں کھائیں گے۔''

''ہاں! میرے ماں باپ ان گنتی کے چند اقرباء پر قربان ہوں جن کے نام آسمانوں میں جانے پہچانے ہوئے اور زمین میں انجانے ہیں۔ لہٰذا اس صورت حال کے متوقع رہو کہ تمھیں مسلسل ناکامیاں ہوتی رہیں اور تمھارے تعلقات درہم و برہم ہوں اور تم میں کے چھوٹے برسر کار نظر آئیں گے، یہ وہ ہنگام ہوگا کہ جب مومن کے لئے بطریق حلال ایک درہم حاصل کرنے سے تلوار کا وار کھانا آسان ہوگا۔ وہ وقت ہوگا کہ جب لینے والے (فقراء) کا اجر و ثواب دینے والے سے (مالدار) سے بڑھا ہوا ہوگا۔ یہ وہ زمانہ ہوگا کہ جب تم مست و سرشار ہوگے۔ شراب سے نہیں عیش و آرام سے اور بغیر کسی مجبوری کے (بات بات پر) جھوٹی قسمیں کھاؤ گے اور بغیر کسی لاچاری کے جھوٹ بولو گے۔ یہ وہ وقت ہوگا کہ جب مصیبتیں تمھیں اس طرح کاٹیں گی جس طرح اونٹ کی کوہان کو

پالان (آہ) ان سختیوں کی مدت کتنی دراز اور اس سے چھٹکارا پانے کی امیدیں کتنی دور ہیں۔

اے لوگو! ان سواروں کی باگیں اتار پھینکو کہ جن کی حیثیت نے تمھارے ہاتھوں گناہوں کے بوجھ اٹھائے ہیں۔ اپنے حاکم سے کٹ کر الگ نہ جاؤ ورنہ بداعمالیوں کے انجام میں اپنے ہی نفسوں کو برا بھلا کہو گے۔ اور جو آتشِ فتنہ تمھارے آگے شعلہ دے رہی ہو، اس میں اندھا دھند کود نہ پڑو۔ اس کی راہ سے مڑ کر چلو اور درمیانی راہ کو اس کے لئے خالی کر دو۔ کیونکہ میری جان کی قسم! یہ وہ آگ ہے کہ مومن اس کی لپٹوں میں تباہ و برباد اور کافر اس میں سالم و محفوظ رہے گا۔ تمھارے درمیان میری مثال ایسی ہے جیسے اندھیرے میں چراغ کہ جو اس میں داخل ہو وہ اس سے روشنی حاصل کرے۔ اے لوگو! سنو اور یاد رکھو اور دل کے کانوں کو (کھول کر) سامنے لاؤ تا کہ سمجھ سکو۔''

(خطبہ نمبر-۱۸۵)

یہ خطبہ اس خاص زمانے کے بیان سے مخصوص ہے جس میں زمانے کے حالات میں قابل ذکر تغیر ہوگا۔ خصوصیت سے خطبہ میں چند باتیں قابل غور ہیں:

- مومن کو ناکامیوں کا سامنا ہوگا۔ فرمایا ''متوقع رہو کہ تمھیں مسلسل ناکامیاں ہوتی رہیں۔

- تمھارے تعلقات درہم و برہم ہوں اور تم میں کے چھوٹے برسر کار نظر آئیں۔

- مومن کے لئے بطریق حلال ایک درہم حاصل کرنے سے تلوار کا وار کھانا آسان ہوگا۔ یعنی حلال روزی کی تلاش انتہائی مشکل امر ہوگا۔

- ایک طبقہ ایسا ہوگا ''تم مست و سرشار ہو گے۔ شراب سے نہیں بلکہ عیش و آرام سے۔ یعنی ایک طبقہ کو پیسے کی فراوانی ہوگی۔

- مومن کے لئے مصیبت کا وقت ہوگا۔ یہ وہ وقت ہوگا کہ جب مصیبتیں تمھیں اس طرح کاٹیں گی جس طرح اونٹ کی کوہان کو پالان۔

- مومن اس پُرفتن دور میں سخت پریشان ہوگا جبکہ کافر کو یہ دور راس آئے گا۔''میری جان کی قسم! یہ وہ آگ ہے کہ مومن اس کی لپٹوں میں تباہ و برباد اور کافر اس میں سالم و محفوظ رہے گا۔''

دورِ حاضر میں حضرت کا یہ کلام بہت حد تک ہمارے وقت میں پھیلی ہوئی بد عنوانی، سماج میں غیر برابری اور مومن کے لئے رزق حلال کی سختی بیان کر رہا ہے۔ اس پیشین گوئی کا بہت کچھ حصہ ہم اپنے دور میں دیکھ رہے ہیں۔

-ایک ایسے آدمی کے لئے یہ دور بہت مشکل دور ہے جو شخص اپنی ایمانداری کی بناء پر کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں اس قدر بے ایمانی رائج ہو چکی ہے کہ اس میں خالص ایمانداری کے ساتھ کامیابیاں دشوار ترین ہوگئی ہیں۔ نوکری ہو یا تجارت ہر طرف Corruption کا بول بالا ہے۔ اب اگر کوئی ایک ایماندار شخص اس Corruption کی Chain سے ہٹ کر چلنا چاہتا ہے تو وہ دو پاٹوں میں پستا ہے۔ اوپر کے افسر بھی اس کو پیٹتے ہیں اور نیچے کام کرنے والے بھی اس کو تنگ کرتے ہیں کیونکہ یہ دونوں طبقات کی ناپسند ہوتا ہے۔ کیونکہ اوپر کے افسران اور اپنے ماتحت دونوں ہی کے ناجائز مفادات کے خلاف اس کا رویہ ہوتا ہے لہٰذا اسے دونوں طرف سے پریشانیاں ملتی ہیں۔'' اس لئے پوری Chain میں کسی ایک ایماندار شخص کا نباہ بہت مشکل کام ہے۔ اسی طرح تجارت کے میدان میں ملاوٹ، گھٹ تولی، ٹیکس چوری، سرکاری افسران سے ملی بھگت یہ سب اتنا عام ہے کہ ایک ایماندار تاجر کے لئے بہت سی مشکلیں پیدا کرتا ہے۔

Corruption کی یہ لعنت ترقی پا کر اس انتہا کو پہنچ چکی ہے کہ بڑے بڑے لیڈر اور سربراہان قوم اس میں ملوث پائے گئے ہیں۔ یہ صرف کسی ایک ملک کا مسئلہ

نہیں ہے بلکہ عالمی پیمانے پر یہ وباء پھیلی ہوئی ہے۔ عیدی امین، بنگارو لکشمن، فرڈنینڈ مارکوس، کرنل قذافی، صدام حسین وغیرہ وہ لوگ ہیں جن کا Corruption منظر عام پر آچکا ہے۔ زیر نظر چارٹ میں چند عالمی پیمانے کے لیڈروں کے کرپشن کی تفصیل عرض کرتا ہوں۔ دنیا کے کرپٹ لیڈروں پر ایک نظر ڈالیں۔

نمبر	لیڈر کا نام	عرصہ حکومت اور ملک کا نام	غیر قانونی فنڈ
1.	Md. Suharto	صدر مملکت انڈونیشیا (Indonesia) (1967-1998)	15-35 Billion
2.	Ferdinand Marcos	صدر مملکت فلپینس (Phillipines) (1972-1986)	5-10 Billion
3.	Mobutu Sese Seko	صدر مملکت زائرے (Zaire) (1965-1997	5 Billion
4.	Sani Abacha	صدر مملکت نائجیریا (Nigeria) (1993-1998)	2-5 Billion
5.	Solobodan Milosevie	صدر مملکت سربیا، یوگوسلاویہ (Serbia/Yougoslavia (1989-2000)	1 Billion
6.	Jean-Clande Duvalier	صدر مملکت ہیتی (Haiti) (1971-1986)	300-800 Million
7.	Alberto Fuljimori	صدر مملکت پیرو (Peru) (1990-2000)	600 Million
8.	Pasclo Lazarenko	وزیر اعظم یوکرین (Ukraine) (1996-1997)	114 to 200 Million
9.	Arnoldo Alemin	وزیر اعظم نکاراگوا (Nicaragua) (1997-2002)	100 Million
10.	Joseph Estreda	صدر مملکت فلپینس (Phillipines) (1998-2001)	78-80 Million

Source-Transparency International Global Corruption Report-2004

حال ہی میں اسرائیل کے وزیر اعظم نتن یاہو پر بھی کرپشن کے الزامات

عائد ہوئے ہیں۔

حضرت علیؑ کا یہ فرمان کہ تمھارے تعلقات درہم برہم ہوں اور تم میں کے چھوٹے برسرِ کار نظر آئیں۔

یہ اشارہ اس طبقاتی نظام کی طرف ہے جو آج ہمارے سامنے ہے۔ حضرت ایک ایسے طبقہ کی بات کر رہے ہیں جو ہر اعتبار سے چھوٹے سمجھے جاتے تھے۔ مگر آنے والے وقت میں حضرت ان کے بارے میں اشارہ فرما رہے ہیں کہ برسر کار یہی نظر آئیں گے۔ یہ صاف اشارہ سماجی اور معاشی اعتبار سے کمزور طبقات کی طرف یعنی Backwards کی طرف ہے۔ پوری دنیا میں آج Reservation کے ذریعہ ایسے لوگوں کو آگے لایا جا رہا ہے جو سماجی نابرابری اور دیگر تعصّبات کے سبب پیچھے دھکیل دیئے گئے تھے اور بڑی اقوام کو یہ شکوہ ہے کہ اس Reservation کے سبب ان کے معاملات درہم برہم ہو رہے ہیں۔ ہم اپنے ہندوستان میں اچھی طرح اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

> ''یہ وہ ہنگام ہوگا کہ جب مومن کے لئے بطریق حلال ایک درہم حاصل کرنے سے تلوار کا وار کھانا آسان ہوگا۔''

ظاہر ہے ایسے خراب اور پُرفریب اور حرام خور معاشرہ میں مومن کے لئے حلال روزی کا مہیا کرنا ایک بڑا چیلینج ہے۔ نوکریوں میں رشوت ہے تو تجارت بھی بے ایمانی، گھٹ تولی، دودھ میں پانی کی ملاوٹ اور کالی مرچوں میں پپیتے کے بیج کی آمیزش کے درمیان وہ مومن جو خالص حلال کھانا چاہے گا اس کے لئے انتہائی دشوار گزار راہیں ہیں۔ مگر بہر حال رزق حلال مومن کے لئے مشکل ضرور ہے۔ ناممکن نہیں ہے۔ مولا کا اشارہ اسی طرف ہے۔

> ''یہ وہ وقت ہوگا کہ جب تم مست و سرشار ہوگے۔ شراب سے نہیں عیش و آرام سے۔''

یہ اشارہ ہے اُس طبقہ کی طرف جو دولت ہر ذریعہ سے حاصل کر کے دین

مہدیؑ کے علاماتِ ظہور کے بیان میں امام علیؑ کی ایک حدیث تحریر فرماتے ہیں:

''ایک گروہ نمودار ہوگا، کالے جھنڈے والے اس گروہ کو جب تم دیکھو تو ہرگز حرکت نہ کرنا۔ ان کے دل لوہے کی طرح سخت ہوں گے، ان میں احساس ورحمدلی نہیں ہوگی، یہ خود کو اصحابِ ''دولت'' کہیں گے، وہ کسی عہد ومیثاق کی پابندی نہیں کریں گے، وہ دوسروں کو حق کی دعوت دیں گے جب کہ خود گمراہ ہوں گے، انکے نام کنیت پر ہوں گے اور ان کی نسبت شہروں کی طرف ہوگی، ان کے بال عورتوں کی طرح لمبے ہوں گے، ان کی قتل وغارت گری جاری رہے گی یہاں تک کہ ان کے درمیان اختلافات پیدا ہوں گے۔''

اسی حدیث کو شیخ نعیم حماد نے اپنی کتاب ''کتاب الفتن'' میں الفاظ کے ذرا سے تغیُّر کے ساتھ بیان کیا ہے۔ شیخ نعیم حماد، محمد بن اسماعیل بخاری کے استاد تھے، کہ جن کی صحیح بخاری اہل اسلام میں قرآن کے بعد سب سے سچی کتاب کہی جاتی ہے۔

شیخ نعیم حماد نے ''کتاب الفتن'' کی حدیث نمبر ۵۵۱ میں راوی ابوہریرہ سے رسولؐ سے حدیث کی ہے کہ:

''کالے جھنڈے والے نمودار ہوں گے، ان کی ابتداء فتنہ، درمیان گمراہی، اور خاتمہ کفر پر ہوگا۔''

یہ حدیث تو رسولؐ سے ہے اور ظاہر ہے علیؑ کا علم بھی انھیں کا علم ہے۔ چنانچہ ''کتاب الفتن'' ہی کی حدیث نمبر ۵۷۳ میں حضرت علیؑ سے روایت کی ہے:

''کالے جھنڈے والے کمزور لوگ نمودار ہوں گے، ان کے دل لوہے کے ٹکڑوں کی طرح سخت ہوں گے، ان میں احساس ورحمدلی نہیں ہوگی، ان کے دین میں صرف قتل وغارت گری ہوگی، یہ اصحابِ دولت ہوں گے کسی معاہدے کی پاسداری نہیں کریں گے، وہ لوگوں کو حق کی دعوت

سے منہ پھیرے ہوگا۔ دولت کی غیر متوازن تقسیم آج کا ایک بڑا مسئلہ ہے اور ایک طبقہ میں دولت محصور ہوگئی ہے۔

''یہ وہ وقت ہوگا کہ جب لینے والے (فقراء) کا اجر وثواب دینے والے (مالدار) سے بڑھا ہوا ہوگا۔''

اس جملہ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ مفتی جعفر صاحب قبلہ بیان فرماتے ہیں:

''اس دور میں دینے والے مالدار سے لینے والے فقیر و نادار کا اجر و ثواب اس لئے زیادہ ہوگا کہ مالدار کے اکتساب رزق کے ذرائع ناجائز اور حرام ہوں گے اور وہ جو کچھ دے اس میں نمود وریا اور شہرت ونمائش مقصود ہوگی جس کی وجہ سے کسی اجر کا مستحق نہ ہوگا اور غریب لے گا تو اپنی غربت و بے چارگی سے مجبور ہو کر اور اسے صحیح مصرف میں صرف کرنے سے اجر وثواب کا مستحق ہوگا۔''

علامہ نے اسی ضمن میں شارح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی کی قیمتی رائے بھی اس طرح رقم کی ہے:

''شارح معتزلی نے اس کے ایک اور معنی بھی تحریر کئے ہیں اور وہ یہ کہ اگر وہ مال دولت مند کے پاس رہتا اور یہ کہ فقیر اسے نہ لیتا تو وہ حسب معمول اسے بھی حرام کاموں میں اور عیش پرستی میں صرف کرتا اور چونکہ اس کا لے لینا بظاہر اس کے مصرف ناجائز میں صرف کرنے سے سدِ راہ ہوا ہے لہٰذا اس برے مصرف کی روک تھام کی وجہ سے وہ اجر وثواب کا مستحق ہوگا۔''

جہاں تک جھوٹی قسموں کے کھانے کا سوال ہے۔ اس کے لئے آج کل کی ہماری عدالتیں بہترین ثبوت ہیں۔ بہت بے خوفی اور ٹھاٹھ سے لوگ جھوٹے حلف اٹھاتے ہیں۔ جھوٹے Affidavit عدالتوں میں جمع کرتے ہیں۔ یہ سب ہم سب کا

مشاہدہ ہے اس میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

مومن کے لئے یہ حالات ظاہر ہے مصیبت کا دور ہوں گے۔ یہ وہ وقت ہوگا کہ جب مصیبتیں تمھیں اس طرح کاٹیں گی جس طرح اونٹ کی کوہان کو پالان۔ ان سختیوں کی مدت کتنی دراز اور اس سے چھٹکارہ پانے کی امیدیں کتنی دور ہیں۔

ان الفاظ کا غور وفکر سے مطالعہ کیا جائے تو حاصل یہ ہے کہ یہ زمانہ بہت دراز ہوگا۔

معاشرہ کے ایک طبقہ کا حرام ذرائع سے کمائی ہوئی دولت سے عیش وعشرت میں مبتلا ہونا، تجارت میں جھوٹ وفریب اور مکاریوں کا چال چلن، جھوٹی قسمیں، قسموں کی کثرت، بغیر کسی عذر کے دروغ گوئی۔ یہ سب ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور ایسے معاشرہ میں جہاں یہ چال چلن عام ہو چکا ہو ایک سچے دین دار اور ایماندار آدمی کے لئے پاک وصاف ذرائع سے رزق حاصل کرنا ناممکن تو نہیں مگر مشکل ترین مرحلہ ضرور ہے۔ جس کو اس میں مولا علیؑ کے ذریعے بتایا گیا ہے۔

صِفّین میں قرآن نیزوں پر بلند کرنے کی پیشین گوئی

جنگِ صفین کے حالات قدرے تفصیل سے پیچھے لکھے جا چکے ہیں۔ لیکن حضرت علیؑ نے صفین کی جنگ کس طرز پر ختم ہوگی اس کی پیشین گوئی پہلے ہی کر دی تھی۔ جس وقت معاویہ بغاوت پر آمادہ تھا۔ تو آپ نے اس کو بہت سے خطوط مختلف اوقات میں تحریر کیے کہ وہ کسی طرح باز آ جائے اور ملک کا امن وامان خراب نہ ہو اور مسلمانوں کے درمیان تلوار نہ چلے۔ انھیں میں کا ایک طولانی خط حضرت امیر نے جو لکھا وہ نہج البلاغہ کا مکتوب نمبر۔ ۱۰ ہے۔ اس خط کے مضمون کا آخری حصہ یوں ہے۔

"-------۔ اب تو وہ منظر میری آنکھوں میں پھر رہا ہے کہ جب جنگ تمھیں دانتوں سے کاٹ رہی ہوگی اور تم اس طرح بلبلاتے ہوگے جس طرح بھاری بوجھ سے اونٹ بلبلاتے ہیں۔ اور تمھاری جماعت تلواروں کی تابڑ توڑ مار، سر پر منڈلانے والی قضا اور کشتوں کے پشتے لگ جانے سے گھبرا کر مجھے کتاب خدا کی دعوت دے رہی ہوگی۔ حالانکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو کافر اور حق کے منکر ہیں یا نکثِ بیعت کرنے والے ہیں۔"

(مکتوب نمبر۔ ۱۰، نہج البلاغہ)

اس خط کے شروع کا مضمون وہ ہے جس میں آپؑ نے اس کو آخرت کا خیال دلایا ہے۔ اس کے گمراہی میں پڑے ہونے کا ذکر کیا ہے۔ اپنے بارے میں ذکر کیا ہے کہ تو نے مجھے جنگ کو للکارا ہے تو پھر یہ صورت بہتر ہے کہ مسلمانوں کو درمیان سے ہٹا کر میں اور تُو دونوں جنگ کرلیں اور آخر میں یہ الفاظ ادا کئے ہیں کہ آپ کو یقین تھا کہ وہ ہرگز باز آنے والا نہیں ہے۔

جس وقت جنگ اپنے شباب پر پہنچی تو امیر معاویہ کی حالت یہ تھی کہ میدان سے بھاگ جانے کے فراق میں تھا۔ اس سب کا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے۔ مالک اشتر تقریباً معاویہ کے خیمہ تک پہنچنے ہی والے تھے کہ سخت اضطراب کے عالم میں معاویہ نے عمر عاص سے کہا کہ اب کیا کیا جائے۔ یہ تو عظیم مصیبت کا وقت ہے۔ جنگ تو اب ختم ہوا چاہتی ہے۔ عمرو عاص نے کہا تم فکر نہ کرو اس موقع کے لئے میں نے ایک ترکیب اٹھا رکھی ہے۔ ابھی ذرا دیر میں علی کے لشکر میں پھوٹ ڈال دی جائے گی۔ معاویہ کو یقین نہ ہوا کہ اس منزل پر بھی کچھ ترکیب ممکن ہے۔ اُس نے کہا اب کیا ہوسکتا ہے۔ عمرو عاص نے کہا یہ ترکیب ایسی ہے کہ اگر علیؑ منظور کریں گے تو ان کے لشکر میں پھوٹ یقینی ہے اور اگر انکار کریں گے تو پھوٹ یقینی ہے۔ معاویہ نے کمالِ اشتیاق سے پوچھا کہ آخر ایسی کیا چیز ہوسکتی ہے۔ عمرو عاص نے کہا کہ ہم قرآن کو نیزوں پر بلند کر کے شور کریں گے کہ یا علی! تمہارے اور ہمارے درمیان یہ قرآن فیصلہ کرنے والا ہے۔ اس طرح علی اگر قرآن کے ہمارے حیلے کو مان لیتے ہیں تو جنگ رُک جائے گی اور اگر نہیں مانیں گے تو پھوٹ پڑ جائے گی اور خود لشکر علیؑ میں انتشار ہوجائے گا۔ معاویہ نے کہا تو پھر دیر کیا ہے۔ وقت نہیں ہے کہ اب کچھ اور انتظار کیا جائے۔ جو کچھ کرنا ہے کر گزرو۔ چنانچہ پہلے سے تیار کئے ہوئے لوگ نیزوں کی نوک پر قرآن کا پرچم بلند کر کے میدان میں اُتر آئے۔ ان دنوں چھاپہ خانے نہیں ہوتے تھے کہ کثرت سے قرآن شائع کیا جاتا۔ خطّاط اپنے ہاتھ سے خوشخطی کے ساتھ قرآن لکھتے تھے۔

چنانچہ قرآن کے نسخے محدود تعداد ہی میں دستیاب ہوتے تھے۔ عمرو عاص نے پہلے سے قرآن کے سائز کے پتھر جزدانوں میں رکھوا دیئے تھے تاکہ ہر طرف یہ نیزوں پر بلند نظر آئیں تو پورا لشکر اچھی طرح دیکھ لے کہ قرآن کی طرف بلایا جا رہا ہے۔ اس طرح قرآن کے جو نسخے دستیاب تھے ان کے علاوہ جزدانوں میں قرآن کے سائز کے پتھر بھرے ہوئے نیزے بھی تھے تاکہ لوگ دھوکہ کھا کر اسے قرآن ہی سمجھیں۔ چنانچہ ایک دم سے ہر طرف سے شور اٹھا کہ یا علیؑ! ہمارے تمہارے درمیان یہ قرآن فیصلہ کرنے والا ہے۔ حضرت علیؑ کے لشکر نے اچانک دیکھا تو نیزوں پر قرآن بلند کیے فیصلہ کی دعوت اور جنگ بندی کی گہار لگ رہی تھی۔

اگر ایک نظر میں دیکھا جائے تو کوئی بھی دین دار آدمی اس مکر میں نہیں آ سکتا تھا۔ بلکہ قرآن کو نیزوں پر بلند کرنا خود قرآن کی بے توقیری تھی اور اس سے تو اور زیادہ اشتعال علیؑ کے لشکر میں ہونا چاہیے تھا کہ قرآن کی بے توقیری ہو رہی ہے۔ پھر یہ کہ یہ وہی لوگ تو تھے کہ جب علیؑ نے انھیں قرآن کی طرف بلایا تو کب توجہ کی؟ بلکہ جب انھوں نے مسلم کے ہاتھ کاٹ کر قرآن گرا دیا تب توہین قرآن کرنے پر ہی علی نے کہا کہ اب حملہ کرو کیونکہ انھوں نے قرآن ٹھکرا دیا۔ مگر عمرو عاص اپنی اس ترکیب سے پوری طرح مطمئن تھا۔ کیونکہ اس کے ایجنٹ علیؑ کے لشکر میں کام کرنے کے لئے موجود تھے۔ چنانچہ مسعودی مروج الذہب جلد-۴ میں تحریر کرتے ہیں۔

> ''جب وہ شب جمعہ ہوئی جس کو ''لیلۃ الحریر'' کہتے ہیں تو اس رات اور اس کی صبح کو حضرت علیؑ نے بنفس نفیس ۵۲۳ آدمی اپنے ہاتھوں سے قتل کیے۔ حضرت علیؑ کے میمنۂ لشکر پر اشتر تھے۔ انھوں نے جنگ میں اس قدر کوشش اور بہادری کی کہ فتح کے آثار نمایاں ہو گئے اور قریب تھا کہ حضرت علیؑ کا لشکر مظفر و منصور ہو۔ یہ حالت دیکھ کر بزرگان لشکر معاویہ چلا اٹھے کہ خدا ہی ہماری عورتوں اور لڑکیوں پر رحم کرے۔ پس معاویہ نے

مضطرب ہو کر عمرو عاص سے کہا کہ اگر مصر کی حکومت مطلوب ہے تو اب جلد کوئی حیلۂ فرار سوچو ورنہ ہم لوگ ہلاک ہوا چاہتے ہیں۔ عمرو عاص نے اپنے لشکر والوں سے کہا کہ ایہا الناس! جس کے پاس قرآن ہو وہ اس کو اپنے نیزے پر بلند کرے۔ یہ سنتے ہی اہل لشکر نے کثرت سے قرآن مجید نیزوں پر بلند کر کے ندا کی کہ ہمارے تمھارے درمیان کتاب اللہ ہے۔''

مؤرخ ابولفداء کا بیان یوں ہے:

''جب لشکر شام نے قرآن بلند کیے تو اہل عراق نے کہا۔ اے علیؑ تم کتاب اللہ کو کیوں نہیں قبول کرتے۔ حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ تم لوگ دشمن سے مقابلہ کرنے میں اپنے حق اور صدق پر قائم رہو۔ عمرو بن عاص، معاویہ بن سفیان، ابن ابی معیط، ابن ابی سرح اور ضحاک بن قیس نہ دین دار ہیں نہ قرآن کے مخلص ہیں۔ انھیں خوب جانتا ہوں۔ بخدا انھوں نے قرآن کو محض مکاری اور فریب سے بلند کیا ہے۔'' اہل عراق بولے کہ آپ ہم کو کتاب خدا کی طرف جانے سے کیوں روکتے ہیں؟ جب کہ ہمیں اس کی جانب بلایا جا رہا ہے۔ حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ مخالفین کے مقابلہ میں یہ مقابلہ اسی لئے تو ہے کہ حکم خدا اور کتاب اللہ کے مطابق عمل کریں۔ جبکہ انھوں نے احکام خدا کی خلاف ورزی کی ہے۔''

تاریخ ابن واضح کی یہ تحریر صورت حال کو قطعی واضح کر رہی ہے۔

''حضرت علیؑ نے فرمایا کہ یہ معاویہ والوں کا فریب ہے جو انھوں نے قرآن بلند کیے ہیں۔ حالانکہ وہ قرآن سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ یہ سُن کر اشعث بن قیس کندی جو کہ معاویہ سے درپردہ ملا ہوا تھا کہنے لگا کہ

اگر تم معاویہ والوں کی درخواست منظور نہ کرو گے تو میں ابھی تمھارے
پاس سے چلا جاؤں گا۔"

اسی طرح تاریخ احمدی میں مورخ موصوف روضۃ الاحباب اور حبیب السیر کے حوالوں سے تصویر واضح کرتے ہیں۔

"۔۔۔حضرت علیؑ کی سپاہ میں سے اکثر امراء و اعیان جو معاویہ سے رشوت لے چکے تھے کہنے لگے کہ اے امیر المومنین! تم معاویہ کی درخواست قبول کرو کیونکہ وہ کتاب اللہ کی طرف بلاتا ہے۔ ورنہ ہم تم کو دشمن کے حوالے کردیں گے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا انّا لِلّٰہ وَ انّا اِلَیہِ رَاجِعُوْنَ۔"

جنگ صفین کا حال اور معاملات ہم پیچھے تحریر کر آئے ہیں۔ یہاں صرف مقصد اس پیشین گوئی پر روشنی ڈالنا تھا کہ جس میں آپ نے معاویہ کے جنگی حالات بگڑنے، معاویہ کے انتہائی اضطراب میں آنے اور پھر علیؑ کو قرآن کی دہائی دینے کی پیشین گوئی کی تھی اور بالکل حالات اسی طرح پیش آئے جس طرح آپ نے جنگ کے آغاز سے قبل ہی فرما دیا تھا۔ بالکل اسی طرح معاویہ پر افتاد پڑی۔ معاویہ اپنی جان کو مشکل ترین حالات میں دیکھ کر بدحواس ہوا اور آخرکار قرآن کو عجیب انداز سے درمیان میں لیا گیا۔

حجاج بن یوسف کے تسلط کی پیشین گوئی

"تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تم پر بنی ثقیف کا ایک لڑکا تسلط پائے گا وہ دراز قد ہوگا اور بل کھا کر چلے گا وہ تمہارے تمام سبزہ زاروں کو چر جائے گا اور تمہاری چربی تک پگھلا دے گا۔ ہاں اے ابو وذحہ کچھ اور!"

یہ پیشین گوئی امام عالیمقام نے بنی امیہ کے انتہائی ظالم و جابر اور خبیث طبیعت گورنر حجاج بن یوسف کے بارے میں فرمائی ہے۔ وذحہ کا لفظ حجاج بن یوسف کی طرف ایک دم کھلا اشارہ ہے۔ "وذحہ" کے سلسلہ میں سید رضی اسی خطبہ میں تحریر کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ "وذحہ" کے معنی خنفساء کے ہیں۔ آپؑ نے اس ارشاد (وذحہ) سے حجاج ابن یوسف ثقفی) کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس کا خنفساء سے متعلق ایک واقعہ ہے جس کے بیان کرنے کا یہ محل نہیں۔"

علامہ مفتی جعفر صاحب قبلہ شارح نہج البلاغہ اس واقعہ کو اس طرح کھولتے ہیں:

"اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دن حجاج نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوا تو ایک خنفساء اس کی طرف بڑھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے روکنا

چاہا تو اُس نے اسے کاٹ لیا۔ جس کے سبب اس کے ہاتھ پر ورم آ گیا۔
پھر یہ ورم علاج کے بعد بھی صحیح نہیں ہو سکا اور اسی میں حجاج واصلِ جہنم
ہوا۔ اس واقعہ کی مناسبت سے وذحہ کہا گیا ہے۔''

علّامہ ابن ابی الحدید اس کے متعلق یوں رقم کرتے ہیں کہ وذحہ اس گوبر کو کہتے ہیں جو کسی جانور کی دم میں لگا رہ گیا ہو۔ ابن ابی الحدید فرماتے ہیں کہ حجاج کی یہ کنیت اس کو ذلیل کرنے کے لیے تھی۔

حجاج بن یوسف بنی امیہ کے معروف گورنروں میں سے ہے۔ جس نے بنی امیہ کی بہت خدمت کی اور اپنی تدابیر اور جنگی خدمات سے بنی امیہ کی حکومت کو استحکام بخشا اور بنی امیہ کے خلاف اٹھتی ہوئی بغاوتوں کو کچل ڈالا حالانکہ تصویر کا دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ اس کے بے مثال مظالم نے بنی امیہ کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیا تاریخ میں اس کی شہرت انتہائی خونریز انسان کی ہے۔

اس کی پیدائش ۴۰ ہجری، ۶۶۱ء میں ہوئی۔ طائف کے ایک چھوٹے سے گاؤں بنو سحر میں یہ پیدا ہوا۔ طائف کے مشہور قبیلہ بلف سے تھا۔ اس کو بچپن میں کلیب کہتے تھے جس کے معنی کتے کا پلا ہوتا ہے۔ کنیت ابو محمد الحجاج ابن یوسف ابن حکم ہے۔

یہ بہت غریب گھرانے سے تھا۔ ابتدائی تعلیم اُس نے اپنے باپ سے ہی حاصل کی۔ پھر وہ اپنے والد کے ساتھ ہی طائف کے قریب کوثار گاؤں میں مدرس ہو گیا۔ مگر وہ اس پیشہ سے قطعی مطمئن نہیں تھا۔ اس کے خواب کچھ بڑا کر دکھانے کے تھے۔ حکمرانی اس کے مزاج میں رچی بسی تھی۔ وہ بچپن سے ہی اپنے ہم جماعت ساتھیوں پر حکمرانی کرتا تھا۔

کچھ اچھا کرنے کی جستجو میں وہ ۲۰ سال کی عمر میں طائف سے نکل کر شام پہنچا۔ کچھ کوشش کے بعد اسے مروان (جو کہ اس وقت خلیفہ تھا) کے وزیر کی ذاتی ملازمت مل گئی۔ بہت جلد وزیر نے اس کی صلاحیتوں اور انتظامی مہارت کو پہچان لیا

اور ترقی دے کر اس نے اس کو اپنی جائیداد کا منتظم بنا دیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اس کی جائیداد کی آمدنی کافی بڑھ گئی اور اس کی جائیداد کا انتظام بہت عمدہ ہو گیا وزیر اس کے اس انتظام سے بہت خوش اور مطمئن تھا۔ مگر اس کو حجاج کے ملازمین سے سخت گیری کی شکایتیں بھی مسلسل ملتی تھیں۔ جس کے سبب وہ اُس سے تھوڑا سا کشیدہ بھی تھا۔

انھیں دنوں عبد الملک کو اپنی فوج کی سستی اور کاہلی کا علم ہوا۔ اس سے عبد الملک بہت پریشان ہوا کیونکہ ہر طرف بغاوتیں سر اٹھا رہی تھیں اور ایسے میں فوج کا انتظام ہر طرح سے چاق و چوبند ہونا چاہیے تھا۔ دورانِ گفتگو وزیر نے حجاج کا مروان سے ذکر کیا۔ اس کی صلاحیتوں کی تعریف کی اور اسے فوجی خدمات میں لینے کا مشورہ دیا لیکن اس کا ذکر بھی کیا کہ آدمی ذرا سخت طبیعت اور ظلم پسند ہے۔ عبد الملک کو کسی ایسے ہی آدمی کی ضرورت تھی کہ جو اس کی وفاداری میں کسی بھی حد تک چلا جائے۔ اس نے فوراً حجاج کو پیش کرنے کا حکم دیا اور وہیں سے اس کے عروج کی داستان شروع ہوئی۔

عبد الملک نے اسے اپنی فوج میں نمایاں مقام دیا۔ بہت جلد اُس نے فوج پر اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا۔ فوجی اُس سے دہشت کھانے لگے۔ خود وہ وزیر جس نے اس کو سفارش کر کے مروان تک پہنچایا اور اس کے عروج کا سبب بنا تھا۔ اس کا دستہ بھی اس کی سخت گیری سے محفوظ نہیں رہ سکا حالانکہ وہ خود بھی عرصہ تک اسی کا حصہ رہا تھا۔

۶۴ ہجری میں حجاج کو مصر کی مہم پر بھیجا گیا۔ اس کے ساتھ اس کا باپ بھی اس فوجی مہم میں تھا مصر میں عبد الرحمٰن ابن جہدم الفہری جو کہ عبد اللہ ابن زبیر کا ایجنٹ تھا۔ مصر کے تمام حصوں پر قابض تھا۔ حجاج کو اس کے خلاف بھیج کر مصر آزاد کرانے کا ٹارگیٹ دیا گیا تھا۔

حجاج کے ساتھ اس کے زبردست معرکے ہوئے۔ لیکن حجاج اپنی فوجوں کو انتہائی بہادری اور مہارت سے لڑاتا رہا اور تابڑ توڑ حملوں سے اُس نے عبد الرحمٰن کو

دیتے ہوں گے، لیکن خود گمراہ ہوں گے۔ ان کے نام کنیت کے ساتھ ہوں گے، ان کی نسبت شہروں کے ساتھ ہوگی، ان کے بال عورتوں کی طرح لمبے ہوں گے، اونٹ کے کوہان کی طرح ہوں گے۔ جب اس گروہ کو دیکھو تو اپنی جگہ سے حرکت نہ کرنا۔"

ان احادیث میں تمام اشارے کھُل کر آج کی ظالم جماعت آئی ایس (IS) کی طرف اشارہ کرر ہے ہیں۔

مصر کے مشہور عالمِ دین جامعہ ازہر کے مفتی شیخ علی جمعہ چند باتوں کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ جو کہ باب مدینۃ العلم ہیں، اساسِ اہلبیتؑ ہیں، واضح طور پر داعش کی تصویر دکھا رہے ہیں۔

یہاں "کمزور" سے مراد ان لوگوں کی دین میں کمزوری ہے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ گزشتہ ۱۰۰ رسالوں سے عالمِ اسلام میں لفظ "دولت" کا استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ ۱۰۰ رسال کے بعد اب ISIS نے دولت یعنی مملکت کا لفظ خود سے منسوب کیا ہے۔

اس سے پہلے دولتِ بنی امیہ، دولت بنی عباس، دولتِ عثمانیہ وغیرہ وغیرہ کے نام سے حکمرانوں اور حکومتوں کے سلسلے منسوب رہے ہیں۔ لیکن ایک صدی سے خلافت کے خاتمہ کے ساتھ یہ لفظ بھی متروک ہوگیا تھا، لیکن دورِ حاضر میں داعش نے پھر سے اس لفظ کو خود سے منسوب کیا ہے۔ پہلے اس نے اپنا نام "دولتِ اسلامیہٗ عراق وشام" رکھا۔ پھر اس کے بعد انھوں نے اپنا دائرہ بڑھا کر اپنا نام بھی بدل لیا اور "دولتِ اسلامیہ" Islamic State (IS) رکھ لیا۔

حدیث کھل کر اس لفظ کے ساتھ ان کی نشاندہی کر رہی ہے۔ کیونکہ متروک ہونے سے پہلے "دولت" کا لفظ ایسا نہ تھا کہ جو الگ سے ذکر کیا جائے۔ تمام حکومتوں کے سلسلے "دولتِ عباسیہ"، "دولتِ عثمانیہ" کے نام سے جانے جاتے تھے، لیکن اس کا

کمزور کر دیا اور آخر کار اپنی حکمت عملی اور جنگی مہارت سے دو مہینے کی شدید جدوجہد کے بعد اس نے بنی امیہ کو فتح کا تحفہ پیش کیا۔ اس مہم کو سر کر کے حجاج اور اس کا باپ سیر یا واپس آئے تو حجاج کا قد بنی امیہ کی نظروں میں بہت بلند ہو چکا تھا۔ اسی طرح مصعب بن زبیر کے خلاف بھی اس کو مہم کا انچارج بنا کر بھیجا گیا اور اس نے سرخروئی حاصل کی۔

مکّہ میں عبد اللہ ابن زبیر کا تسلط تھا اور ہنوز بنی امیہ کی گرفت سے باہر تھا۔ حکمراں کو اس پر لشکر کشی کے لئے کسی قابل آدمی کی ضرورت تھی۔ آخر کار ۶۵ ہجری کے شعبان یا رمضان میں ایک فوج بابکش بن دلاجہ کی سرکردگی میں بھیجی۔ حجاج اور اس کے والد دونوں کو اس جنگ میں علمدار بنایا گیا۔ ربزہ کے قریب سخت معرکہ میں ابن زبیر نے شامی فوجوں کو شکست دی اور شامی فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ حجاج کے لئے یہ انتہائی شرمناک صورت حال تھی۔ کچھ عرصہ کے بعد عبد الملک ابن مروان نے پھر سے شامی لشکر کو ابن زبیر کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ اس مرتبہ مہم کا انچارج حجاج کو بنایا گیا۔ اب وہ اپنے فیصلہ لینے میں آزاد تھا۔ حجاج نے مکّہ کے باہر پہنچ کر چاروں طرف سے شہر کی ناکہ بندی کر دی۔ اُس نے غذائی بحران پیدا کیا اور مکّہ شہر کی Supply کاٹ دی جس سے کھانے پینے کا سامان عرصہ تک شہر میں پہنچ ہی نہیں سکا۔

غذائی بحران پیدا کرنے کے بعد اُس نے مکّہ کا گھیرا تنگ کر دیا اور اونچے مقامات سے شہر کے اندر سنگ باری شروع کر دی۔ آگ کی جلتی ہوئی مشعلیں بھی پھینکی جانے لگیں۔ یہ پتھر اور آگ خانہ کعبہ کے قریب بھی جا کر گرتے۔ شامی فوجوں کو خانہ کعبہ کی طرف آگ اور پتھر پھینکنے میں ذرا تکلف ہونے لگا تو اُس نے خود آگے بڑھ کر سنگ باری شروع کی جس کی وجہ سے شامی فوجوں کا تکلف جاتا رہا اور پھر زبردست سنگ باری اور آتش زنی شروع ہو گئی جس کے نتیجہ میں خانہ کعبہ کی دیوار منہدم ہو گئی اور جلتی ہوئی مشعلوں کے سبب غلاف خانہ کعبہ جل گیا۔

آخر کار شدید جنگ کے بعد حجاج کی فوجوں نے مکہ شہر میں داخلہ پانے میں کامیابی حاصل کی۔ ابن زبیر کے اکثر لوگ مارے گئے یا میدان سے ہٹ گئے اور پھر ابن زبیر تقریباً تنہا جنگ کرتے ہوئے شامی افواج کے ہاتھ مارے گئے۔ عبداللہ ابن زبیر کو قتل کرنے کے بعد ان کی لاش کو اس نے کئی دن تک برہنہ لٹکائے رکھا اور شامی افواج نے حرمت مکہ اچھی طرح زائل کی۔ اس مقام پر عبداللہ ابن زبیر کے لئے حضرت امام حسینؑ کی ایک پیشینگوئی پوری ہوئی کہ جیسا امام حسینؑ نے دورانِ قیام مکہ ابن زبیر سے اشارتاً فرما دیا تھا۔ جب حج سے پہلے امام حسینؑ نے یہ محسوس کرلیا کہ حاجیوں کے بھیس میں یزید کے آدمی مکہ میں داخل ہوگئے ہیں جن کے احرام میں تلواریں چھپی ہوئی ہیں اور ان کو یہ حکم ہے کہ حسینؑ جس حال میں اور جہاں ملیں انھیں قتل کر ڈالو تو امام عالی مقام نے حج کا ارادہ ترک کردیا۔ اور حج سے فقط ۲ دن پہلے حج کو عمرہ سے بدل کر آپ مکہ سے کوفہ کی طرف نکل پڑے۔ اس موقع پر عبداللہ ابن زبیر نے حاضر ہوکر عرض کیا تھا کہ فرزند رسول! سارا عالم اسلام مکہ کی طرف امنڈ کر آرہا ہے۔ آپ مکہ میں قیام کریں پھر حج کے دوران لوگوں سے رابطہ کرکے یزید کے خلاف ماحول تیار کیا جائے اور میں اور آپ دونوں مل کر یزید کے خلاف لشکر تیار کریں۔ تب امام حسینؑ نے فرمایا تھا کہ ابن زبیر! میری نگاہیں دیکھ رہی ہیں کہ ایک شخص مکہ میں مثل دنبہ ذبح کیا جائے گا میں نہیں چاہتا کہ وہ دنبہ میں بنوں اور میرے خون سے حرم پاک اور مکہ کی حرمت زائل ہو۔ میں مکہ کی حدود سے دو بالشت باہر قتل ہونا پسند کروں گا دو بالشت اندر قتل ہونا نہیں۔ امام عالی مقام نے حالات کی پیشین گوئی ابن زبیر سے کردی تھی اور اشارتاً ان کو آگاہ بھی کردیا تھا۔ ابن زبیر بات کو سمجھ بھی گئے تھے مگر ان کو حرمت کعبہ اور حرمت مکہ سے زیادہ اقتدار عزیز تھا۔ لہٰذا انھوں نے امام حسینؑ کی بات کو اَن دیکھا کیا اور آخر کار مکہ پر لشکر کشی اور ان کے قتل سے خانۂ کعبہ اور مکہ کی خوب حرمت زائل ہوئی۔ جبکہ امام حسینؑ نے کربلا پہنچ کر قربانی دی اور صبح

قیامت تک کے لئے ایک عظیم الشان یادگار کے مالک بن گئے۔

بہر نوع ابن زبیر کیونکہ اموی سلطنت کے لئے ایک بہت بڑا سر درد اور شدید خطرہ تھے، یزید کی موجودگی سے ان کی بغاوت شروع ہوئی تھی اور عبدالملک ابن مروان کے دور تک وہ بہت ہی طاقتور باغی کی شکل اختیار کر گئے اور مکّہ کا اقتدار اپنے ہاتھوں میں سنبھالے ہوئے تھے۔ اس لئے حجاج کی یہ فتح عبدالملک کی نگاہوں میں انتہائی خاص تھی۔ لہٰذا اس مہم کی کامیابی کے انعام میں عبدالملک نے اسے حجاز کا گورنر مقرر کردیا۔ حجاج کو انتہائی طاقتور بنانے میں یہ عہدہ بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ اُس نے کچھ عرصہ مکّہ میں قیام کیا اور دونوں ہاتھوں سے ظلم کی چکی چلائی۔ ظلم اس کی فطرت میں رچا بسا تھا تو اب گورنر بننے کے بعد اسے روکنے ٹوکنے والا تو کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے انسانی قتل کو بہت ارزاں کردیا۔ ہر اس انسان کی اُس نے گردن اتار لی جس سے یہ امکان تھا کہ وہ اموی اقتدار کے خلاف جاسکتا ہے۔ یا محض اموی اقتدار کے خلاف بول بھی سکتا ہے۔ اس کی اس بربریت کے نتیجہ میں حجاز کے حوصلے پست ہوگئے اور لوگ چار و لاچار اموی غلامی پر رضامند ہوگئے۔

مصر اور اس کے بعد حجاز دو بڑے معرکہ وہ سر کر چکا تھا اور اب وہ اموی اقتدار کی ناک کا بال بن چکا تھا۔ مکّہ کے بعد اب مدینہ کا نمبر آیا۔

مدینہ میں صحابہ اور تابعین کی کثیر تعداد موجود تھی۔ یہاں سے اموی اقتدار سے ناگواری کی خبریں برابر سننے کو مل رہی تھیں۔ حالات کی درستگی کے لئے حجاج کو وہاں بھیجا گیا۔ حجاج کی شہرت ایک انتہائی خوفناک اور خونریز شخص کے طور پر سب طرف ہوچکی تھی۔ اس کے ظلم کے قصہ اہل مدینہ تک خوب پہنچ چکے تھے۔ واقعۂ حرہ اہل مدینہ پر گزر چکا تھا اور یہ بات سب کو معلوم تھی کہ اموی حکمراں اپنے اقتدار کے لئے کسی بھی حد تک جاسکتے ہیں۔ دین اور شریعت تو ان کے لئے اقتدار پر قابض رہنے کا محض ایک Slogan ہے۔ واقعۂ حرہ کے مناظر ابھی تک اہل مدینہ کی آنکھوں میں تھے جس

کے سبب باوجود اس کے کہ اموی حکومت انھیں سخت ترین ناپسند تھی۔ لیکن ان کے حوصلے ابھی تک یزیدی مظالم کے سبب پست تھے۔

مدینہ پہنچ کر اُس نے پہلا کام یہ کیا کہ سب کو مسجد میں طلب کیا اور عبدالملک کی بیعت کی دعوت دی۔ لوگ خاموش بیٹھے رہے نہ تو کسی نے مخالفت کی اور نہ ہی کسی نے موافقت ظاہر کی۔ اُس نے ایک ہی نظر میں مدینہ کا رنگ بھانپ لیا۔ اُس نے سب کو ۳ دن کی مہلت دے کر رخصت کر دیا۔ لوگ اپنے اپنے گھروں کو سہمے ہوئے چلے گئے۔ ادھر حجاج نے خاص حکمت عملی کے تحت لوگوں کو دہشت زدہ کرنے کے لئے لوگوں کا بہانے بے بہانے قتل عام بھی شروع کر دیا۔ آخر کار ۳ دن کے بعد اُس نے پھر سب کو مسجد میں طلب کیا۔ اس نے پہلے ہی معززین مدینہ کی ایک خاص فہرست تیار کر رکھی تھی سب کو ایک ایک کر کے طلب کرتا رہا اور عبدالملک کی بیعت پیش کرتا رہا۔ انکار تو کیا کسی نے ذرا تامل بھی کی تو اُس نے فوراً اس کی گردن وہیں اتروا دی۔ حجاج اہل مدینہ کے لئے بڑی مصیبت بن کر نازل ہوا۔ اُس نے صحابہ کی توہین کی۔ انھیں قتل کیا۔ ان کی داڑھیاں نوچیں۔ ان کے اموال خُرد بُرد کئے۔ لیکن یہ سلسلہ صرف دو مہینہ تک ہی قائم رہا۔ ۲ ماہ بعد اس کو عراق طلب کر لیا گیا اور اس طرح مدینہ کے مقدس شہر کو اس کے نجس وجود سے چھٹکارا مل سکا۔

عبدالملک کو اہل خراسان، بصرہ اور کوفہ کی بغاوتوں کو کچلنے کے لئے حجاج کی خدمات کی ضرورت تھی۔ اس لئے مدینہ سے اسے صرف ۲ مہینے بعد ہی طلب کر لیا گیا کیونکہ یہاں اُس نے حالات قابو میں کر ہی لئے تھے اور عراق میں اس کی شدید ضرورت تھی۔ چنانچہ مدینہ سے طلب کر کے اُسے عراق کا نیا گورنر بنایا گیا۔ وہ عراق کی طرف اپنے ساتھ صرف ۱۲ لوگوں کو لے کر چلا اور ایک ہزار میل کا سفر طے کر کے اچانک اور غیر متوقع طور پر کوفہ پہنچ گیا۔ وہ تقریباً مغرب کے قریب کوفہ میں اس طرح داخل ہوا کہ اس نے اپنے چہرہ کو نقاب سے ڈھانپ رکھا تھا۔ اُس نے کوفہ میں پہنچتے ہی

بغیر دیر اور آرام کیے سب کو مسجد میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ کوفہ والے اپنی عادت کے مطابق شرارت پر آمادہ تھے۔ وہ اپنے ساتھ اپنی جیبوں میں کنکر اور پتھر بھر کر لائے تھے تاکہ دوران خطبہ گورنر پر پھینکیں۔ وہ منبر پر گیا اور نقاب الٹ کر انتہائی کرخت لہجہ درشت آواز اور غضبناک تیوروں کے ساتھ یوں گویا ہوا۔

''اے لوگوں! سنو! ہوش وحواس کو قابو میں رکھ کر سنو۔ تمھاری شورش پسندی اور فتنہ پروری کے جواب میں امیر المومنین نے اپنے ترکش کا سب سے سخت تیر تم پر چلایا ہے۔ تم منافق، مفسد اور فتنہ پرور ہو۔ ہر آنے والے حاکم پر شورش کرتے ہو۔ اب تم سیدھے ہو جاؤ اور اطاعت کے لئے سر جھکا دو۔ ورنہ تم کو ایسا ذلیل وخوار کروں گا کہ آئندہ تمھاری نسلیں تم پر لعنت کریں گی۔ میں تمھاری گیدڑ بھبکیوں سے ڈرنے والا نہیں ہوں۔ میں تمھارے ٹیڑھے پن کو ایسا سیدھا کروں گا کہ تم سدھی ہوئی اونٹنی کے مانند دودھ دینے لگو گے۔ جس طرح بڑھئی بے شکل لکڑی کو چھیل کر اپنی منشاء کے مطابق بنالیتا ہے ویسے ہی میں بھی تم کو اپنی مرضی کے مطابق بنالوں گا۔ میرا غصہ بہت تیز اور میرا انتقام بہت ہولناک ہے۔ تم لوگ سیدھی راہ پر آجاؤ ورنہ میں تم لوگوں کی کھالیں کھنچوا کر اس میں بھوسا بھروادوں گا۔ تلواروں اور نیزوں کے اتنے چرکے لگواؤں گا کہ خون کے فوارے چھوٹیں گے۔ تمھاری بوٹیاں کٹوا کر جنگل میں پھنکوا دوں گا کہ چیل کوے کھائیں۔ سنا ہے کہ تم میں سے اکثر لوگ مہلب کا ساتھ چھوڑ کر چلے آئے ہیں تاکہ وہ امیر المومنین کے دشمنوں کی تلواروں کا لقمہ بن جائے (مہلب ابن ابی سفرہ جو کہ عبدالملک کی طرف سے فوجی مہم پر تھا اور بغاوتوں کو کچل رہا تھا۔) اور تم اپنے بیوی بچوں میں بیٹھ کر مزے کرو۔ سن لو! جو لوگ مہلب کا ساتھ چھوڑ کر آئے ہیں دو تین دن

کے اندر مہلب کے لشکر میں واپس لوٹ جائیں ورنہ میں امیر المومنین
کے سر کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمھاری بیویوں کا سہاگ اجاڑ دوں گا۔
تمھارے بچوں کو یتیم بنا دوں گا تا کہ در در کی ٹھوکریں کھائیں۔ میں دیکھ
رہا ہوں کہ نظریں اٹھی ہوئی ہیں۔ گردنیں اونچی ہو رہی ہیں۔ سروں کی
فصلیں پک چکی ہیں اور اب کٹائی کا وقت آن پہنچا ہے۔ میری نظریں وہ
خون دیکھ رہی ہیں جو عماموں اور داڑھیوں کے درمیان بہہ رہا ہے۔''

اس کے بعد اُس نے وہ خط پڑھنے کا حکم دیا۔ جو عبدالملک نے اہل کوفہ کو لکھا تھا۔ جیسے ہی کارندے نے خط پڑھنا شروع کیا جس کا آغاز سلام علیکم سے تھا اور کارندہ اگلا لفظ پڑھنے کے لیے تیار ہوا۔ حجاج سخت غصہ سے بھری آواز میں چلایا۔ کمینو! امیر المومنین تمھیں سلام کرتے ہیں اور تم میں سے کوئی جواب نہیں دیتا۔ اتنا سنتے ہی سب نے سلام کا جواب دیا اور خط کا مضمون غور سے سننے لگے۔ حجاج نے خط ختم کرتے ہی حکم دیا کہ جو لوگ مہلب کے لشکر سے بھاگ آئے ہیں۔ فوراً واپس جائیں ورنہ سب کو قتل کر دیا جائے گا۔

اس تقریر کا ایسا خوف طاری ہوا کہ اہل کوفہ کی سانسیں تھم گئیں اور جو لوگ مہلب کے لشکر سے چلے آئے تھے، واپس ہو گئے۔ بہت جلد اُس نے عراق کی صورت حال کو کنٹرول کر لیا اور بغاوتوں کو کچل ڈالا اور علاقے کو پھر سے عبدالملک کا فرمانبردار بنا ڈالا۔ مصر، حجاز، مدینہ کے بعد عراق کی کامیابی نے اس کے ماتھے پر بہت بڑے فاتح کا پٹکا سجا دیا۔

عبدالملک نے اب اس کو پورے مشرقی مقبوضات کا گورنر بنا دیا۔ مہم میں اُس نے خوارج کو زبردست طریقے سے تباہ و برباد کیا جو کہ عبدالملک اور اموی حکومت کے لئے شروع سے بہت ہی بڑا چیلنج رہے تھے۔ ایک کے بعد ایک اُس نے بحرین، عمان اور حرمز کے خوارج کو کچل ڈالا۔ لیکن شبیب خارجی کی بغاوت بہت مضبوط

بغاوت بن کر ابھری۔ اُس نے بغاوت کو ایک نئی شکل دی اور اُس نے بنی امیہ کے مظالم کے خلاف نعرہ دیا۔ اس مقصد کے لئے اُس نے بہت ہی چنے ہوئے بلیغ اور شعلہ بیان مقررین اور شعراء کا بھی سہارا لیا جو کہ از خود بھی اس سے آملے تھے اور انھوں نے تمام ماحول کو ایک نئے رنگ میں رنگ ڈالا تھا اور لوگ جذباتی ہو کر اس کی طرف سے لڑنے لگے۔ اُس نے محمد بن مروان کو بری طرح شکست دی۔ اس کے بعد محض ۱۰۰۰ سپاہیوں کی مدد سے اُس نے ابن ورقہ کے ۱۰۰۰۰ کے مسلح اور ٹرینڈ لشکر کو بری طرح پسپا کیا۔ اموی لشکر کو کم از کم ۴ مرتبہ اس طرح کی شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ آخر کار خود حجاج اُس سے مقابلے کے لئے نکلا۔ بہت ہی شدید جنگ کے بعد شبیب کو شکست ہوئی اور فرار کرتے وقت شبیب دریا میں ڈوب کر مر گیا۔

حجاج کو اپنے خلاف اُٹھنے والے لوگوں سے بھی مقابلہ کرنا پڑا چنانچہ عبدالملک کی حامی فوج نے بھی حجاج کے سخت گیر رویہ کے خلاف آواز اٹھائی۔ چنانچہ سب سے بڑی بغاوت کا سامنا اس کو اموی سالار عبدالرحمٰن ابن اشعث سے کرنا پڑا۔ ابن اشعث ترکستان کے محاذ پر تھا اور باغیوں سے برسرپیکار تھا۔ عبدالرحمٰن کو باغیوں کے مقابلے میں مسلسل فتح حاصل ہو رہی تھی اور اُس نے بہت سے علاقے باغیوں کے قبضہ سے چھڑا لئے تھے۔ باغیوں سے آزاد کرائے ہوئے علاقے کا انتظام درست کرنے اور تھکی ہوئی فوج کو تھوڑا آرام دینے کے لئے اُس نے کچھ وقت کے لئے جنگ موقوف کر دی تو حجاج نے اسکو انتہائی سخت خط لکھا۔ اس خط کا مضمون اس قدر ناگوار تھا کہ عبدالرحمٰن اسے برداشت نہ کر سکا۔ وہ مسلسل سخت معرکوں کے بعد فتح پر فتح حاصل کرتا آرہا تھا۔ باغیوں کے قبضہ سے علاقوں کو آزاد کرا رہا تھا۔ اس کی دلجوئی اور ترقی ہونا چاہئے تھی۔ جبکہ حجاج کے خط نے اُسے اور اس کے لشکر کو بغاوت پر آمادہ کر دیا چنانچہ اُس نے زنبیل سے صلح کر لی۔ علاقہ اس کے حق میں چھوڑ دیا اور خود عراق واپس لوٹ کر بصرہ پر قبضہ کر لیا۔ حجاج کو اس کے مقابلے میں پسپائی ملی۔ اُس نے دوبارہ

مہلب ابن ابی سفرح کی مدد سے عبدالرحمٰن کو شکست تو دے دی، مگر عبدالرحمن نے پلٹ کر کوفہ پر قبضہ کرلیا۔ یہ اتنی خراب صورت حال تھی کہ اس سے نپٹنے کے لئے خود عبد الملک کو دخل اندازی کرنا پڑی۔ صورت حال کی نزاکت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ خود عبد الملک نے عراق کو بچانے کے لئے عبد الرحمن اور اہل کوفہ کے سامنے حجاج کو معزول کرنے کی پیش کش کی۔ عبدالرحمن اس پیش کش پر آمادہ بھی ہو چلا تھا کیونکہ حجاج کی معزولی کے بعد اس کے لئے ایک بہتر موقع تھا۔ مگر کوفہ کے سرداروں نے اس کو صلح قبول نہ کرنے دی۔ اس کے بعد خود عبد الملک میدان میں آیا۔ حجاج کے ساتھ ملکر عبد الرحمن کو شکست دی۔ عبدالرحمن بھاگ کر زنبیل کی پناہ میں پہنچا۔ زنبیل نے اس کو پناہ دی مگر عبد الملک نے خفیہ طور پر زنبیل کو یہ پیغام بھیجا کہ اگر تو عبد الرحمن کا سر کاٹ کر ہمیں دے دے تو تیرا ۱۰ ارسال کا خراج معاف کیا جائے گا۔ زنبیل نے یہ سودا منظور کر لیا اور عبد الرحمن کا سر کاٹ کر عبد الملک کے پاس بھیج دیا۔ اور اس طرح یہ باب ختم ہوا۔

حجاج انتہائی سخت گیر اور انتہائی بے درد حاکم تھا۔ انسانیت اور مروت اس میں نام کو بھی نہیں تھی۔ اپنے اور بنی امیہ کے مخالفین کو وہ سخت ترین اذیتیں دے کر قتل کیا کرتا تھا۔ اس کی محبوب ترین سزاؤں میں سے ایک سزا یہ تھی وہ ایک گھر کنبہ کے لوگوں کو بغیر چھت کے قید خانوں میں برہنہ رکھتا تھا چاہے وہ میاں بیوی ہوں، باپ بیٹی ہوں، ماں بیٹے ہوں یا بھائی بہن۔

مجد نام کا ایک ڈاکو جس نے اس کے علاقے کا امن و امان خراب کر رکھا تھا۔ اس کو اُس نے قابو پانے کے بعد یہ انوکھی سزا دی کہ ایک تلوار دے کر اس کو ایک بھوکے شیر کے سامنے ڈال دیا۔ کہا کہ اگر شیر نے تجھے پھاڑ کھایا تو تو اپنے انجام کو پہنچا اور اگر تو نے شیر کو مار لیا تو تو آزاد ہے۔ یہ مقابلہ دیکھنے کے لئے خود حجاج اس کے وزراء فوجی افسر اور رعایا موجود تھے۔ اتفاق سے مجد نے شیر کو مار ڈالا۔ حجاج نے اس کو آزاد

بھی کر دیا اور اپنا باڈی گارڈ بنا کر اپنے پاس رکھ لیا۔

حجاج کا ظلم شیعان علیؑ کے لئے خصوصی تھا۔ اسے حضرت علیؑ سے آخری درجہ کا بغض تھا اور اسی لئے اسے شیعان علیؑ سے شدید نفرت تھی۔

علامہ ابن ابی الحدید نے تحریر کیا ہے کہ حجاج بنی امیہ کے طریقہ پر حضرت علیؑ کے شیعوں کو گرفتار کرا کے اُن سے حضرت علیؑ پر سب کرنے کے لئے کہتا تھا اور جب وہ اس پر تیار نہیں ہوتے تھے تو انتہائی بربریت کے ساتھ قتل کرتا تھا۔

حجاج کے مظالم سے ہی تنگ آکر شیعہ ''قم'' کی طرف ہجرت کرنے لگے جو آخر کار ''شیعیت کا ایک بڑا مرکز بنا اور یہ مرکزیت آج تک ''قم'' کو حاصل ہے۔

حجاج کہا کرتا تھا کہ اس کو خونریزی میں جو مزہ آتا ہے وہ کسی دوسرے کام میں نہیں آتا۔ اس کا کہنا تھا کہ اسے اپنے عشرت کدوں میں وہ لطف نہیں آتا جو کہ کسی کو خون میں لوٹتے ہوئے دیکھ کر آتا ہے۔

سب سے زیادہ اس کی بربریت، تشدد، ظلم اور تلوار کا نشانہ شیعیان علیؑ ہوئے۔ تاریخ میں یہ اتنی بڑی تعداد ہے کہ اس کا صحیح شمار بھی نہیں کیا جاسکا۔

حجاج بدصورت، پستہ قد اور خوفناک سے حلیے کا آدمی تھا۔ وہ اچھا مقرر اور کامیاب فوجی تھا۔ عبدالملک کے ایک خط کے جواب میں اُس نے خود کو حاسد، خبیث اور STUBBORN لکھا ہے۔

عبدالملک اور بنی امیہ کی خدمات کے پیش نظر اس کا مقام عبدالملک کی نظروں میں اس قدر بلند تھا کہ حجاج کے مرنے کے بعد وہ اپنے بیٹے ''ولید'' کو حجاج کہہ کر پکارا کرتا تھا۔

مصری مورخ جارج جرداق نے لکھا ہے کہ ''بنی امیہ کے طرفداروں میں سب سے بڑا مجرم حجاج بن یوسف ثقفی ہے۔ اس کے ظلم اور سخت گیری کے انعام کے طور پر عبدالملک نے اس کو حجاز کا گورنر مقرر کیا۔''

مورخین کا اندازہ ہے کہ اُس نے ۱۲۰۰۰۰ سے لے کر ۱۳۰۰۰۰ تک لوگوں کو تہِ تیغ کیا۔ جس میں سے اکثریت شیعان علیؑ کی تھی۔ آج سے ۱۴۰۰ سال پہلے کی دنیا کی آبادی کے Ratio میں یہ ایک اتنی بڑی تعداد ہے کہ جس کا تصور بھی انسان کو ہولا کر رکھ دے گا۔ یہ بھی ملحوظِ نظر رکھا جانا چاہیے کہ یہ تعداد دنیا کے اس خطہ عرب کی ہے جہاں آج بھی دنیا کے بیشتر ممالک کے مقابلے میں انسانی آبادی بہت کم ہے۔ اس طرح ۱۴۰۰ سال پہلے انسانوں کی اتنی بڑی تعداد کو ایک کم آبادی والے خطہ میں قتل کر دیا جانا اس قابل ہے کہ صدیوں اس کے احتجاج کی آواز تاریخ میں گونجتی رہے۔

اس خطبہ میں حضرت علیؑ نے حجاج کے اقتدار میں آنے اور اس کے بعد اس کے بے مثال ظلم کی پیشین گوئی فرمائی ہے۔ جو حرف بہ حرف آگے آنے والے زمانے میں پوری ہوئی۔

خصوصیت سے ذکر آج کے دور کی طرف بالکل واضح اشارہ ہے کہ یہ پیشین گوئی آج کی داعش کے لئے ہے۔ ''جب اس گروہ کو دیکھو تو اپنی جگہ سے حرکت نہ کرنا'' سے مفتی علی جمعہ یہ مراد لیتے ہیں کہ ہرگز ہرگز ان کی طرف مائل نہ ہونا اور ان سے اور اُن کی تحریک سے کوئی تعلق نہ رکھنا۔ یہی دیگر علمائے اہل سنت اور شیعہ نے بھی مراد لیا ہے۔

حضرت علیؑ نے اس گروہ کے لوگوں کا دل لوہے کے ٹکڑے کی طرح سخت بتایا ہے۔ اکثر سنگ دل لوگوں کی سختی بیان کرنے کے لئے ''پتھر دل'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے، مگر حضرت علیؑ نے لوہے کی طرح سخت کا ذکر کر کے ان کی غیر معمولی بے رحمی اور بربریت کی طرف اشارہ فرمادیا ہے، جس کو ہم سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ لوگوں، بوڑھوں، بچوں، عورتوں کو بے رحمی سے قتل کرنا، زندہ جلا ڈالنا، تیزاب میں ڈال دینا، بلڈوزر کے نیچے کچل ڈالنا، دنبوں کی طرح انسانوں کو گردن سے ذبح کرنا، لوہے کے پنجروں میں انسانوں کو ڈال کر پٹرول کی نالی پنجروں میں چھوڑ کر اس میں آگ لگا ڈالنا۔ مقتولوں کا پیٹ چاک کر کے جگر چبا ڈالنا۔ اور اس سے بھی زیادہ وحشیانہ اور ہولناک مناظر ہم سب نے ان ویڈیوز میں دیکھے ہیں جن کو ان درندہ صفت لوگوں نے فخر کے ساتھ اپنی کارکردگی کے طور پر وقتاً فوقتاً جاری کیا ہے۔

جہاں تک میثاق اور معاہدوں کی پابندی کا سوال ہے، وہ سب بھی حالات سامنے ہیں۔ انھوں نے کسی عہد، کسی میثاق، کسی معاہدے کی پابندی نہیں کی۔ کئی بار انھوں نے تاوان طے ہو جانے اور تاوان مل جانے کے بعد بھی لوگوں کو قتل کر ڈالا۔

وہ لوگوں کو ''خلافت'' کے حسین نعروں کی طرف بلاتے ہیں، لیکن نہ ان کا اسلام سے کوئی واسطہ ہے، نہ دور دور تک ان میں اسلام کے آثار دکھائی دیتے ہیں۔ وہ عین اسلام کے قانون و تعلیمات کے خلاف عمل کرتے ہیں۔

آپ دیکھیں کہ ان کے تمام مشہور لیڈر کنیت کے ناموں سے جانے جاتے ہیں۔ مثلاً ابوبکر، ابوعبدالرحمٰن، ابوعلی، ابوسعد، ابوخالد، ابوناصر، ابوبصیر، ابوطاہر، ابومصعب، ابو

خریت ابن راشد خارجی کے انجام سے متعلق پیشین گوئی

خطبہ نمبر-۱۷۹

امیر المومنین نے کوفہ کی ایک جماعت کی کچھ خبر لانے کے لئے ایک صحابی عبداللہ ابن معین ازدی کو ان کی طرف بھیجا۔ یہ ایک چھوٹی سی جماعت تھی جو کہ حضرت علیؑ سے منحرف ہو کر خارجیوں کے ساتھ جانے کو تلی بیٹھی تھی۔ حضرت نے اس کو تنبیہ فرمائی تھا اور غور و فکر سے کام لینے کا مشورہ دیا تھا۔ چنانچہ اسی گروہ کے حالات جاننے کے لئے آپ نے حضرت عبداللہ ازدی کو ان کی طرف بھیجا۔ انھوں نے آ کر خبر دی کہ وہ تو باوجود آپ کی نصیحت کے خارجیوں میں شامل ہونے کے لئے کوچ کر گئے۔ اس موقع پر آپ نے ان کے لئے فرمایا:

"انھیں قوم ثمود کی طرح رحمت سے دوری ہو۔ دیکھنا جب نیزوں کے رخ ان کی طرف سیدھے ہوں گے اور تلواروں کے وار ان کی کھوپڑیوں پر پڑیں گے تو اپنے کئے پر پچھتائیں گے۔ آج شیطان نے انھیں منتشر کر دیا ہے اور کل اُن سے اظہار بیزاری کرتا ہوا ان سے الگ ہو جائے

گا۔ ان کا ہدایت سے نکل جانا گمراہی اور ضلالت میں پڑ جانا، حق سے
منہ پھیر لینا اور ضلالتوں میں منہ زوریاں دکھانا ہی ان کے مستحق عذاب
ہونے کے لئے کافی ہے۔" (خطبہ نمبر-۱۷۹)

تحکیم کے بعد حضرت علیؑ کو جن بڑے مسائل کا سامنا کرنا پڑا، ان میں سے خوارج کی بغاوت سب سے اہم ہے۔ تحکیم تو خود ہی ایک بڑا مسئلہ اور حضرت علیؑ کے خلاف ایک بڑی سازش تھی جس کو حضرت نے طوعاً و کرہاً منظور کیا تھا، کیونکہ معاویہ کا فریب اور درہم و دینار اپنا کام کر چکے تھے اور حضرت علیؑ کے ساتھی حضرت کو تنہا چھوڑ چکے تھے۔ انتہائی دباؤ میں آپ نے تحکیم کو قبول کیا تھا کیونکہ خود آپ کے ساتھی دشمن سے مل چکے تھے اور جنگ بند نہ کرنے اور تحکیم قبول نہ کرنے پر آپ کے ساتھ گستاخانہ طرزِ عمل اپنا رہے تھے۔ سب کے مطالبہ پر مجبور ہو کر حضرت نے تحکیم قبول کی۔ لیکن جو لوگ تحکیم کے لئے بضد تھے، انھیں میں سے کچھ لوگ بعد میں تحکیم کو لے کر حضرت علیؑ پر اعتراض کرنے لگے اور معاہدہ توڑ کر حضرت پر جنگ کرنے کا اصرار کرنے لگے۔ حضرت کیونکہ معاہدہ کر چکے تھے اس لئے اب جنگ پر لوٹ جانا ممکن نہ تھا۔ آپ نے ان کو تحکیم تک رکنے اور صبر کرنے کا مشورہ دیا مگر یہ گروہ بغاوت پر آمادہ ہو گیا اور اس حد تک شدّت اختیار کی کہ حضرت علیؑ کو مسلمان ماننے ہی سے انکار کر دیا۔ حضرت نے ہر چند معاملہ سلجھانے کی کوشش کی لیکن یہ گتھی اور الجھتی ہی چلی گئی۔ نتیجتاً حضرت علیؑ کو اُن سے مجبوراً جنگ کرنا پڑی۔

انھیں لوگوں میں سے قبیلۂ بنی ناجیہ کا ایک شخص خریت ابن راشد تھا۔ یہ صفین میں معاویہ کے خلاف علیؑ کا ساتھی تھا۔ لیکن تحکیم کے بعد بغاوت پر آمادہ ہو گیا۔ اسکے ساتھ ۳۰۰ لوگ تھے۔ یہ ان کو لے کر حضرت علیؑ کے سامنے آیا اور بولا "میں خدا کی قسم نہ تو آپ کا کوئی حکم مانوں گا۔ نہ آپکے پیچھے نماز پڑھوں گا اور نہ ہی آپ کے ساتھ رہوں گا۔ میں کل آپ کے پاس سے جدا ہو جاؤں گا۔"

حضرت علیؑ نے کمال نرمی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ پہلے میری باتوں کو سنو اور تحکیم کی اصل وجوہات پر غور کرو۔ مجھ سے بات کرو اور اگر اس کے بعد بھی تمھارے منشاء کی تکمیل نہ ہو تو اپنی مرضی کرو۔ اس نے کہا کہ میں کل آؤں گا اور آپ سے بات کروں گا۔ حضرت نے کہا ٹھیک ہے تم جاؤ۔ مگر بہکانے سکھانے والوں کے کہنے میں نہ آنا۔ لوگ تم کو اشتعال دلانے کی کوششیں کریں گے۔ پہلے مجھ سے بات کر کے حقیقت سمجھ لو تب تم کو اختیار ہے۔ وہ دوسرے دن آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ لیکن جس طرح سے وہ جذباتی ہو رہا تھا اور گفتگو جس طرح سے کر چکا تھا آپ کو پورا یقین تھا کہ اُسے بہت آسانی سے بہکایا جا سکتا ہے۔

حضرت علیؑ کے پاس سے ہٹ کر جب وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ منزل پر پہنچا تو ساتھ والوں سے کہا کہ ہمیں کیا ضرورت ہے کہ حضرتؑ کی باتوں کو سنیں اور وقت ضائع کریں۔ ہم نے امیر المومنین سے الگ ہونے کا تہیہ کر لیا ہے اور ایسا کریں گے۔

حضرت علیؑ نے اس کے حالات معلوم کرنے کے لئے حضرت عبداللہ ابن قعین کو بھیجا۔ عبداللہ جب وہاں پہنچے تو یہ رنگ دیکھا کہ خریت اور اس کے تمام ساتھی حضرت سے جو معاہدہ کر کے آئے ہیں اسے توڑ چکے ہیں اور بغاوت پر پوری طرح کمر کسے ہوئے ہیں۔ یہ ماجرا دیکھ کر عبداللہ ازدی نے اس کی قوم کے ایک دوسرے ذمہ دار مدرک بن ریان ناجی سے کہا کہ یہاں تو سارا معاملہ ہی الٹا ہے۔ تم اس کو سمجھاؤ اور بغاوت سے باز رکھو کیونکہ اس کی غلطی پورے قبیلہ کی تباہی کا سبب بھی بن سکتی ہے۔ اس کو معاہدہ کی پابندی پر عامل ہونے کو کہو تا کہ اس پر صورت حال واضح ہو۔ مدرک نے وعدہ کیا کہ میں اس کو کوئی بھی غلط قدم نہ اٹھانے دوں گا اور گفتگو کے لئے یہ حضرت کے پاس کل پہنچے گا۔

عبداللہ ابن قعین واپس چلے آئے اور صورت حال سے امامؑ کو آگاہ فرمایا۔ اگلے دن خریت کا انتظار کیا گیا مگر حسب وعدہ وہ یا ان میں کا کوئی بھی امام کی خدمت

میں حاضر نہیں ہوا۔ تب آپؑ نے دوبارہ عبد اللہ قعین کو بھیجا۔ واپس آ کر عبد اللہ نے صورت حال سے آگاہ کیا کہ خریت اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ خارجیوں کے پاس جا چکا ہے۔ اس وقت آپ نے یہ کلام ارشاد فرمایا اور خریت کے انجام سے پیشگی آگاہ فرمایا۔

حضرت خریت ابن راشد کو اس لئے روکنا چاہتے تھے کہ فی الوقت اس کے پاس حالانکہ لوگوں کی تعداد بہت زیادہ نہیں تھی لیکن وہ لوگوں کو بھڑکا رہا تھا اور اس میں مہارت اس کو حاصل تھی۔ حضرت اس آگ پر پہیں پانی ڈال دینا چاہتے تھے کہ خون خرابہ زیادہ نہ ہو اور یہ لوگ باز آجائیں۔ لیکن خریت کے مقدر میں امامت سے انحراف، گمراہی، ذلت اور فتنہ تھا۔

خریت حضرت سے باغی ہو کر مدائن کی طرف چل دیا اور تمام راستہ لوگوں کے ساتھ مار پیٹ، لوٹ کھسوٹ، قتل و غارت گری کرتا چلا۔ حضرت امیرؑ نے اس کو دفع کرنے کے لئے زیادہ ابن حفصہ کو سو سے کچھ زیادہ سپاہی دے کر بھیجا۔ مدائن میں دونوں فریقوں کا آمنا سامنا ہوا تو تلواریں لے کر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے۔ کیونکہ یہ وقت تقریباً دن ڈھلنے کا تھا۔ اس لئے جنگ نے بہت طول نہیں پکڑا بلکہ شام ہوتے ہی جنگ رک گئی۔

صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ رات کی تاریکی میں خاموشی سے خریت اپنے ساتھیوں کو لے کر کہیں نکل چکا ہے۔ رات کی تاریکی میں وہ اپنے پانچ ساتھیوں کے لاشے چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ زیادہ نے بصرہ کی راہ پکڑی تو معلوم ہوا کہ خریت اہواز کی طرف بھاگا ہے۔ زیادہ خریت کا تعاقب کرنا چاہتے تھے لیکن سپاہیوں کی کم تعداد کو دیکھتے ہوئے پیچھا کرنا مناسب نہیں سمجھا اور صورت حال سے امیر المومنینؑ کو آگاہ فرمایا۔ حضرت نے زیادہ کو واپس کوفہ پہنچنے کا حکم دیا اور معقل ابن قیس ریاحی کو ۲۰۰۰ (دو ہزار) کا لشکر دے کر اہواز روانہ کر دیا۔ ادھر بصرہ کے گورنر عبد اللہ ابن عباس کو تحریر کیا کہ دو ہزار کا لشکر معقل کی مدد کے لئے روانہ کریں۔ اس طرح جب معقل کوفہ

سے اہواز کو چلے تو راہ میں بصرہ کی کمک اُن تک پہنچ گئی اور یہ چار ہزار کا لشکر ہو گیا۔

جب خریت نے یہ افتاد دیکھی تو وہ اپنے فیصلہ پر بہت پچھتایا لیکن اب تو کچھ بھی ممکن نہیں تھا۔ وہ رامہرمز کے پہاڑوں کی طرف نکل آیا تا کہ حضرت علیؑ کے لشکر کی مار سے بچ سکے۔ معقل نے اس کے پیچھے اپنا لشکر ڈال دیا اور اسے پہاڑیوں کے دامن میں آلیا۔ مجبوراً خریت کو صف بندی کرنی پڑی اور دونوں طرف سے حملے شروع ہو گئے۔ کوفہ اور بصرہ کے دونوں لشکروں نے مل کر خریت پر اس قدر شدید حملہ کیا کہ ذرا دیر کے حملوں میں خریت کے ۳۷۰ سپاہی مارے گئے اور خوارج بھاگ نکلے۔ معقل کا خیال تھا کہ فی الحال اتنی چوٹ کافی ہے چنانچہ انھوں نے اپنی کامیابی اور دشمن فوج کے فرار کی پوری تفصیل امیر المومنین کو لکھ بھیجی۔ قاصد نے جب حضرت کو یہ خط پہنچایا تو آپؑ نے فوراً قاصد کو یہ تحریر دے کر واپس کیا کہ ان کو دم مت لینے دو۔ ان کا تعاقب کرو۔ اس طرح جھنجھوڑ کر رکھ دو کہ سر اٹھانے کی سکت باقی نہ رہے۔ اس خط کے ملتے ہی معقل نے لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔

خریت پسپا ہو کر بحرِ فارس کی طرف پہنچ گیا۔ وہاں اُس نے اپنی محنت سے لوگوں کو بہت تعداد میں اپنا ہم خیال بنالیا تھا۔ معقل نے بحر فارس میں پہنچ کر اُسے پالیا۔ لیکن یہاں صورت حال یہ تھی کہ خوارج نے کافی تعداد میں یہاں لوگ جمع کر رکھے تھے۔

معقل نے اپنے لشکر کو ترتیب دیا۔ پھر اس کے بعد امان کا اعلان کر دیا کہ جو لوگ خریب کے ساتھی مقامی لوگ ہو گئے ہیں وہ الگ ہو جائیں۔ ان سے کسی طرح کا معاملہ نہیں ہو گا۔ جو لوگ خوارج کا ساتھ دیں گے ان کا انجام بھی خوارج جیسا ہی کیا جائے گا۔ اس اعلان کو سنتے ہی خریت کے جو ساتھی مقامی لوگ ہو گئے تھے وہ خوارج سے فوراً الگ ہو گئے۔ یہ خریت کے لئے شدید جھٹکا تھا۔ چار و ناچار خریت نے انتہائی مایوسی عالم میں اپنے باقی لوگوں کو جمع کیا اور آمادۂ جنگ ہوا۔ مگر شدید ترین جنگ کے

پہلے ہی ہاتھ میں خوارج کے ۱۷۰ آدمی ڈھیر ہوئے۔ خریت کا سامنا نعمان بن صہبان سے ہوا۔ تھوڑی ہی دیر کے مقابلے میں نعمان بن صہبان نے اس کے سر پر تلوار کی شدید ضرب رسید کی جس سے خریت فوراً گر گیا اور نعمان کے ہاتھوں یہ فتنہ کا کاروباری مارا گیا۔ خریت کے مارے جاتے ہی خوارج کا دم چھوٹ گیا اور سب کے سب بھاگ نکلے۔ کچھ مرد، عورتیں اور بچے عارضی پناہ گاہوں میں پائے گئے جن کو معقل نے ایک جگہ جمع کیا۔ سب کے سامنے توبہ کرنے اور تجدید بیعت کی شرط رکھی۔ کچھ غیر مسلم لوگ بھی تھے جو خریت کے ہمنوا ہو گئے تھے۔ ان کے سامنے قبولیت اسلام کی شرط رکھی گئی۔ مسلمان جو لوگ تھے انھوں نے توبہ کی اور تجدید بیعت کی۔ غیر مسلم لوگوں میں سے ایک نصرانی کے علاوہ سب نے اسلام قبول کر لیا اور ان کو تاکید کر کے رہائی دے دی گئی۔ لیکن بنی ناجیہ کے وہ عیسائی جو اس تمام فتنہ میں شامل تھے ان سب کو اپنے ساتھ قیدی بنا کر کوفہ کی طرف لے چلے۔ ان عورتوں، مردوں کی تعداد کل ملا کر ۵۰۰ نفوس پر مشتمل تھی۔ معقل جب ان کو لیے ہوئے ایران کے ایک مشہور شہر اُردشیر سے گزر رہے تھے تو وہاں کے حاکم معقلہ ابن ہبیرہ سے ملاقات ہوئی۔ وہاں کے حاکم کو دیکھ کر یہ سارے عیسائی قیدی رونے گڑگڑانے لگے کہ ہم کو ان سے رہائی دلائی جائے۔ معقلہ نے معقل کے سامنے یہ شرط رکھی کہ مجھے ان قیدیوں کو بیچ دو۔ معقل نے اس کو مناسب سمجھا اور پانچ لاکھ درہم میں سودا طے ہو گیا۔ معقل نے کوفہ پہنچ کر ساری صورت حال امیر المومنین کو بتائی۔ آپ نے یہ معاملہ پسند فرمایا۔ حالانکہ معقلہ نے تمام پیسہ ادا نہیں کیا تھا۔ بعد میں اُس نے صرف ۲ لاکھ درہم ادا کیے اور پھر بھاگ کر معاویہ کے پاس چلا گیا۔ معاویہ نے اس کو طبرستان کا حاکم بنا دیا۔

یہ تھی خریت بن راشد کے متعلق وہ پیشین گوئی جس کو حضرت علیؑ نے جاری فرمایا تھا اور عین وہی ہوا وہ اپنی حالت پر افسوس کرتا ہوا ذلت کے ساتھ مارا گیا اور گمراہی میں اُس نے موت پائی۔

بصرہ کی غرقابی کی پیشین گوئی

''وہ (آنے والا) منظر میری آنکھوں میں پھر رہا ہے جبکہ تمھاری مسجد یوں نمایاں ہوگی جس طرح کشتی کا سینہ درآنحالیکہ اللہ نے تمھارے شہر پر اس کے اوپر اور اس کے نیچے سے عذاب بھیج دیا ہوگا، اور وہ اپنے رہنے والوں سمیت ڈوب چکا ہوگا۔'' (خطبہ نمبر-۱۳)

ایک اور روایت میں یہ جملے اس طرح ہیں:

''خدا کی قسم! تمھارا شہر غرق ہوکر رہے گا اس حد تک کہ اس کی مسجد کشتی کے اگلے حصے یا سینے کے بل بیٹھے ہوئے شترمرغ کی طرح..... مجھے صاف نظر آرہا ہے۔''

ایک اور روایت میں الفاظ اس طرح ہیں:

''تمھارا شہر غرق ہوکر رہے گا، اس حد تک جیسے پانی کی گہرائی میں پرندے کا سینہ نظر آئے۔''

ایک اور روایت میں بصرہ والوں کی مذمت کرنے کے بعد غرقابی کی اطلاع یوں دی۔

''میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ اس بستی کو سیلاب نے اس حد تک ڈھانپ لیا ہے کہ مسجد کے کنگروں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا اور وہ یوں معلوم ہوتے ہیں جیسے سمندر کے گہراؤ میں پرندے کا سینہ۔''

اہل بصرہ نے جنگ جمل کا فتنہ برپا کیا۔ اس سے شدید دل برداشتہ تھے حضرت۔ جمل کے بعد آپ نے یہ خطبہ دیا۔

علامہ ابن ابی الحدید تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت کی یہ پیشین گوئی ۲ مرتبہ پوری ہوئی، ایک مرتبہ قادر باللہ کے دورِ خلافت میں اور دوسری مرتبہ قائم بامر اللہ کے دور حکومت میں۔ دونوں مرتبہ بصرہ ایسے ہی سیلاب کی زد میں آیا کہ حضرت کے الفاظ ایسے ہی پورے ہوئے جیسے حضرت نے پیشگی اطلاع دے دی تھی۔ الفاظ کے استعمال ''تمھاری مسجد یوں نمایاں ہوگی جس طرح کشتی کا سینہ'' یا'' سینہ کے بل بیٹھے ہوئے شتر مرغ کی طرح'' یا '' پانی کی گہرائی میں پرندے کا سینہ۔'' یہ تمام الفاظ اور تمام تشبیہات سیلاب کی شدت بیان کر رہی ہیں۔ جب کشتی پانی میں ڈوب جاتی ہے اور اس کا اوپر کا حصہ باقی دکھائی دیتا ہے تو گویا وہ اپنا پورا وجود پانی میں غرق کر چکی ہوتی ہے، یا گہرے پانی میں جب پرندہ ہوتا ہے تو اس کا محض سینہ دکھائی دیتا ہے جسم کا اکثر حصہ پانی میں ڈوبا ہوتا ہے۔ حضرت نے سیلاب کی تباہی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

جو حضرت علیؑ نے فرما دیا تھا، عباسی دورِ خلافت میں پیش آیا، سیلاب کی صورت حال یہ تھی کہ پورے کا پورا شہر زیر آب تھا، بصرہ کی عمارتوں میں صرف بصرہ کی مسجد کے کنگرے نظر آرہے تھے۔ مسجدِ بصرہ غالباً سب سے اونچی عمارت رہی ہوگی کہ تمام شہر ڈوب گیا لیکن اس کا اوپری حصہ پھر بھی نظر آتا رہا اور اس کی کیفیت وہی تھی جیسے کہ کوئی کشتی کا سینہ نظر آرہا ہو سمندر میں، یا کوئی پرندہ بیٹھا ہو بیچ پانی میں۔

مولانا ابو القاسم عبد العظیم صاحب نے ایک کتاب ''فتنوں کی سرزمین عراق'' تحریر کی ہے۔ اس میں اس پیشین گوئی کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''میرے خیال میں اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ زمانۂ ہلاکت میں بصرہ میں اہلِ ایمان کی قلت ہوگی اور ان باقی ماندہ مسلمانوں کا فتنہ و فساد کے طوفانِ عظیم سے اس طرح مقابلہ ہوگا جس طرح کشتی کا سینہ سمندر کی موجوں سے سینہ سپر اور اس کے تھپیڑوں سے مقابلہ آرائی کرتا ہے۔ اس روایت میں مسجد بصرہ اور مسلمانان بصرہ کی مثال کشتی اور اُس کے سواروں سے دی گئی ہے۔''

میں نے کافی غور کیا مگر مولانا موصوف کے ''زمانۂ ہلاکت'' کا مطلب اخذ نہیں کر سکا۔ غالباً مولانا ''زمانۂ خلافت'' کہنا چاہتے ہوں گے لیکن کتابت کی غلطی سے ہلاکت لکھا گیا جس کی تصحیح نہیں ہو سکی۔ ممکن ہے کہ مولانا موصوف نے مولا علیہ السلام کی گفتگو میں جو پوشیدہ تمثیل تلاش کی ہے وہ بھی ایک گوشہ نکلتا ہو، لیکن صحیح یہ ہے کہ تاریخ میں وہ تباہ کن سیلاب آیا جس کی حضرتؑ نے پیشین گوئی کی تھی اور حالت بالکل وہی تھی کہ مسجد کے کنگرے پانی کے سینہ پر نظر آرہے تھے اور تمام بصرہ غرق ہو چکا تھا۔
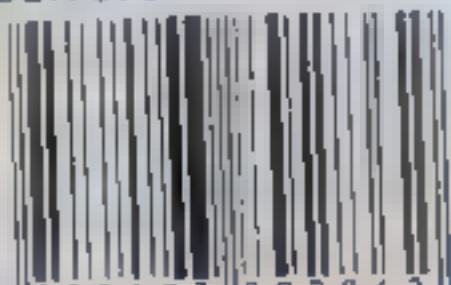
لقمان، ابو احمد، ابو بلال، ابو الایمن، ابو عمر، ابو الانس، ابو عبداللہ، ابو شاکر وغیرہ وغیرہ۔

ان کے اصل ناموں سے ان کو کوئی نہیں جانتا اور کنیت کے ساتھ ہی ان کے نام ہمارے سامنے ہیں۔ یہی حضرتؐ نے فرمایا ہے۔

اسی طرح ان کے لیڈروں کے نام شہروں سے نسبت رکھتے ہیں، مثلاً ابو بکر بغدادی، ابو الایمن عراقی، ابو الہلاس المشہدانی، ابو عبد الرحمٰن البیلاوی، ابو ناصر المصری وغیرہ وغیرہ۔

ان کے بال بالکل اسی طرح لمبے ہیں جیسا کہ پیشین گوئی میں فرمادیا گیا ہے، کاندھوں تک یا اس سے بھی زیادہ لمبے لمبے بال ان کے ہیں۔ ان بالوں کو باندھ کر اور کپڑا لپیٹ کر جب یہ ایک جگہ جمع کر لیتے ہیں تو حدیث کے فرمان کے مطابق اونٹ کے کوہان کی طرح ہی شباہت آتی ہے۔

عالمی میڈیا میں ان کے درمیان آپس میں ٹکراؤ کے معاملات بھی سامنے آئے اور ان لوگوں نے آپس میں بھی قتل و غارت گری کی اور اسی کے بعد ان کا زور بھی کچھ کم ہوا ہے اور حکومتوں نے کارروائیاں کر کے ان پر کامیابی کے ساتھ کافی حد تک قابو پایا اور انھیں پسپا کیا ہے۔

ابو ہریرہ ہی کے ذریعہ ایک اور حدیث اسی کتاب میں روایت ہے۔ حدیث کا نمبر ۶۷۶ ہے:

> ''کالے جھنڈوں والی ایک جماعت جو کہ خوارج کی جماعت ہے، یہ 'الدّولہ' (دولت یعنی State) کہنے والے، یہ جماعت پورے شام کو اپنے گھیرے میں لے لے گی اور پورے عراق کو اپنے احاطہ میں لے لے گی۔ ان کے دل لوہے کی طرح سخت ہوں گے۔ یہ عراق کے صحرائی علاقوں سے ظاہر ہوں گے، پھر شام کو اپنے گھیرے میں لے لیں گے، ان کے سر اور بال اونٹ کے کوہان سے مشابہ ہوں گے۔ ان کا نعرہ ہوگا،

'مارو، مارو، قتل کرو، قتل کرو۔ یہ انسانی خون کو حلال سمجھیں گے، عزتوں کو لوٹنا حلال سمجھیں گے، سارا عراق ان کے سبب جنگ کی لپیٹ میں چلا جائے گا۔ شام میں ان کے سبب خانہ جنگی پیدا ہو جائے گی اور شام کے مکین دوسرے ممالک کی طرف ہجرت کرنے لگیں گے۔ پھر جزیرۂ عرب یمن میں بھی فتنہ پھیل جائے گا۔''

مولائے متقیان کی اس پیشین گوئی کو حال کے زمانے میں ہم اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے ہوئے دیکھ رہے ہیں اور ہمیں یہ خیال رکھنا چاہیے کہ یہ پوری ہوتی ہوئی پیشین گوئیاں ہمیں مسلسل آخری زمانے یعنی ظہورِ امامِ عصرؑ سے قریب تر کر رہی ہیں۔ جو علامات حضرتؑ نے اپنی پیشین گوئی میں بیان فرمائی ہیں وہ تمام علامات بالکل کھلے طور پر آج کے زمانے کی IS (دولت اسلامیہ یعنی داعش) کا پورا حال بیان کر رہی ہیں۔

رسولؐ نے ایک اور حدیث میں شام کی بربادی کی اطلاع ان الفاظ میں دی ہے:

''جب اہل شام تباہی و بربادی کا شکار ہو جائیں گے تو پھر تم میں کوئی خیر باقی نہ رہے گی۔''

(ترمذی شریف، ۲۱۹۲، باب ماجاء فی الشام)

شام کی بربادی کا اثر پوری اسلامی دنیا پر کس طرح پڑا ہے، ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ سعودی عرب، قطر، متحدہ عرب امارات، سب کے سب شام کی تباہی کی داستان لکھنے میں پیش پیش ہیں۔ اسرائیل اور امریکہ کے اشاروں پر ان کے مفادات پورے کر رہے ہیں۔ ایران، عراق اور شام کا ایک الگ بلاک بنا ہوا ہے اور روس امریکہ کی من مانی کو توڑنے کے لئے اس بلاک کے ساتھ میدان میں اتر لیا ہے۔

ترکی نے پہلے مغرب سے آنے والے دہشت گردوں کو راستہ دیا اور اسی کے سہارے شام میں مغرب سے آنے والے نوجوان شام میں IS کو جوائن کرتے

رہے۔۔۔۔۔۔اب ترکی نے بھی اپنا رنگ تبدیل کرلیا ہے اور وہ دہشت گردوں کے خلاف محاذ کھولے ہوئے ہے۔

شہزادہ محمد بن سلمان کی ولی عہدی کے بعد قطر کے خلاف محاذ کھلا اور سعودی عرب، کویت، متحدہ عرب امارات کی لابی نے قطر پر پابندیاں عائد کر دیں، یہاں تک کہ حج کے لئے بھی اہل قطر کو اجازت نہیں دی گئی۔

یمن پر کم وبیش چار سال سے برابر سعودی عرب اور اس کے اتحادی بم باری کر رہے ہیں اور وہاں سخت ترین بحران پیدا ہو چکا ہے، جیسا کہ پیشین گوئی میں بتایا گیا ہے، کہ شام کے بعد بحران یمن تک پہنچے گا۔

غرض سارے عالمِ اسلام میں سخت ترین کش مکش کا ماحول پیدا ہوا ہے، اور حضرت علیؓ اور رسول اللہؐ کی بتائی ہوئی پیشین گوئیاں پوری ہو رہی ہیں۔ شام میں شدید خانہ جنگی کا بحران ہے، بڑی طاقتیں براہِ راست اس میں ملوث ہیں، ۳ر لاکھ لوگ مارے جا چکے ہیں، لوگ شام چھوڑ کر دوسرے ممالک کا رخ کر رہے ہیں۔ شام ہی نہیں، پورا مشرقِ وسطیٰ بارود کے ڈھیر پر ہے۔ یہی سب پیشین گوئی میں خبر دی گئی ہے۔

حضرت امام عصرؑ کے ظہور اور دورِ جدید کے اسلحہ جات کی پیشین گوئی

فرماتے ہیں:

''وہ (بعدِ ظہور) خواہشوں کو ہدایت کی طرف موڑے گا، جب کہ لوگوں نے ہدایت کو خواہشوں کی طرف موڑ دیا ہوگا اور ان کی رایوں کو قرآن کی طرف پھیرے گا، جبکہ انھوں نے قرآن کو (توڑ مروڑ کر) قیاس ورائے کے ڈھرے پر لگا لیا ہوگا ----------- وہ تمام حکمرانوں سے ان کی بد کرداریوں کی وجہ سے مواخذہ کرے گا، اور زمین اس کے سامنے اپنے خزانے انڈیل دے گی اور اپنی کنجیاں بہ سہولت اس کے آگے ڈال دے گی۔ چنانچہ وہ تمھیں دکھائے گا کہ حق و عدالت کی روشنی کیا ہوتی ہے اور وہ دم توڑ چکنے والی کتاب وسنت کو پھر سے زندہ کرے گا۔''

(خطبہ ۱۳۶)

اس پیشین گوئی میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ وہی سب کچھ ہے جسے پیغمبر اسلام کی

احادیثِ مبارکہ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ احادیث، احادیث کی مستند کتابوں مشکوٰۃ شریف، صحیح بخاری و دیگر کتبِ احادیثِ سنی و شیعہ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ یہ امام مہدیؑ کی آمد سے متعلق خبر ہے۔ شیعوں کے علاوہ بھی تمام مکاتب فکر یہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ شیعوں کے اور غیر شیعوں کے اس عقیدہ میں تھوڑا سا فرق یہ ہے کہ شیعہ عقیدہ ہے کہ امام مہدیؑ پیدا ہو چکے ہیں اور غیبت اختیار کئے ہوئے ہیں، جبکہ سوادِ اعظم کا عقیدہ ہے کہ امام مہدیؑ پیدا ہوں گے۔ ان احادیث کا تذکرہ شافعی نے اپنے ''الرسالہ'' میں، احمد بن حنبل نے اپنی ''مسند'' میں، محمد بن اسماعیل بخاری نے اپنی ''صحیح بخاری'' میں، شیعوں کے محدثین میں جناب کلینی نے ''اصولِ کافی'' میں اور شیخ صدوق نے ''کمال الدین'' میں واضح طور پر فرمایا ہے۔ دیگر اور تمام محدثین کے یہاں بھی یہ خبر موجود ہے۔ علماء و محدثین کے اقرار کے بعد امام مہدیؑ کے عقیدے سے منحرف ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

امام مہدی کی ولادت ایک زمینی حقیقت ہے۔ آپ کی ولادتِ پاک ۱۵ر شعبان المعظم ۲۵۵ھ یوم جمعہ کو بوقت فجر ہوئی۔ اس کا اقرار محدثین و مؤرخین نے کیا ہے، مثلاً طبری اور کامل وغیرہ نے۔ محدث دہلوی، جن کا پایہ بہت بلند ہے، انھوں نے ''مناقب ائمہٴ طاہرین'' میں اس کا اقرار کیا ہے۔ اس کے بعد یہ بحث ختم ہو جاتی ہے کہ پیدا ہوں گے یا پیدا ہو چکے ہیں۔ دراصل مصلحتوں کی بنا پر آپ کی ولادت کی خبر کو روکا گیا۔ حتیٰ الامکان کوشش ہوئی کہ لوگ آپ کی ولادت سے واقف نہ ہو پائیں (دمعہٴ ساکبہ، جلد ۳)۔ آپ کی خبرِ ولادت کو شہرت دینے سے روکنے کا سبب یہ بتایا گیا ہے کہ بادشاہِ وقت معتز باللہ آپ کو قتل کر کے نسلِ رسالت کو ختم کرنے کے فراق میں تھا۔ امام حسن عسکریؑ کو طویل مدت قید میں رکھنے کا مقصد یہی تھا کہ وہ اپنے حرم سے دور رہیں، تاکہ پیغمبرؐ کی حدیث کے مطابق یہ ولادت ہو ہی نہ سکے۔ لیکن بعد میں جب حالات کے تحت امامؑ کو رہا کیا گیا تو حکومت کی نیت یہی رہی کہ موقع ملتے ہی

نسلِ رسالت ختم کردی جائے، لہٰذا اس ولادت کی خبر کو عام نہ ہونے دینا ایک اہم ضرورت تھی۔ اب ظاہر ہے جس کی ولادت ثابت ہو چکی ہے، جب تک اس کی موت ثابت نہ کردی جائے، زندگی کا امکان باقی رہے گا۔

امامِ عصرؑ کی غیبت پر جو لوگوں کو اعتراض ہے، وہ یہ ہے کہ:

(۱) کوئی شخص اتنی طولانی عمر کیونکر پا سکتا ہے؟

(۲) کوئی شخص اس طرح غائب کیسے رہ سکتا ہے؟

دراصل جو لوگ اعتراض کرتے ہیں وہ خود اپنے ہی عقائد کے خلاف بول رہے ہیں۔ عالمِ اسلام میں غیبت اور طولِ عمر کے متعلق حضرت خضرؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے واقعات موجود ہیں۔ یہ دونوں بزرگ حیات بھی ہیں اور نظروں سے پوشیدہ بھی ہیں اور طولِ عمر کے بارے میں دونوں ہی بزرگ حضرت مہدیؑ سے زیادہ عمر رکھتے ہیں۔ یہ دونوں حضرات اپنی صلاحیتوں اور اپنی مرضی سے غیبت اور طولِ عمر نہیں رکھتے، انھیں اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ خاص سے باقی رکھا ہے۔ یہی معاملہ امام مہدیؑ کا بھی ہے۔ نہ ان کے معاملے میں شک کرنے والا صحیح العقیدہ مسلمان کہلائے گا، نہ ان کے معاملے میں شک میں مبتلا صحیح العقیدہ مسلمان کہلائے گا۔

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

''بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ'' (سورۂ ہود، ۸۶)

ترجمہ: اگر تم سچے مومن ہو تو خدا کا بقیہ تمھارے واسطے کہیں اچھا ہے اور میں تو کچھ تمھارا نگہبان نہیں۔

صباغی نے، جو اہل سنت کے زبردست عالم ہیں، اپنی انتہائی مستند کتاب ''فصول المہمہ'' میں ایک طویل روایت میں امام مہدیؑ کے ظہور کی علامات میں امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے۔ اس روایت کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس

وقت ہمارا قائم ظہور کرے گا اور خانۂ کعبہ کی دیوار پر سہارا دے کر کھڑا ہوگا اور خالص مومنین سے ۳۱۳/آدمی اس کے پاس جمع ہوں گے تو سب سے پہلے وہ اس آیت ''بقیۃ اللہ۔۔'' ہی کی تلاوت کرے گا اور کہے گا میں بقیۂ خدا اور اس کا خلیفہ اور تم پر اس کی حجت ہوں۔ اس وقت تمام لوگ ''یا بقیۃ اللہ'' کہہ کر اس کی طرف خطاب کریں گے۔

بہر نوع، ابھی کیونکہ ظہور نہیں ہوا ہے، اس لئے یہ پیشین گوئی ابھی مستقبل کی کوکھ میں ہے، مگر سب مسلمان اس پر متحد ہیں، اس لئے بحث کا موضوع نہیں ہے۔

ایک دوسرے خطبے میں روپوشی کا ذکر فرماتے ہوئے ایک ایسی قوم کا تذکرہ فرماتے ہیں جو زمانہ غیبت میں بھی فیض یاب ہوتی رہے گی۔ ظاہر ہے یہ وہ لوگ ہیں جو امام مہدیؑ سے خصوصیت کے ساتھ عقیدت رکھتے ہوں گے اور انہیں اپنا امام وقت تسلیم کرتے ہوں گے۔

فرماتے ہیں:

''اے میری قوم! یہی تو وعدہ کی ہوئی چیزوں کے آنے اور فتنوں کے نمایاں ہو کر قریب ہونے کا زمانہ ہے کہ جن سے تم ابھی آگاہ نہیں ہو۔''

یہ آنے والے زمانے میں ان فتنوں کا تذکرہ ہے جو زمین کو ظلم و جور سے پُر کردیں گے، اور آخر کار یہی فتنے جب اپنے شباب کو پہنچیں گے تو امام مہدیؑ ظہور فرمائیں گے، اور دنیا کو عدل و انصاف سے پُر کردیں گے۔ جیسا کہ احادیثِ معتبر و متواتر میں بیان ہوا ہے۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ ہر روز دنیا ظلم و جور میں ترقی کرتی جارہی ہے اور آہستہ آہستہ زمانہ اس پیشین گوئی کی طرف بڑھ رہا ہے۔

حضرت امام مہدیؑ کے نظروں سے پوشیدہ ہونے کے تعلق سے فرماتے ہیں:

''دیکھو، ہم اہلبیتؑ میں سے جو (ان فتنوں کا) دور پائے گا وہ اس میں ہدایت کا چراغ لے کر بڑھے گا اور نیک لوگوں کی راہ روشن پر قدم

اٹھائے گا تا کہ بندھی ہوئی گرہوں کو کھول دے اور بندوں کو آزاد کردے حسب ضرورت جڑے ہوئے کو توڑے اور ٹوٹے ہوئے کو جوڑے۔ وہ لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوگا، کھوج لگانے والے پیہم نظریں جمانے کے بعد بھی اس کے نقشِ قدم کو نہ پاسکیں گے۔ اس وقت ایک قوم کو حق کی سان پر اس طرح تیز کیا جائے گا جس طرح لوہا تلوار کی باڑ تیز کرتا ہے۔ قرآن سے ان کی آنکھوں میں جلاء پیدا ہوگی اور اس کے مطالب ان کے کانوں میں پڑے رہیں گے اور حکمت کے ساغر انھیں صبح وشام پلائے جائیں گے۔''

گویا ایک مخصوص قوم ہی امام عصر کے عقیدہ اور غیبت کی حکمت پر قائم رہ پائے گی اور وہ امام پاک کی ذات طیب سے فیض یاب بھی ہوتی رہے گی۔

خطبہ نمبر ۱۳۶ رہی میں امام کے ظہور سے پہلے جنگ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''(ان کے ظہور سے پہلے) نوبت یہاں تک پہنچے گی کہ جنگ اپنے پیروں پر کھڑی ہو جائے گی دانت نکالے ہوئے اور تھن بھرے ہوئے جن کا دودھ شیریں اور خوشگوار معلوم ہوگا، لیکن اس کا انجام تلخ اور ناگوار ہوگا۔ ہاں کل، اور یہ کل بہت نزدیک ہے کہ جو ایسی چیزوں کو لے کر آئے جنھیں تم ابھی تک نہیں پہچانتے ہو۔''

خطبہ کے اس حصہ میں حضرت جنگ کے تعلق سے کچھ ایسی چیزوں کا ذکر فرما رہے ہیں جنھیں حضرت علیؑ کے دور کے لوگ نہیں جانتے، لیکن آئندہ آنے والے زمانے میں برپا ہونے والی جنگوں میں یہ چیزیں استعمال ہوں گی۔ یہ بالکل صاف اشارہ ہے جدید اسلحہ جات کی طرف۔ حضرت علیؑ کے دور کے بزرگ جو تیر، کمان، برچھی، تلوار، نیزہ اور گرز سے زیادہ آلاتِ حرب وضرب کے بارے میں نہیں جانتے

تھے ان کے لئے دورِ حاضر کے جدید اسلحہ جات مثلاً ایٹم بم، توپ ٹینک، AK47 رائفل، Guided Missile جنگی جہاز، جنگی پن ڈبیاں، راڈار، مشین گن، Telescopic Gun وغیرہ کا تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا، لیکن آج کے دور کا بچہ بچہ ان چیزوں کے بارے میں معلومات رکھتا ہے۔

جنگی آلات میں روز بروز ترقی کی جو دوڑ لگی ہوئی ہے، اس کی کوکھ سے آئے دن ایک سے ایک خطرناک آلاتِ جنگ پیدا ہو رہے ہیں۔ بین الاقوامی پیمانے پر جنگی آلات پر ایجادات ہو رہی ہیں۔ ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک میں جو اسلحہ جات کی ہوڑ لگی ہے، اسے دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ ابھی نہ جانے کتنے مہلک اسلحے ایجادات کی کوکھ میں پل رہے ہیں۔

Nano Technology جب سے ایجاد ہوئی ہے، اس نے اسلحوں کے میدان میں تہلکہ مچا دیا ہے۔ خود ہمارے ملک میں اس پر تیزی سے کام ہو رہا ہے۔ ہندوستان کے سابق صدر اور میزائل مین مرحوم اے پی جے عبدالکلام نے یکم جولائی ۲۰۰۴ء افواج کے "Weapons & Electronic Systems Establishment" کے سلور جوبلی جشن کے موقع پر اپنے دفاعی سائنسدانوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

> ''آنے والے وقتوں میں جنگوں کا پورا نقشہ ہی بدلنے والا ہے۔ Carbon Nano Tubes اور اس کے مادّوں سے سائنس کے میدان میں انقلاب آنے والا ہے۔ ایسے انتہائی خورد اسلحے (Micro Weapons) ایجاد ہوں گے جو بظاہر بہت چھوٹے ہوں گے مگر ان کے مار کرنے کی صلاحیت انتہائی بربادی کی ہوگی۔''

خطبہ نمبر ۱۲۶، جس کا ہم نے الگ سے ذکر کیا ہے اور اس میں حضرتؑ نے ایک لشکر کا تذکرہ کیا ہے، جس میں نہ گھوڑوں کی آوازیں ہیں، نہ اسلحوں کی کھڑکھڑا

ہٹ ۔۔۔۔۔۔مگر تباہی اس لشکر سے بہت ہوگی۔ شارحینِ نہج البلاغہ نے ایک غلام کا ذکر کیا ہے جو برسرِ اقتدار آئے گا تو اس کے پاس گھوڑے نہ ہوں گے۔ لیکن اسی خطبے کے چند جملے یہ بھی ہیں، جن میں بربادی کا ذکر یوں ہے:

''جن کے قتل ہو جانے والوں پر بین نہیں کیا جاتا اور گم ہونے والوں کو ڈھونڈا نہیں جاتا۔ تمھاری ان آباد گلیوں اور سجے سجائے مکانوں کے لئے تباہی ہے کہ جن کے چھجے گدھوں کے پروں اور ہاتھیوں کی سونڈوں کے مانند ہیں۔''

علامہ سید محمد عسکری جعفری، جنھوں نے غالباً انگریزی زبان میں نہج البلاغہ کا پہلا ترجمہ اور تشریح کی ہے، خطبہ کے اس حصے پر گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس پیشین گوئی میں حضرتؑ نے ایٹمی جنگ کا تصور پیش فرمایا اور اس کی پیشین گوئی فرمائی ہے کہ جس میں سب ختم ہو جائیں گے اور کوئی کسی پر رونے والا گم شدہ عزیزوں کا تلاش کرنے والا باقی نہ رہے گا۔ ظاہر ہے اس حملے میں نہ گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز ہوگی، نہ تلواروں کے کھڑکھڑانے کی، اور تباہی بے مثال ہوگی۔ قدیم آلاتِ جنگ سے لڑی جانے والی جنگوں میں یہ تباہی ممکن نہیں ہے۔ اس میں بہت تھوڑا جانی نقصان ہوتا ہے۔ اس میں ایک ہی حملے میں بستی کی بستی صاف ہو جانے کا امکان نہیں ہے۔ پھر یہ جنگ افراد کے درمیان ہوتی تھی، مکانات وغیرہ محفوظ رہتے تھے۔ لیکن خطبے میں مکانات کے تباہ ہو جانے کی خبر ہے۔ علامہ عسکری جعفری نے اس صورت حال سے جو ایٹمی جنگ مراد لی ہے، تاریخ نے جاپان کے دو شہر ہیروشیما اور ناگاساکی کی بدترین تباہی سے اس کی تصدیق کی ہے۔۔۔۔۔۔ اگر خدانخواستہ کبھی اس سے زیادہ طاقتور حملہ ہوتا ہے تو جس خطہ پر یہ حملہ ہوگا، یقیناً وہاں نہ کوئی رونے والا بچے گا، نہ تلاش کرنے والا۔

آج کے دور کے مافیا اور ڈان

(Land Mafia)

''لوگوں پر ایک ایسا گزند پہنچانے والا دور آئے گا، جس میں مالدار اپنے مال میں بخل کرے گا حالانکہ اسے یہ حکم نہیں، چنانچہ اللہ سبحانہٗ کا ارشاد ہے کہ'' آپس میں حسن سلوک کو فراموش نہ کرو۔'' اس زمانے میں شریر لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور نیکو کار ذلیل و خوار سمجھے جائیں گے اور مجبور و بے بس لوگوں سے خرید و فروخت کی جائے گی، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجبور اور مضطر لوگوں سے (اونے پونے) خرید نے کو منع کیا ہے۔''

(۴۶۸-کلمات قصار)

اس پیشین گوئی میں جس دور کا ذکر ہے وہ تو ہمارے دور میں بالکل صاف صاف نظر آ رہا ہے۔ مالدار اپنے مال میں بخل کر رہے ہیں اور انھیں جو حسنِ سلوک کی تنبیہ ہے وہ کہیں نظر نہیں آتی۔ اگر ہر بستی، ہر شہر اور ملک کے مالدار اسلام کے بتائے ہوئے حسن سلوک پر آمادہ ہو جاتے تو ہمیں بھوک، افلاس، بیماری اور کس مپرسی میں مبتلا لوگ نظر نہ آتے۔

اس زمانے میں جن شریر لوگوں کی طرف حضرتؑ نے اشارہ فرمایا ہے، وہ آج کے زمانے میں ''مافیا'' کی شکل میں ہر جگہ اور ہر کاروبار زندگی کے میدان میں موجود ہیں، پچھلے زمانوں میں جو ڈاکو اور لٹیرے ہوا کرتے تھے وہ آج کے دور کے مافیا ہیں۔ یہ کمزور لوگوں کی جائیدادوں پر قابض ہو کر یا دیگر حیلے بہانوں اور ڈرا دھمکا کر ان کی جائدادوں اور مال واسباب کو کوڑیوں کے بھاؤ خرید لیتے ہیں اور ان کو ایک طرح سے لوٹ کر بے یار و مددگار اور کس مپرسی میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ حالانکہ احادیث میں اس طرح کی خرید و فروخت کی سخت ترین ممانعت ہے اور یہ سراسر حرام ہے، مگر یہ چلن اب عام ہے۔ لاچار لوگوں سے زمین جائداد، مال واسباب، فصلیں خرید کر بلکہ سچ یہ ہے کہ طاقت اور غنڈہ گردی کے زور پر چھین کر اونچی شرح پر بیچی جاتی ہیں۔

اہلِ کوفہ کے میدانِ جنگ میں حضرت علیؑ کا ساتھ چھوڑ جانے کی پیشین گوئی

''تم ہمیشہ کے لئے مجھ سے اپنا اعتماد کھو چکے ہو۔ نہ تم کوئی قومی سہارا ہو کہ تم پر بھروسہ کرکے دشمنوں کی طرف رخ کیا جائے، نہ تم کوئی عزت و کامرانی کا وسیلہ ہو کہ تمھاری ضرورت محسوس ہو۔ تمھاری مثال ان اونٹوں کی سی ہے جن کے چرواہے گم ہوگئے ہوں۔ اگر انھیں ایک طرف سے سمیٹا جائے تو دوسری طرف سے تتر بتر ہو جائیں گے۔ خدا کی قسم تم جنگ کے شعلے بھڑکانے کے لئے بہت برے ثابت ہوئے ہو۔ تمھارے خلاف سب تدبیریں ہوا کرتی ہیں، اور تم دشمنوں کے خلاف کوئی تدبیر نہیں کرتے۔ تمھارے شہروں کے حدود (دن بدن) سکڑتے جا رہے ہیں، مگر تمھیں غصہ نہیں آتا۔ وہ تمھاری طرف سے کبھی غافل نہیں ہوتے، اور تم ہو کہ غفلت میں سب کچھ بھولے ہوئے ہو۔ خدا کی قسم ایک دوسرے پر ٹالنے والے ہارا ہی کرتے ہیں۔ خدا کی قسم میں تمھارے متعلق یہی گمان رکھتا ہوں کہ اگر جنگ زور پکڑے اور موت کی

گرم بازاری ہو، توتم ابن ابی طالب سے اس طرح کٹ جاؤ گے جس طرح بدن سے سر (کہ دوبارہ پلٹنا ممکن ہی نہ ہو)۔" (خطبہ ۳۴)

اس خطبے کے ساتھ ہی جنگِ صفین شروع ہونے سے پہلے جو حضرت علیؑ اور معاویہ میں خط و کتابت ہوئی ہے، اس میں سے ایک مکتوب جو آپؑ نے معاویہ کو لکھا، اس میں بھی کھلی پیش گوئی ہے۔ اس کو بھی اس خطبے کے ساتھ ملا کر پڑھیں اور پھر پیشین گوئی کا لطف اٹھائیں:

"..........میں بلا شبہ اسی شاہراہ پر ہوں جسے تم نے اپنے اختیار سے چھوڑ رکھا تھا، اور بہ مجبوری اس میں داخل ہوئے (یعنی فتح مکہ کے دن مجبورا جان بچانے کے لئے اسلام کراہت کے ساتھ زبان سے قبول کرلیا۔) اور تم ایسا ظاہر کرتے ہو کہ تم خونِ عثمان کا بدلہ لینے کو اٹھے ہو، حالانکہ تمھیں اچھی طرح معلوم ہے کہ ان کا خون کس کے سر ہے، اگر واقعی بدلہ لینا منظور ہے تو انھیں سے لو۔ اب تو وہ (آنے والا) منظر میری آنکھوں میں پھر رہا ہے کہ جب جنگ تمھیں دانتوں سے کاٹ رہی ہوگی اور تم اس طرح بلبلاتے ہوگے جس طرح بھاری بوجھ سے اونٹ بلبلاتے ہیں۔ اور تمھاری جماعت تلواروں کی تابڑ توڑ مار، سر پر منڈلانے والی قضا اور کشتوں کے پشتے لگ جانے سے گھبرا کر مجھے کتاب خدا کی طرف دعوت دے رہی ہوگی، حالانکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو کافر اور حق کے منکر ہیں یا بیعت کے بعد اسے توڑ دینے والے ہیں۔"

(مکتوب نمبر ۱۰ از نہج البلاغہ)

یہ خطبہ حضرتؑ نے جنگِ صفین سے قبل اہل کوفہ کو خطاب کرتے ہوئے دیا تھا۔ یہ صفین کے بدلے ہوئے نقشۂ جنگ کی پہلے سے تصویر کشی تھی۔ چنانچہ عین وہی ہوا جس کی حضرتؑ نے پیشینگوئی فرمادی تھی۔ جنگ جب اپنے پورے شباب پر پہنچی تو اہلِ

کوفہ اہلِ شام کی چالوں کا شکار ہو گئے۔

صفین کی کہانی بڑی الجھی ہوئی اور افسوس ناک ہے۔ عموماً صفین کے حالات کے پیشِ نظر ہی خالص مادّی ذہنیت رکھنے والے لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ کو سیاست نہیں آتی تھی اور وہ معاویہ کے سامنے ناکام سیاست داں تھے۔

حالانکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ خود حضرتؑ نے فرمایا کہ ''اگر مجھے حرام سے پرہیز مانع نہ ہوتا تو میں معاویہ سے بڑا ڈپلومیٹ ہوتا۔'' (نہج البلاغہ) اسی سے سمجھا جاسکتا ہے کہ حضرت علیؑ امیر معاویہ کی طرح آزاد نہیں تھے کہ چاہے جس تدبیر سے کام لیں۔ انھیں شرعی حدود اور حکمِ الٰہی کے پابند رہ کر انتظامات کرنے ہوتے تھے، دوسری طرف ان کی شدتِ عدل بھی انھیں دنیادار لوگوں میں مقبول نہیں ہونے دیتی تھی۔

علامہ عدیل اختر صاحب قبلہ اپنی مشہور تصنیف ''صلح حسنؑ'' میں تحریر کرتے ہیں:

> ''امیر المومنین کی شرعی پابندی کی حد اس درجہ بلند تھی کہ بقول شخصے حضرت ابن عباس اور عقیل ابن ابی طالب جیسے لوگ بھی برداشت نہ کر سکے اور آپ کا ساتھ نہ دے سکے۔''

انھوں نے حضرت ابن عباس، جو کہ ان کے شاگرد، قریب ترین عزیز، اور انتہائی بھروسے کے آدمی تھے، جب ان کے متعلق کچھ اطلاعات ملیں کہ انھوں نے اپنی گورنری میں رقومات میں ہیر پھیر کی ہے تو سختی کے ساتھ خطوط لکھے اور حساب کا مطالبہ کیا۔ آخرکار ابنِ عباس گورنری چھوڑ کر مکہ چلے گئے، تب بھی آپ نے انھیں سخت تنبیہ کرتے ہوئے لکھا ''اگر میں نے تم پر قابو پایا تو تم سے سارے حساب لوں گا۔''

آپ نے ایک موقعہ پر فرمایا:

''خدا کی قسم میں دین میں دورخی نہیں برتوں گا، اور نہ اپنی حکومت میں

ذلت و پستی گوارہ کروں گا۔"   (تاریخ طبری، ج ۳)

آپ کا یہ قول خود اعلان ہے کہ آپ ڈپلومیسی برداشت نہیں کرتے۔

علامہ احسان اللہ عباسی اپنی تاریخ اسلام میں ایک جگہ دونوں (علیؑ و معاویہ) کے مزاج میں تضاد کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"پیغمبرِ خدا کو گزرے ہوئے پچیس برس ہو چکے تھے۔ ان کے فیض صحبت کا اثر طبیعتوں سے زائل ہو چلا تھا۔ جنگِ جمل تک کھینچ کھانچ کر نیک نیتی اور غلط فہمی کو کھپایا گیا لیکن اب اس کی گنجائش نہیں رہی۔ اب صاف طور پر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نیک نیتی کے قدم بہ قدم تھے۔ یعنی دین و دنیا دونوں کو وہ ساتھ رکھنا چاہتے تھے۔ وہ یہ گوارہ نہیں کر سکتے تھے کہ امت نبوی پر کوئی نا اہل حکمراں ہو یا امیر ہو، اور یہ بھی پسند نہیں کرتے تھے کہ وہ جس کو سب سے اچھا سمجھیں (یعنی اپنی ذات کو) اسے پولیٹیکل معاملات سے الگ رکھیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ دین کو دنیا پر مقدم سمجھتے تھے۔ مسلمانوں کے مقابلے میں وہ تلوار بھی اٹھاتے تو اس لئے کہ بغاوت کو رفع کرنا اور ناسزاؤں کو سزا دینا ضروریات سے تھا۔ یہ بھلا ہو یا برا۔ بس اس کے سوا اور کوئی فعل وہ ایسا نہ کرتے تھے جو کسی فریق کے نزدیک مذہب کے خلاف یا اخلاقی خوبیوں کے منافی ہوتا۔

مسلمانوں کا دوسرا گروہ ان لوگوں کا مجموعہ تھا جو دنیاوی لذتوں کو مقدم سمجھتے تھے اور دنیا زور، لاتحصل الا بالزور (یعنی دنیا سراپا مکر ہے جو کہ بغیر مکر و فریب کے حاصل نہیں ہو سکتی) پر عمل کرنے میں تامل نہ کرتے تھے۔ یہ گروہ دیکھتے دیکھتے بڑھتا گیا اور سنتِ نبوت سے الگ ہو کر شام اور عجم کے سلاطین اور ان کے اراکین کا رنگ پکڑتا گیا۔

معاویہ اس گروہ کا سردار تھا۔ اتفاقِ زمانہ نے اس کو سردار بنادیا، یا یوں کہیے کہ اس کے ذریعے سے لوگوں کو اپنے مافی الضمیر کے اظہار کا موقع ملا۔'' (تاریخِ اسلام، احسان اللہ عباسی، صفحہ ۱۹۷)

خود علیؑ کے پورے زمانۂ خلافت کو اسی زاویہ سے دیکھنے پر حالات کا صحیح تجزیہ کیا جاسکتا ہے۔ سرِ دست ہم کو صرف جنگِ صفین کی پیشین گوئی کے بارے میں محدود گفتگو کرنی ہے۔

جنگِ صفین کے بارے میں ہم سب جانتے ہیں کہ امیر معاویہ نے حضرت علیؑ سے انکارِ بیعت کو جواز بخشنے کے لئے ''قصاص خونِ عثمان'' کا کھیل کھیلا تھا۔ ورنہ سچ یہ ہے کہ وہ تو اچھی طرح جانتے تھے کہ حضرت علیؑ کا خونِ عثمان سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ مطالبۂ ''قصاصِ خونِ عثمان'' کا حق بھی معاویہ کو نہ تھا۔ عثمان کے ورثاء میں ان کا شمار نہیں تھا۔ انصاف پسندوں کی نگاہ سے یہ بھی پوشیدہ نہیں کہ کس طرح عثمان کے قتل میں معاویہ معین و مددگار ثابت ہوئے۔ میں نے اس سلسلے میں ایک طویل مقالہ ''قتلِ عثمان، تاریخ و حقائق کی روشنی میں'' تحریر کیا تھا، جو ۲۴ قسطوں میں ''الجواد'' بنارس ستمبر ۱۹۹۳ء سے شائع ہونا شروع ہوا تھا۔ اس میں سارے پہلوؤں پر بحث کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ سرِ دست صرف علامہ طبری کی یہ تحریر کافی ہے:

''عثمان نے ایک خط معاویہ ابن ابی سفیان کے نام بھیجا، جس میں تحریر تھا کہ۔۔اما بعد، تحقیق، کہ اہلِ مدینہ کافر ہوگئے ہیں اور اطاعت سے منحرف ہوگئے ہیں اور بیعت توڑ دی ہے۔ بس میری حفاظت کے لئے شام کے بہادروں کو بھیج دو جو اس مشکل اور ذلت میں میرے کام آئیں۔ معاویہ کے پاس یہ خط پہنچا تو اس نے امدادی دستہ بھیجنے میں دیر کی، اسے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ اصحاب و انصارِ رسول کا اجماع ہو چکا ہے، اس لئے اظہارِ مخالفتِ اصحابِ رسولؐ سے کراہت کی۔'' (طبری، جلد ۵)

طبری کی اس تحریر اور معاویہ کی مضحکہ خیز وکالت پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے، مگر اس تحریر سے اس وقت اتنا ہی نتیجہ لینا کافی ہے کہ معاویہ نے جان بوجھ کر عثمان کو قتل ہونے دیا اور اپنی طرف سے کمک میں اتنی دیر کی کہ عثمان قتل کر ڈالے گئے۔

انھیں مورخ کی ایک اور تحریر بہت کچھ کہہ رہی ہے:

''حضرت معاویہ نے کعب الاحبار سے ملاقات کی جو کہ عثمان کے بہت منظورِ نظر تھے۔ (غالباً معاویہ کی مدینے میں آمد کے وقت گفتگو ہوئی ہے) اور فرمایا کہ ''مجھے ڈر ہے کہیں گروہِ مخالفین حضرت عثمان کا کام تمام نہ کردے۔ کعب نے کہا کہ یہ تو ہوگا کیونکہ میں نے کتاب میں دیکھا ہے لوگ عثمان کو مار ڈالیں گے، اور خلافت ان کے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ حضرت معاویہ نے کہا کہ کاش مجھے یہ پتہ ہوتا کہ آئندہ خلافت کس کے حصے میں آئے گی تو میں اس کے ساتھ خلوص اختیار کرتا اور خدمت کرتا۔ کعب نے کہا یہ منصب ان کے بعد تم کو ملے گا۔ معاویہ نے کہا سچ کہتے ہو مگر بہت خوں ریزی کے بعد۔'' (طبری، جلد ۴)

میں نے اپنے مضمون میں اس پر بہت کچھ بحث کی ہے۔ فی الحال تحریر پر تبصرہ نہ کر کے قارئین کی فہم کے حوالے کرتا ہوں کہ کیا کچھ ہو رہا ہے؟

کعب الاحبار نے کسی کتاب میں پڑھا ہے (آسمانی کتاب ہے تو شاید قرآن میں) کہ عثمان قتل ہوں گے، یہ بھی شاید اسی کتاب میں پڑھا ہوگا کہ معاویہ ان کے بعد خلیفہ بنیں گے .... اور معاویہ کو تو بغیر کتاب میں پڑھے ہی معلوم ہے کہ وہ خلیفہ بنیں گے مگر بڑی خونریزی کے بعد۔

اتنا بھی عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ کعب الاحبار بڑی ہی پُر اسرار شخصیت کے مالک ہیں۔ جس طرح وہ یہاں عثمان کے قتل کی پیشین گوئی کر رہے ہیں، انھوں نے عمر کے قتل کی بھی پیشین گوئی کی تھی۔ اور پیشین گوئی کے تیسرے دن ابولؤلؤ

نے انھیں قتل کر ڈالا۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین اور چند دیگر بڑے مؤرخین نے کعب الاحبار کو اپنی تفتیش کے گھیرے میں لیا ہے۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی بھی ایک تحریر ملاحظہ فرمالیجیے:

''حضرت عثمان سے رخصت ہونے سے پہلے (یہ گفتگو تب کی ہے جب معاویہ عثمان کی طلب پر مدینہ آئے تھے۔ اس ملاقات کا ذکر اعثم کوفی اور دوسرے مؤرخین نے کیا ہے۔) معاویہ نے ۲ تجاویز ان کے سامنے رکھیں، جنھیں آپ نے قطعی طور پر مسترد کر دیا۔ پہلی تجویز میں انھوں نے حضرت عثمان سے کہا کہ آپ میرے ساتھ شام چلیے، وہاں آپ کے لئے سکون ہوگا۔ دوسری تجویز معاویہ نے آپ کے سامنے پیش کی کہ میں شامی فوج کا ایک دستہ بھیج دیتا ہوں جو مدینہ میں رہ کر آپ پر ہونے والی زیادتیوں کو رفع کرے گا، اور آپ کی حفاظت کرے گا۔ لیکن عثمان نے یہ تجویز بھی مسترد کر دی۔''

('عثمان صرف تاریخ کی روشنی میں' ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری)

آگے کی تحریر میں پہلی تجویز کو مسترد کرنے کا سبب ڈاکٹر صاحب نے یہ فرمایا ہے کہ اگر وہ شام چلے جاتے تو ان کی حیثیت امیر معاویہ کے ہاتھ میں ایک قیدی کی سی ہو جاتی اور وہ معاویہ کے قیدی بننے سے بہتر ان دوستوں کا قیدی بننا پسند کرتے تھے جن کے ساتھ انھوں نے مکہ سے ہجرت کی تھی۔۔۔۔ دوسری تجویز کے مسترد کرنے کا سبب ڈاکٹر صاحب یہ تحریر فرماتے ہیں کہ وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ جبر یہ اپنی حکومت کسی پر تھوپیں اور یہ المناک حادثہ ان کے سبب ہو کہ مسجدِ نبوی اور مدینۂ طیبہ مہاجرین وانصار کے گھر، سب کے سب معاویہ کی بھیجی ہوئی شامی فوجوں کے آگے بے بس ہو جائیں۔ ('عثمان صرف تاریخ کی روشنی میں' ۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین)

دونوں تجاویز کے مسترد ہونے کے بعد معاویہ نے کہا'' تو پھر آپ کی جان

جائے گی۔'' اس پر عثمان نے کہا'' حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔''

اس پورے واقعے کا تجزیہ فرمائیے۔ معاویہ نے میٹنگ میں ۲ر تجاویز پیش کیں، حضرت عثمان نے دونوں کو مسترد کر دیا۔ پہلی کا سبب مصری مورخ طٰہٰ حسین نے جو تحریر کیا ہے، میرے نزدیک بالکل درست ہے۔ واقعی اگر عثمان معاویہ کے ہاتھوں میں پڑ جاتے تو وہ مرتے وقت تک معاویہ کے یرغمال بنے رہتے۔ مہر خلیفہ کی لگتی اور احکامات معاویہ کے جاری ہوا کرتے۔ صرف اتنا ہی نہیں مجھے تو یہ بھی یقین ہے کہ جس طرح حضرت عمر کے لئے حضرت ابوبکر نے وصیت کی تھی، اسی طرح وہ اپنے حق میں ان سے وصیت بھی کرا لیتے اور اس کے فوراً بعد حضرت عثمان کے مرحوم ہونے کی خبر سُنی جاتی اور یہ بھی کہ انھوں نے معاویہ کو خلیفہ بنا دیا ہے۔ بہت سے لوگ شام میں رہنے والے باقاعدہ اس کے گواہ ہوتے، وصیت نامے پر ان کے دستخط ہوتے اور ساری امت دیکھتی رہ جاتی۔ عثمان چونکہ معاویہ کی ایذا رساں طبیعت اور ان کی فطرت سے خوب واقف تھے، لہٰذا انھوں نے ان کے ساتھ شام چلنے کی تجویز کو ٹھکرا دیا۔ ان کے خوبصورت مشورے کے نیچے دبی ہوئی غلیظ سازش کو وہ پہچان گئے اور ساتھ جانے کو رضامند نہ ہوئے۔ البتہ دوسری تجویز کو مسترد کئے جانے کا سبب بیان کرنے میں طٰہٰ حسین نے کافی غلطی کی ہے۔ وہ اس تجویز کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکے۔ دراصل شامی فوجوں کا مدینے میں آ جانا بھی عثمان کو یرغمال بنا لینے جیسا ہی تھا۔ جو کام کچھ بعد میں باغی گروہوں نے کیا، وہی کام کچھ پہلے شامی لشکر کر لیتا۔

یہی وجہ تھی کہ معاویہ کی دونوں تجاویز جب مسترد ہو گئیں، تو جھنجھلا کر کہا کہ '' پھر آپ قتل کر ڈالے جائیں گے۔'' اس کو آپ پیش گوئی بھی کہہ سکتے ہیں، دھمکی بھی اور قتل کا ارادہ بھی۔

تو یہ تو وہ جواز ہے جو جنگِ صفین کے لئے پیش کیا گیا۔ اب جنگِ صفین کے حالات اور نتائج کو اوپر لکھے ہوئے حالات کی روشنی میں ہی دیکھنے سے صحیح صورت حال

واضح ہوتی ہے۔

حضرت علیؑ سے جو لوگ توقعاتِ بے جا وابستہ کئے ہوئے تھے، ان کی سمجھ میں علیؑ کو حکومت ملتے ہی آ گیا کہ ان کی توقعات صحیح نہیں تھیں اور عہدوں، عاملوں اور بیت المال کے معاملے میں علیؑ کا جو کڑا طرزِ عمل ہے اس میں ان کے لئے نرمی کی کوئی گنجائش نہیں۔ جن کو پورے پورے صوبوں کا ٹیکس دیا جاتا تھا، وہ اور مدینے کی گلیوں میں رہنے والا ایک عام آدمی دونوں کو بیت المال سے برابر وظیفہ معیّن کر دیا گیا۔ لوگ حکمراں کے ظلم سے ڈرتے ہیں، مگر علیؑ وہ پہلے بادشاہ ہیں جن کے عدل سے لوگ ڈر گئے۔ اُدھر امیر معاویہ کے ہاں بخششیں تھیں، عہدے تھے، مال و زر تھا۔ نتیجہ یہ کہ جن کی تلواریں علیؑ کے ساتھ دکھائی دے رہی تھیں، ان کے دل معاویہ سے ملے ہوئے تھے۔ حضرت علیؑ کے کئی خطبوں سے اچھی طرح اس نازک صورت حال کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ایک موقع پر اپنے لشکر اور مصاحبوں کی نافرمانی سے رنجیدہ ہو کر فرمایا:

''جس کی اطاعت نہ کی جائے اُس کی کیا بات ہے۔'' (نہج البلاغہ)

معاویہ کے انتہائی سنگدل اور جابر فوجی حاکم بُسر بن ارطاۃ کے مظالم کی خبریں جب آپ تک پہنچیں تو اپنے ساتھیوں کے بارے میں افسوس کے ساتھ جو کچھ فرمایا اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ کن حالات میں تھے اور اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں کیسے مجبور تھے۔ فرمایا:

''خدایا! میں ان لوگوں سے تنگ آ گیا ہوں اور یہ مجھ سے تنگ ہیں۔ انھوں نے مجھے عاجز کر رکھا ہے۔''

''خدایا! ان کے بدلے میں مجھے اچھے لوگ دے، اور میرے عوض انھیں ایسا آدمی دے جو اِن لوگوں سے میری بہ نسبت برا برتاؤ کرے۔'' (نہج البلاغہ)

علامہ ابن ابی الحدید کا کہنا ہے کہ یہ جملے آپ نے صفین کے افسوس ناک انجام پر کہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

''مجھے ایسے لوگوں سے سابقہ ہے جنھیں حکم دیتا ہوں تو مانتے نہیں، جب بلاتا ہوں تو جواب تک نہیں دیتے۔'' (نہج البلاغہ)

ایک اور مقام پر فرمایا:

''جب تمھیں دشمن کے مقابلہ پر گرمیوں میں بلاتا ہوں تو کہتے ہو کہ شدت کی گرمی ہے۔ ذرا ٹھہر جائیے کہ گرمی گزر جائے۔ اور جب سردیوں میں بلاتا ہوں تو کہتے ہو کہ چلّے کا جاڑا ہے، ذرا دم لیجئے کہ سردی چلی جائے۔ سردی، گرمی سے بچنے کے سب بہانے ہیں۔'' (نہج البلاغہ)

آپ حضرت علیؑ کے کرب کا اندازہ اور حضرت علیؑ کی فوج میں شامل فوجیوں کے مزاج کو ان الفاظ سے خوب جانچ سکتے ہیں۔ نہج البلاغہ کے کئی خطبوں میں حضرت علیؑ کا یہ کرب آپ کو ملے گا، جب کہ مدِ مقابل کے پاس جو فوج تھی اُس کا ہر سپاہی اپنے امیر کا مطیع و فرمانبردار اور وفادار تھا۔ جیسا کہ پہلے ہی عرض کیا جا چکا ہے کہ امیر معاویہ کو اسلامی اقدار کا پاس نہ تھا لہٰذا احرام و حلال ذرائع ان کے یہاں سب رائج تھے۔ چنانچہ صفین میں یہی سب ہوا۔

جنگِ صفین دراصل ۳۶ھ کی ابتداء میں ہو جاتی، لیکن یہ جنگ حضرت علیؑ کی مجبوریوں کے سبب ۳۷ھ میں ہو سکی۔۔۔۔ کیونکہ سرکش باغیوں کو کچلنے کا موقع علیؑ کو جنگِ جمل کے سبب نہ مل سکا۔ ظاہر ہے کہ اس ایک سال کی مدت میں امیر معاویہ نے اپنی فوجی طاقت کو بھرپور طرح سے بڑھایا۔ یہی جنگ ۳۶ھ میں ہوتی تو نتائج بہتر اور خونریزی کمتر ہوتی۔ لیکن حضرت عائشہ جب قتلِ عثمان کا ماتم کرنے بیٹھ گئیں اور طلحہ اور زبیر کے ساتھ مل کر قصاصِ خونِ عثمان کا نعرہ بلند کرنے لگیں، تو اَب Priority اس

بغاوت کو کچلنے کی تھی۔۔۔حضرت عائشہ کو حضرت عثمان کے زمانے میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے ادوار جیسی راحت نہ تھی۔ اب بنی امیہ کے عروج کا زمانہ تھا، چنانچہ حضرت عائشہ حضرت عثمان کی سخت تنقید کیا کرتی تھیں اور کہا کرتی تھیں کہ ''کوئی اس نعثل کو قتل کردو'' لیکن جب عثمان قتل ہو گئے اور مکے میں ام المومنین کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت علیؑ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئی ہے، تو انھوں نے انحراف کا راستہ اختیار کیا اور طلحہ اور زبیر کے ساتھ مل کر کہ جو کہ اپنے شایانِ شان کوئی عہدہ نہ ملنے، اور کسی صوبے کا گورنر نہ بنائے جانے سے دل برداشتہ ہو کر نکثِ بیعت کر چکے تھے، قصاص خونِ عثمان کا علَم اٹھا لیا۔۔۔۔حضرت علیؑ معاویہ سے جنگ کی تیاریاں کر رہے تھے کہ یہ غیر متوقع صورت حال پیش آ گئی۔ اب اس سرکشی کو کچلنا ضروری تھا۔ چنانچہ مجبوراً شام کی طرف سے توجہ ہٹانی پڑی۔ اصول تو یہ کہتا ہے کہ امیر معاویہ اور حضرت عائشہ، دونوں کا مقصد ایک ہی تھا۔ دونوں حضرت عثمان کے خون کا قصاص چاہتے تھے، تو دونوں مل کر جنگ لڑتے۔ مگر معاویہ اتنے بھولے نہ تھے، وہ جانتے تھے کہ عائشہ، طلحہ اور زبیر کی جنگ ان کے لئے بہت ہی مناسب صورت حال ہے۔ ان کا ہر طور فائدہ ہی فائدہ تھا۔۔انھیں معلوم تھا کہ طلحہ اور زبیر کے نعروں کے پیچھے بھی وہی مقصد چھپا ہے جو خود ان کے نعرہ کے پیچھے چھپا تھا۔ یہ دونوں بھی خلافت کے دعوے دار ہوتے۔ لہٰذا ان کا دوطرفہ فائدہ تھا۔ ایک تو اس مہلت میں وہ اپنی جنگی قوت بڑھا لیتے اور دوسرے اس جنگ میں حضرت علیؑ کا لشکر ایک جنگ لڑ کر تھکتا اور طلحہ اور زبیر بھی ظاہر ہے جنگ لڑ کر کمزور ہوتے۔ جبکہ اُن کی افواج تازہ دم اور آلاتِ حرب وضرب سے لیس ہوتیں۔ اس طرح ان کا فائدہ دور سے نتائج دیکھنے میں تھا۔ انھوں نے وہی کیا۔

حضرت علیؑ کے خلاف معاویہ کی تیاریاں

اس مہلت کے دوران انھوں نے ایک بڑا کام یہ بھی کیا کہ عثمان کا قتل کے

وقت پہنا ہوا خون آلود پیراہن اور ان کی اہلیہ نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں مسلسل منبر پر رکھ کر لوگوں میں اشتعال پیدا کیا۔ یہ پیراہن اور نائلہ بنت قریضہ کی کٹی ہوئی انگلیاں نعمان ابن بشیر مدینے سے شام لے کر پہنچا۔ (استیعاب، جلد اوّل)

علامہ طبری لکھتے ہیں کہ ایک سال تک یہ خون آلود پیراہن اور نائلہ کی کٹی انگلیاں دمشق کے منبر پر رکھی جاتی تھیں۔ سردارانِ لشکر اس کے گرد جمع ہوکر گریہ وبکا کرتے تھے۔ بالآخر لوگوں میں اتنا غم وغصہ پیدا ہوا کہ انھوں نے حلف اٹھایا کہ جب تک ہم قاتلانِ عثمان کو قتل نہ کرلیں، نہ اپنی عورتوں کو ہاتھ لگائیں گے، نہ غسل کریں گے، اور نہ ہی نرم بستر پر آرام کی نیند سوئیں گے۔ (طبری، جلد ۵)

ظاہر ہے یہ صورت حال امیر معاویہ کی پیدا کردہ تھی اور اس کو انھوں نے صفین میں بھرپور طریقے سے cash کیا۔ حالات کو سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم امیر معاویہ کی ان تدبیروں پر ایک نظر ڈال لیں جو انھوں نے جنگِ صفین کی تیاری کے لئے اس ایک سال میں کیں، جس میں حضرت علیؑ کو جنگِ جمل کا سامنا تھا۔

ایک تدبیر ہم نے اوپر تحریر کردی ہے کہ انھوں نے نعمان ابن بشیر کے ذریعے عثمان کا خون آلود پیراہن اور نائلہ کی کٹی انگلیاں مدینہ سے دمشق منگوالیں اور ان کی نمائش کے ذریعے اہل شام میں زبردست اشتعال پیدا کیا۔

دوسری ترکیب انھوں نے یہ کی کہ انھوں نے اہل شام کو حضرت علیؑ کے فضائل وکمالات سے بے خبر رکھنے کے لئے بڑے پیمانے پر کوششیں کیں۔ چنانچہ شارح نہج البلاغہ علامہ ابن ابی الحدید تحریر فرماتے ہیں کہ:

"پوری قلمرو میں یہ حکم جاری کیا گیا کہ کوئی شخص حضرت علیؑ کے فضائل بیان نہ کرے۔ چنانچہ حضرت صعصعہ بن صوحان، جو حضرت علیؑ کے مشہور شیعہ اور بڑے نامدار لوگوں میں تھے، ان کو معاویہ کے خاص مغیرہ بن شعبہ نے دھمکاتے ہوئے کہا کہ خبردار جو تم نے فضائلِ علیؑ بیان

کئے۔ ان کے مناقب ہم کو تم سے زیادہ معلوم ہیں مگر یہ مصلحتِ حکومت کے خلاف ہے۔'' (تاریخ کامل ابن اثیر)

تیسری ترکیب یہ کی گئی کہ منبر سے خطبۂ جمعہ میں حضرت علیؓ پر سب وشتم کیا جانے لگا۔ گویا حضرت علیؓ پر سب ضرورت دینی بنا دیا گیا۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اپنی مشہورِ عالم تصنیف ''خلافت وملوکیت'' میں کئی جگہ تاریخوں کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں:

''ایک اور نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہ کے زمانے میں یہ شروع ہوئی کہ وہ خود اور ان کے حکم سے ان کے گورنر، خطبوں میں برسرِ منبر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کی بوچھار کرتے تھے۔ حتیٰ کہ مسجد نبوی میں منبرِ رسول پر عین روضۂ نبوی کے سامنے حضور کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دی جاتی تھیں اور حضرت علیؓ کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتے دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سنتے تھے۔''

(خلافت وملوکیت، بحوالہ طبری جلد ۴۔ ابن اثیر، جلد ۳، وجلد ۴۔ البدایہ جلد ۸)

یہ تحریر بتاتی ہے کہ جنگ صفین سے قبل جو بدعت شروع ہوئی تھی وہ معاویہ کے خلیفہ بن جانے کے بعد ان کی پوری حیات اور بعد تک جاری رہی۔ آخر کار عمر ابن عبدالعزیز کے دورِ خلافت میں اس ذلیل سلسلے کو بند کیا گیا۔ چنانچہ مودودی تحریر کرتے ہیں:

''کسی کے مرنے کے بعد اس کو گالیاں دینا، شریعت تو درکنار، انسانی اخلاق کے بھی خلاف تھا۔ اور خاص طور پر جمعہ کے خطبہ کو اس گندگی سے آلودہ کرنا تو دین واخلاق کے لحاظ سے سخت گھناؤنا فعل تھا۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے آکر اپنے خاندان کی دوسری غلط روایات کی طرح اس روایت کو بھی بدلا۔'' (خلافت وملوکیت)

معاویہ اس پوزیشن میں اس لئے پہنچے کہ حضرت ابوبکر نے ان کے بھائی کو ابوسفیان کے دباؤ میں شام کی حکومت جو عطا کی تھی۔ اس کے مرنے کے بعد معاویہ نہ صرف یہ کہ وہاں بھائی کی جگہ گورنر بنا دیئے گئے، بلکہ اپنے پورے دورِ خلافت میں حضرت عمر نے ان کو مزید مضبوط اور مستحکم کیا۔ وہ ۲۵ رسال تک شام کے گورنر رہے اور اس پر اپنے طرز سے حکومت کی، کسی کو دخل دینے کی ہمت ہی نہیں ہو سکی۔ معاویہ کی شام میں اس پوزیشن کا سارا کریڈٹ حضرت عمر کو جاتا ہے۔

حضرت علی جیسی ذاتِ گرامی قدر کو معاویہ نے شام میں اس قدر گمنام اور بدنام کر دیا کہ لوگ ان کے اکرام کا تو سوال ہی کیا، ان کے سلسلے سے بھی باخبر نہ رہ سکے۔ اور اس کے لئے بیت المال اور مسلمانوں کا پیسہ صرف کیا گیا۔ نمونہ کے طور پر یہ دو واقعات ملاحظہ فرمائیں:

> ''شام کے ایک شخص سے جو بہت باخبر اور محترم مانا جاتا تھا، کسی نے پوچھا کہ یہ علیؑ کون ہے جس پر معاویہ بالائے منبر لعنت کرتا ہے تو اس نے جواب دیا وہ عرب کے چوروں میں سے ایک تھا۔''

(مروج الذہب، ج ۲، علامہ مسعودی)

حالات کو سمجھنے کے لئے ایک اور واقعہ مسعودی ہی کی زبان سے سنئے:

> ''ایک عالم کا بیان ہے کہ ہم لوگ ایک صحبت میں بیٹھے ہوئے تھے، ابوبکر، عمر، علیؑ اور معاویہ کا تذکرہ کر رہے تھے کہ اس صحبت میں ایک مرد بزرگ آیا جو سب سے زیادہ جہاندیدہ اور واقف کار معلوم ہوتا تھا اور ریش بھی اس کی کافی لمبی تھی۔ اس نے ہم لوگوں سے کہا کہ کہاں تک تم ان کا تذکرہ کرو گے۔ ہم نے اس سے دریافت کیا کہ ان کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے؟ کہا کہ تم کس کے متعلق مجھ سے پوچھ رہے ہو؟ ہم نے کہا علیؑ کے بارے میں۔ اس نے کہا وہی علیؑ نا جو فاطمہ کے باپ تھے۔ میں نے

پوچھا کون فاطمہ؟ کہا رسول اللہ کی بیوی جو عائشہ کی بیٹی تھیں اور معاویہ کی بہن۔ ہم نے پوچھا اچھا بتاؤ علی اب کہاں ہیں؟ کہا وہ تو جنگ حنین میں حضرت رسولؐ کے ساتھ ہی شہید ہو گئے تھے۔''

(مروج الذہب، جلد ٦)

اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ امیر معاویہ نے حضرت علیؑ کے خلاف کیسا معاشرہ اور ماحول تیار کیا تھا۔۔۔۔۔۔۔ظاہر ہے ایسا جاہل معاشرہ ہی علیؑ کے سامنے آنے کی ہمت کر سکتا تھا۔ ان حالات نے امیر معاویہ کے لئے حالات آسان ترین کئے تو حضرت علیؑ کے لئے مشکل ترین۔

امیر معاویہ نے حضرت علیؑ سے مقابلے کے لیے سب سے پہلے اپنے دوست عمرو بن عاص کو مدد کے لئے طلب کیا۔ عمرو بن عاص بہت چالاک اور انتہائی پُر فریب آدمی تھا۔ عرب کے انتہائی چلتے پرزوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ ایامِ جاہلیت میں وہ حضور رسالتمآبؐ کی ہجو کیا کرتا تھا۔ ٨ ھجری میں حالات سے مجبور ہو کر اس نے بھی گردن بچائے رکھنے کے لئے کلمہ پڑھ لیا تھا، لیکن مزاج میں آج بھی وہی سب کچھ تھا۔ امیر معاویہ کو اس مشکل وقت میں اس کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ان کے حلقہ احباب میں عمرو پہلے ہی تھا، لیکن اب اس کی خدمات کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اس کو خط لکھ کر فلسطین سے طلب کیا گیا۔ عمرو عاص آئے تو بڑی عزت وتوقیر سے نوازے گئے، بعد میں معاویہ نے اپنا مدعا بیان کیا۔ عمرو عاص نے کہا 'بھلا تم کو قصاص عثمان سے کیا واسطہ؟ تم کو ان کی وراثت کب ہے؟ عثمان نے تو ایلچی بھیج کر تم سے مدد طلب کی تھی اور تم کو بھی بلایا تھا۔ نہ تم خود پہنچے اور نہ تم نے مدد بھیجی۔ اور اب انھیں کا قصاص طلب کر رہے ہو۔ (اعثم کوفی، باب صفین) عثمان کے قتل میں علیؑ کا ہاتھ کب ہے؟ معاویہ نے سمجھ لیا کہ عمرو عاص بغیر سودے کے رام نہ ہوں گے۔ اس لئے انھوں نے سیدھے سیدھے سودے بازی ہی شروع کی اور آخر کار مصر کی گورنری پر معاملہ طے

ہو گیا۔(اعثم کوفی) عمرو عاص نے صفین میں معاویہ کے لئے بڑی گرانقدر خدمات انجام دیں جس کا آگے تذکرہ ہوگا۔

اسی عرصہ میں معاویہ نے بڑے بڑے طاقتور سرداروں کو طرح طرح سے اپنے ساتھ ملانے کا سلسلہ جاری رکھا۔ چنانچہ شرجیل ابن سمط الکندی جو کہ انتہائی ذی وقار سردار تھا اور شام کے بڑے بڑے قبیلے اس کی سرداری میں تھے اور اس کا اثر و رسوخ ہر طرف تھا۔۔۔معاویہ کی نگاہ اس پر لگی تھی۔ لیکن وہ قتل عثمان کے سلسلے میں بہت confused تھا۔ وہ اتفاقاً بیرونجات میں تھا اور اسے صحیح صورت حال معلوم نہیں ہو پارہی تھی۔ چنانچہ معاویہ نے یہ انتظام کیا کہ اس کی طرف بہت سے آدمی روانہ کئے جو امیر معاویہ سے بے تعلق ہو کر فرداً فرداً اتفاقیہ طور پر اُس سے ملاقات کرتے۔ دورانِ ملاقات حالیہ واقعات پر گفتگو ہونے لگتی اور پھر وہ اس کے سامنے حضرت علیؑ ہی کو عثمان کا قاتل ٹھہراتے۔ ان ملاقات کرنے والوں میں یزید ابن اسد، بسر بن ارطاۃ، سفیان بن عمر، مخارق بن حارث، حمزہ بن مالک، حابس بن سعد، اور یمن کے بہت سے رؤسا تھے (سیرت امیر المومنین، مفتی جعفر)۔۔۔۔۔ نئے نئے لوگوں سے شہادتیں پا کر آخر شرجیل کو یقین ہو گیا کہ علیؑ ہی اس قتل میں ملوث ہیں۔ چنانچہ وہ سفر سے شام پہنچا اور معاویہ سے کہا کہ مجھے تحقیق ہو چکی ہے کہ مظلوم عثمان علیؑ کے سبب شہید کئے گئے ہیں۔ اب اگر تم نے ان کی بیعت کر لی تو میں تمام شام کو تم سے منحرف کر کے تم کو اس ملک سے الگ کر دوں گا۔ معاویہ نے شرجیل کی بڑی تعظیم کی۔ تیر بالکل ٹھیک نشانے پر بیٹھا تھا۔ معاویہ نے کہا کہ اکثر شام کے سردار اس اہم کام میں میرے ساتھ ہیں، بس آپ کی تائید و نصرت چاہیے۔ شرجیل تو پہلے ہی بھرا بیٹھا تھا، اس نے فوراً معاملات طے کر لئے۔(استیعاب)

شرجیل کے موافقت کرتے ہی تمام اس کے زیرِ اثر قبائل بھی امیر شام کے ساتھ آگئے اور اس طرح شرجیل کے ذریعے جاہل طبقات بھی آرام سے معاویہ کے

ہاتھ آ گئے۔

شرجیل کا ساتھ امیر معاویہ کے لئے بڑی لاٹری نکلنے جیسا ثابت ہوا۔ اس نے بذاتِ خود شام کے ہر ہر شہر، ہر ہر قریہ میں گھوم گھوم کر تقریریں کیں اور کہا کہ علیؓ نے عثمان کو قتل کر ڈالا ہے۔ جو اُن کے قصاص کی آوازیں بلند کر رہے تھے، انھیں موت کی نیند سلا دیا۔ ان کا مال و ورثہ چھین لیا، ان کی زمینوں اور شہروں پر قبضہ کر لیا۔ اب فقط شام بچا ہے جو ان کی دسترس سے باہر ہے اور یہیں کے لوگ خونِ عثمان کا بدلہ لینے کی قسمیں کھائے بیٹھے ہیں۔ تم کو چاہیے کہ اٹھو اور مظلوم خلیفہ کے خون کا بدلہ لینے کے لئے معاویہ کے ساتھ ہو جاؤ۔

یہ شام کے دورے کی تجویز معاویہ اور عمرو عاص نے ہی اس کے سامنے رکھی تھی۔ شرجیل انتہائی اثر ورسوخ والا آدمی تھا۔ جو امیر معاویہ سے یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر تم نے علیؓ کی بیعت کر لی تو ہم تمھیں شام سے نکال دیں گے، اس کے اثر کو سمجھا جا سکتا ہے۔ ایسا با اثر آدمی جب اس قدر سرگرم ہو جائے تو سمجھا جا سکتا ہے کہ معاویہ کے حق میں کس حد تک فضا ہموار ہو سکتی ہے۔۔ چنانچہ یہی ہوا۔ پورے شام میں ہلچل مچ گئی۔ صرف چند حضرات نے شرجیل کی مخالفت کر کے کنارہ کشی اختیار کی۔ سچ بات یہ ہے کہ شرجیل کی وجہ سے صفین کے معرکہ کی صورت ہی بدل گئی۔ اگر اس بد بخت نے ذرا تحقیق وتشویش سے کام لیا ہوتا اور معاویہ کی چالوں میں نہ آیا ہوتا تو صفین کے نتائج کچھ اور ہی ہوتے۔۔ اگر وہ محض گوشہ نشین ہی رہتا اور کسی طرف سے بھی فریق نہ بنتا تو جس قدر کثرت سے مسلمانوں کا خون بہا اور معاشرہ پر منفی اثرات مرتب ہوئے، وہ اس سے کہیں زیادہ کم ہوتے جو اس کے معاویہ کی طرف سے فریق بننے پر ہوئے۔

شرجیل کی آمد کے بعد عمرو عاص نے مشورہ دیا کہ عبادہ بن صامت کو بلایا جائے۔ عمرو عاص نے صفین کی تیاری کے لئے پہلا مشورہ یہ دیا کہ تمام با اثر افراد کو اپنے ساتھ ملایا جائے۔ چنانچہ اس نے کہا کہ عبادہ بن صامت انصاری کا شام اور شام کے

''تم اب واپس چلے جاؤ اپنے امیر کو بتادو کہ ہم اور اہل شام ان کی
بیعت نہیں کریں گے۔''

حضرت امیرؑ کی مصالحانہ کوششیں

ادھر کوفے میں یہ خبریں پہنچ رہی تھیں کہ معاویہ کس کس طرح فریب دے دے کر لوگوں کو بلا رہے ہیں، چنانچہ کوفہ میں بے چینی تھی۔ لوگوں نے حضرت علیؑ سے کہا معاویہ جنگی تیاریوں میں لگا ہوا ہے اور اسے وقت دینا مناسب نہیں۔ ہم کو شام پر حملہ کر دینا چاہیے۔ جنگی حکمت عملی اور خالص دنیاداری کے نقطۂ نظر سے یہ مشورہ قطعی غلط نہ تھا، اس سے کچھ فائدہ ہی اٹھایا جا سکتا تھا۔ مگر علیؑ علیؑ تھے، معاویہ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جریر جب تک آکر حتمی جواب نہیں دیں گے، جنگ کرنا انصاف کے منافی ہے۔ پہلے معاویہ انکار بیعت کرے تاکہ ہماری لشکر کشی غلط نہ کہلائے۔ ۴ رماہ کا قیمتی وقت گزار کر جریر آئے تو نہ صرف یہ کہ معاویہ کی نفی کا پیغام لائے بلکہ خود بھی معاویہ کی سیاست کا شکار ہو کر واپس آئے۔ انھوں نے حضرت علیؑ کی افواج کی ہمت شکنی کی غرض سے خوب بڑھ چڑھ کر اہل شام کے جوش و خروش کا حال بیان کیا، جنگی تیاریوں کا تذکرہ کیا اور اپنا کام کر کے حضرت علیؑ کا ساتھ چھوڑ کر قرقیسیا چلتے بنے۔ (روضۃ الصفا، جلد ۲)

یہیں سے سمجھنا چاہیے کہ حضرت علیؑ اپنے خطبے میں کن حالات کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔ جریر کا واقعہ تو ابھی مصائب کی ابتداء تھی۔

جنگ کے بادل پوری سیاہی کے ساتھ اب افقِ اسلام پر چھا چکے تھے۔ حضرتؑ کو معاویہ کی نیت، ان کے کردار اور ان کی تیاریوں کے پیشِ نظر یہ تو یقین تھا کہ وہ کسی صورت نہ بیعت کریں گے، نہ حکومت چھوڑیں گے، کیونکہ قصاصِ خونِ عثمان کی پیداوار ہی اس لیے کی گئی تھی۔ لیکن حضرتؑ کا معمول تھا کہ اتمامِ حجت پوری طرح کیا جائے۔۔۔۔ یہی آپ نے جنگ جمل سے قبل کیا، یہی جنگِ صفین سے قبل اور یہی

بعد میں خوارج سے جنگ کے مواقع پر۔ چنانچہ آپ نے معاویہ کے اس صاف صاف انکارِ بیعت کے بعد بھی ایک دوسرا ایلچی خط دے کر معاویہ کے پاس بھیجا۔ اصبغ بن نباتہ تمیمی اس مرتبہ نامہ بر بن کر گئے۔ اتفاق سے جس وقت اصبغ یہ خط لے کر پہنچے، تمام دربار امراء، شرفاء اور معاویہ کے خاص لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ اصبغ نے ایک نظر جو دربار پر دوڑائی تو انھیں ابو ہریرہ نظر آئے۔ اصبغ بہت تیز طرار آدمی تھے۔ انھوں نے فوراً ابو ہریرہ کو متوجہ کر کے کہا کہ ''کیا تم بتا سکتے ہو کہ بروز غدیر خم حضرت رسولؐ خدا نے علیؑ کے لئے کیا فرمایا تھا۔'' ابو ہریرہ نے کہا کہ ''میں نے سنا تھا کہ وہ **من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ** کہہ رہے تھے۔ وہ علیؑ کے لئے مولا بنانے کا اعلان کر رہے تھے۔'' اصبغ نے کہا ''پھر تم کس طرح علیؑ کے دشمن کا ساتھ دے رہے ہو اور ان کے دوستوں سے دشمنی کر رہے ہو۔'' ابو ہریرہ نے آہِ سرد بھر کر کہا ''**اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون**'' معاویہ نے جو یہ دیکھا تو سخت برہم ہوئے اور اصبغ کو بلا کر کہا کہ ''سنو تم اہل شام کو ہرگز اس طرح قصاصِ خونِ مظلومِ عثمان سے باز نہیں رکھ سکتے۔ بلا شبہ علیؑ نے ہی عثمان کا قتل کرایا اور ان کا خون ہم رائیگاں نہ جانے دیں گے۔'' (مناقب)

اصبغ بھی واپس چلے آئے اور تمام احوال حضرتؑ کو بتایا۔ آپ نے جنگی تیاریاں تو جاری رکھیں مگر زبانی اور تحریری کاوش بھی جاری رکھی کہ کسی صورت امت کا یہ قتل عام رک جائے۔ مگر معاویہ کسی صورت بھی اپنے مطالبہ سے دست بردار اور بیعت پر آمادہ نہ ہوئے تو مجبوراً آپ نے جنگی تیاریوں کو آخری شکل دینا شروع کر دیا۔

لشکر کی روانگی

ابھی حضرتؑ اسی فکر میں تھے کہ معاویہ نے ۲۵۰۰۰ر کا ایک مضبوط لشکر ابوالاعور اسلمی کے زیر سرپرستی عراق کی طرف روانہ کر دیا۔ جب یہ خبر علیؑ کو پہنچی تو انھوں نے ۱۲۰۰۰ر کا ایک لشکر زیاد ابن نفر اور شریف ابن ہانی کی ماتحتی میں روانہ کر دیا۔

جب یہ دونوں اپنا لشکر لئے ہوئے بطور ہراول دستہ شام کی طرف جارہے تھے تو انھوں نے سور روم کے قریب ابوالاعور اسلمی کا لشکر دیکھا جو وہاں ڈیرہ ڈالے پڑا تھا۔ ان لوگوں نے فوراً حارث بن جمہان کو خط دے کر امیرؑ کی خدمت میں بھیجا تا کہ صورت حال سے حضرت مطلع ہوجائیں اور آئندہ کارروائی طے پائے۔

اس حال سے مطلع ہوتے ہی جناب امیرؑ نے مالک اشتر کو ۳۰۰۰ر(تین ہزار) کا دستہ دے کر ادھر بھیجا اور یہ ہدایت کردی کہ اپنی طرف سے جنگ کی ابتداء نہ کرنا۔ جاتے ہی کمان اپنے ہاتھ میں لے لینا۔ حتیٰ الامکان کوشش کرنا کہ آغازِ جنگ نہ ہو۔ دشمن کے اتنا قریب نہ چلے جانا کہ ایسا تاثر ہو کہ جنگ چھیڑنا چاہتے ہو۔ اتنا دور بھی نہ ہوجانا کہ دشمن کو لگے کہ تم خوف کھا گئے۔ یہ جنگی نفسیات تھیں جن کی تعلیمات حضرتؑ نے دیں۔ حضرتؑ نے ان ہدایات کے ساتھ روانہ کیا اور فرمایا کہ میں بھی تمھارے عقب میں آتا ہوں۔

مالک اشتر تیزی کے ساتھ سفر کرتے ہوئے زیداور شریح کے پاس پہنچ گئے اور لشکر کو ملا کر کمان خود سنبھال لی۔ مالک اشتر نے دیکھا کہ غنیم کی کثرت ہے اور ان کا لشکر تعداد میں کم ہے، لیکن انھوں نے حضرتؑ کی ہدایت کے مطابق کچھ ہٹ کر پڑاؤ ڈال لیا تا کہ ایسا تاثر نہ ہو کہ مالک مرعوب ہوگئے ہیں۔ ابوالاعور نے بھی ایسا ہی تاثر دیا کہ جیسے فی الحال اس کو جنگ نہیں کرنی ہے۔

رات ہوئی تو دونوں لشکروں میں معمولات کے بعد سونے کی تیاری ہونے لگی۔ حضرت مالک اشتر کا لشکر مطمئن تھا کیونکہ صبح ہی سے اس طرف کے لشکر میں کوئی غیر معمولی ہلچل نہیں تھی۔ مگر جیسے ہی رات کے دو پہر گزرے کہ ابوالاعور نے شب خون مار دیا۔ یہ پروگرام اتنا اچانک تھا کہ حضرت مالک اشتر کا لشکر بھونچکا رہ گیا۔ لیکن بہادر فوجیوں نے ابوالاعور کے پروگرام کی تکمیل نہ ہونے دی۔ تعداد میں کم ہونے اور اچانک رات کے حملے کے باوجود مالک کے لشکر نے ایسا زوردار مقابلہ کیا کہ ابوالاعور کا

لشکر پیچھے ہٹتا چلا گیا۔ رات کو منہ کی کھا کر ابوالاعور پیچھے ہٹ چکا تھا۔ ابتداءِ جنگ اس طرف سے ہو چکی تھی۔ مالک اشتر نے صبح ہوتے ہی ہاشم مرقال کے ساتھ لشکر میدان میں اتار دیا۔ ابوالاعور بھی میدان میں آ گیا۔ اس وقت کی جنگ مجبوری میں ہوئی تھی۔ غنیم کی کثرت تھی اور مالک اشتر حضرت علیؓ کی آمد کے منتظر تھے، مگر بہر نوع جنگ کا میدان تو گرم ہو چکا تھا۔

قِلّتِ لشکر کے باوجود مالک اشتر کی کمان میں لشکر اس طرح جی توڑ کر لڑا کہ شامیوں کا مشہور سردار عبداللہ ابن منذر مارا گیا۔ اس کی موت نے شامی لشکر کو ٹھنڈا کر دیا۔ ابوالاعور ہزیمت اٹھا کر پیچھے ہٹتا چلا گیا اور اسے اس قدر دہشت ہوئی کہ وہ رات کی تاریکی میں اپنے لشکر کو لے کر اُس فیع میں، جہاں معاویہ پہنچ چکا تھا، وہاں پہنچ کر رکا۔

معاویہ کو جب عراقی لشکر کی آمد اور مالک اشتر کی کارکردگی کا پتہ چلا تو انھوں نے فوراً ابوالاعور اور سفیان ابن عمر سے کہا کہ تم لوگ لشکر کے لئے مناسب مقام دیکھو۔ ان لوگوں نے جو مقام تلاش کیا وہ ''صِفّین'' کے نام سے مشہور تھا۔ معاویہ نے لشکر یہیں روک دیا۔ یہیں پر تاریخ اسلام کی یہ مشہور اور تباہ کن، خونریز جنگ ہوئی اور اسی میدان کی مناسبت سے اسے ''جنگِ صفین'' کا نام ملا۔

صفین دریائے فرات کے کنارے ایک وسیع میدان تھا۔ یہ کبھی شاہانِ روم کی عمارتوں کا شاندار مقام تھا، مگر فی الحال تو یہاں ان شاندار عمارتوں کے کچھ نشانات باقی تھے اور یہ خطہ اب غیر آباد تھا۔ دریائے فرات کی روانی کچھ اس طرز پر تھی کہ ایک گھاٹ کے علاوہ دور تک کوئی ایسا دوسرا مقام نہ تھا کہ جہاں سے پانی لیا جا سکے، کیونکہ ہر طرف گھنی خاردار جھاڑیاں اور ان کے پاس دلدل والی زمین تھی۔

فرات پر امیر معاویہ کا قبضہ

معاویہ نے یہاں پہنچ کر ابوالاعور کو حکم دیا کہ دس ہزار سپاہیوں کے ساتھ

فرات کے گھاٹ پر قبضہ کرلو اور عراقیوں تک پانی پہنچنے کا راستہ قطعی بند کردو۔

مالک اشتر بھی جب صفین تک پہنچ گئے تو شامیوں کا کثیر لشکر پایا۔ پانی پر شامیوں نے قبضہ کرلیا تھا اور مالک کے لئے پانی کی فی الحال کوئی سبیل نہ تھی۔ مالک نے کچھ دور پر پڑاؤ ڈال لیا۔ پانی پر شامی قبضے کے سبب بڑی تکلیف دہ پوزیشن تھی۔ لیکن مالک نے اپنے لشکر کو حضرت علیؑ کی آمد تک اس معاملہ کو ملتوی کرنے کا فیصلہ سنایا۔

دوسرے دن حضرت علیؑ بھی اپنا لشکر لے کر صفین پہنچ گئے۔ پانی کی بندش کا حال معلوم ہوا تو آپ نے پہلے تو کوشش کی کہ کوئی دوسرا گھاٹ تلاش کرلیا جائے تاکہ محض اس بات پر ٹکراؤ نہ ہو۔ مگر دوسرا گھاٹ اتنی دور تھا کہ وہاں سے پورے لشکر کے لئے پانی کی سپلائی ممکن نہ تھی۔ پھر راستے میں خاردار جھاڑیاں اور ایسا دلدل تھا جس سے راستہ بہت سخت اور مشکل تھا مجبوراً حضرتؑ نے معاویہ کے پاس صعصعہ بن صوحان کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ ہمارے تمہارے درمیان جو نزاع ہے اسی پر ہم مرکوز رہیں، پانی پر بندش کسی صورت مناسب نہیں۔ لہٰذا بہتر ہے کہ ہمارے سپاہیوں کے لئے بھی پانی کا راستہ چھوڑ دو۔ معاویہ کے مشیروں میں سے ولید بن عقبہ نے کہا کہ ان لوگوں ہی نے تو خلیفہ عثمان پر پانی بند کیا تھا، ان پر پانی بند رہنے دو۔ عبداللہ بن سراح نے بھی اسی طرح کا کچھ مشورہ دیا۔ حالانکہ عمرو عاص کا مشورہ تھا کہ گھاٹ پر سے پہرہ اٹھالینا چاہیے، کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ علیؑ کا لشکر گھاٹ کے کنارے پیاسا رہے۔ وہ ہم سے گھاٹ خالی کرالیں گے۔ معاویہ نے عمرو عاص کے مشورہ کو نظر انداز کرکے ولید، عبداللہ بن سراح اور دوسرے ایسے ہی مشیروں کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے کہا کہ

''خدا کی قسم انھیں پانی نہیں دیا جائے گا یہاں تک کہ پیاسے مرجائیں جس طرح عثمان پیاسے دنیا سے رخصت ہوئے۔'' (مروج الذہب، جلد ۲)

قاصد کو یہ پیغام بھیج دیا کہ گھاٹ پر سے پہرہ نہیں اٹھایا جائے گا اور پانی بند رہے گا۔ یہ فیصلہ اتنا نفرت سے لبریز اور انسانی حقوق کے خلاف تھا کہ خود شامی سپاہیوں میں سے بھی اس کی مخالفت کی گئی۔ ان میں سب سے زیادہ اس فیصلے پر معری ابن اقبل ہمدانی نے مخالفت کی۔ اس کی شدت سے ناراض معاویہ نے سخت سرزنش کی اور عمرو عاص نے بھی سخت ترین الفاظ کہے۔ آخر کار اس وقت تو معری بظاہر نارمل ہوگیا، مگر موقع دیکھ کر رات کے اندھیرے میں نکل کر حضرت علیؑ کے لشکر میں آملا۔

کافی جدوجہد کے بعد بھی جب معاویہ فرات سے پہرہ اٹھانے کو تیار نہ ہوا توحضرتؑ کے لشکر کا ضبط بھی جانے لگا۔ انھوں نے حضرت علیؑ سے درخواست کی کہ ہم لوگ ۲۴ رگھنٹہ گزر جانے کے بعد بھی پیاسے ہیں۔ آخر کب تک خاموش بیٹھے رہیں۔ اب اتمامِ حجت ہو چکا تھا، لہٰذا حضرتؑ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے، اب پانی کو قوتِ بازو سے حاصل کرو۔ چنانچہ اجازت ملتے ہی مالک نے حارث بن حمام نخعی کو اور اشعث نے معاویہ ابن حارث کو علم تھما دیئے۔ یہ لشکر پوری شان سے شامی لشکر کی طرف چلا۔ گھاٹ پر پہنچ کر ایک مرتبہ پھر گھاٹ خالی کرنے کیلئے کہا گیا، لیکن ادھر سے جواب ملا کہ فرات کا پانی اور ہماری تلواریں تمہارے خون سے آلودہ ہونے کو بیتاب ہیں۔ ہم یوں گھاٹ سے ہٹنے والے نہیں۔ بس پھر کیا تھا۔ عراقیوں نے زبردست حملہ کیا۔ گھاٹ سے صالح ابن فیروز آگے بڑھا مگر مالک اشتر نے اس کے سینہ میں اس زور سے نیزہ اتارا کہ زمین پر گر پڑا اور ختم ہوا۔ اس کے بعد لگاتار شامی لشکر سے بڑے بڑے زور آزما آئے اور لگاتار مارے گئے۔ مالک ابن ادھم، ریاح ابن عتیک، ابراہیم ابن وضاح حجمی، زامل ابن عبید خزاعی، اجلح ابن منصور کندی اور محمد ابن روضہ حجمی، سب کے سب مالک اشتر کا نشانہ بنے۔ لگاتار ان نامدار لوگوں کے مارے جانے سے شامی لشکر کا حوصلہ پست ہونے لگا اور کوئی مقابلہ کے لئے آگے نہ آیا تو عراقیوں نے مل کر حملہ بول دیا۔ اس افتاد سے شامی بھاگ کھڑے ہوئے اور گھاٹ علیؑ والوں کے قبضے میں آگیا۔

یہ ایک بڑی فتح تھی۔

اسلامی نقطۂ نظر سے یہ کتنی ہی گری ہوئی بات سہی کہ کسی پر پانی بند کردیا جائے مگر جنگی نقطۂ نظر سے یہ بہت کارگر حربہ تھا۔ ظاہر ہے پانی کے بغیر لڑنے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ اگر گھاٹ عراقی لشکر کے قبضے میں نہ آتا تو جنگ کے بغیر ہی معاویہ میدان فتح کر لیتے اور یہی پالیسی انھوں نے اپنائی بھی تھی، مگر گھاٹ عراقیوں کے قبضے میں جانے سے انھیں یہ تشویش لاحق ہوئی کہ پانسہ پلٹ چکا ہے اور اگر علیؑ نے بھی وہی جوابی کارروائی کی تو عجیب وغریب صورت پیش آئے گی۔ انھوں نے عمرو عاص سے اس کا ذکر کیا۔ عمرو عاص نے خیال ظاہر کیا کہ مجھے نہیں لگتا کہ علیؑ بھی تمھارے ساتھ وہی سلوک کریں، کیونکہ انکے نزدیک پانی پر جنگ موضوع نہیں ہے۔ چنانچہ عمرو عاص کے ہمت دلانے سے امیر معاویہ نے حضرتؑ کے پاس آدمیوں کا ایک وفد بھیجا کہ ہمارا لشکر پیاسا ہے۔ ہمیں پانی تک پہنچنے دیا جائے۔ حضرت علیؑ کے لشکر میں پانی بند کیے جانے پر غصہ تو تھا ہی، ان کی مرضی ہوئی کہ ان کو پانی کی اجازت نہ دی جائے۔ حضرت علیؑ کے کانوں تک یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا:

''تمھیں یہ کب زیب دیتا ہے کہ اپنے جیسے انسانوں پر پانی بند کردو، جبکہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتِ عام ہے۔''

اس کے ساتھ ہی معاویہ کے قاصد سے کہہ دیا کہ:

''دریا اور چشمے خدا کی رحمت ہیں، جن سے دوست اور دشمن سب کو سیراب ہونا چاہیے۔ میں ہرگز تمھارے ساتھ وہ سلوک نہیں کروں گا جیسا کہ تم نے ابھی ہمارے ساتھ کیا ہے۔'' (روضۃ الصفاء۔ جلد ۲)

معاویہ کی دوسری چال

فرات کا گھاٹ حضرت علیؑ کے قبضے میں تھا۔ شامی افراط سے پانی حاصل کر

رہے تھے۔ ابھی اگلی پالیسی پر غور وفکر ہو رہا تھا کہ اچانک گھاٹ کے قریب ایک تیر آکر گرا۔ اس میں ایک کاغذ پر تحریر تھا کہ میں تمھارا ہمدرد اور علیؓ کا خیر خواہ ہوں، معاویہ کا منصوبہ یہ ہے کہ وہ فرات کا پانی تمھاری طرف کاٹ دے اور گھاٹ سے لشکر بہہ جائے۔ یہ تیر جس کوفی سپاہی کو ملا، اس نے اپنے ساتھیوں کو یہ خبر سنائی۔ ان لوگوں نے اگلوں کو اور ان لوگوں نے اور اگلے لوگوں کو پورے لشکر میں یہ خبر پہنچی تو پھر حضرت امیرؓ تک بھی یہ بات آئی۔ اسی اثناء میں معاویہ نے کدالیں اور پھاوڑے دے کر بہت سے لوگوں کو بھیج دیا کہ وہ خوب شور مچا مچا کر یہ ظاہر کریں کہ وہ فرات کاٹ رہے ہیں۔ چنانچہ ادھر تو سارے لشکر میں یہ خبر پہنچی کہ معاویہ لشکرِ عراق کو بہانے کی فکر میں ہے، ادھر پھاوڑے اور کدالیں چلنے کی آوازیں آنے لگیں۔ حضرت کے لشکر میں بے چینی پیدا ہوگئی اور ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ حضرت نے فرمایا کہ اس مقام سے ہٹنے کی ضرورت نہیں، یہ محض معاویہ کی چال ہے۔ مگر ادھر ایسی افراتفری پیدا ہوئی کہ سارا نظام الٹنے لگا۔ حضرتؓ کے اطمینان دلانے پر کچھ لوگ تو مطمئن ہوئے مگر اکثر نے کہا کہ بند کٹتے ہی پورا لشکر بہہ جائے گا۔ ہمیں جلد از جلد یہ جگہ چھوڑنی چاہیے۔ حضرت اصرار کے ساتھ بتاتے رہے کہ یہ محض فرات کے قریب سے جگہ خالی کرانے کی سازش ہے۔ بھلا معاویہ کے امکان میں کہاں ہے کہ فرات کا رخ موڑ دے۔ مگر بدقسمت لشکر جگہ چھوڑنے لگا اور چند کی دیکھا دیکھی دوسروں نے بھی سامان سمیٹا، خیمے ہٹائے اور اُدھر سے ہٹنے لگے۔ آخر کار ایک کے بعد ایک سارے دستے کے لوگ میدان چھوڑ کر الگ جگہ پہنچ گئے۔ معاویہ نے میدان خالی ہوتے ہی اپنے سپاہی میدان میں اتار دیئے۔ اب عراقی لشکر کی سمجھ میں آیا کہ یہ تو واقعی معاویہ کی جگہ ہتھیانے کی ایک چال تھی اور کچھ نہ تھا۔ اب یہ بہت پچھتائے۔ پلٹ کر حضرت علیؓ کی خدمت میں آئے اور اپنی پشیمانی کا اظہار کیا اور اجازت چاہی کہ لڑ کر پھر وہ جگہ حاصل کریں۔ حضرت نے فرمایا کہ ہم جب کوئی بات بتاتے ہیں تو وہ غور وفکر کے بعد ہی بتاتے ہیں اور سمجھ کر بتاتے ہیں۔ الغرض

اشعث ابن قیس اور مالک اشتر کے دستوں نے مل کر زبردست حملہ کیا۔ شامی اس حملے کو برداشت نہ کر سکے اور بھاگ گئے۔

عراقی فوجیوں کے حوصلے بلند تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ لگاتار حملے ہوں اور دشمن کو اس کے انجام تک پہنچائیں، مگر حضرت امیرؑ کی طرف سے مسلسل خاموشی تھی۔ دراصل آپ کو اس بات کا اچھی طرح احساس تھا کہ اس جنگ کے نتائج کس قدر تباہ کن ہو سکتے ہیں اور مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ایک دوسرے کی تلواروں کی بھینٹ چڑھ جائے گی۔ اسی لئے آپ کی دلی خواہش تھی کہ کسی بھی صورت یہ مصیبت مسلمانوں کے سر سے ٹل جائے۔ لہٰذا آپ کی خواہش تھی کہ کچھ ایسے حالات پیدا ہوں کہ جنگ کے خونیں بادل اتر جائیں اور مسلمان غارت گری سے محفوظ رہیں۔ لہٰذا آپ کا سکوت اس لئے تھا کہ شاید کوئی صورت جنگ شروع ہونے سے پہلے نکل آئے۔

آخرکار ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہو گیا۔ حضرتؑ نے اس خیال سے کہ شاید اتنے دن گزرنے پر کچھ معاملہ حل ہو، ورنہ بہرحال اتمامِ حجت تو ہو ہی جائے۔ تین لوگوں کا ایک وفد تیار کیا، جس میں بشیر ابن عمرو، سعید ابن قیس ہمدانی اور شیث ابن ربعی تمیمی شامل تھے، معاویہ کے پاس روانہ کیا ان لوگوں نے دنیا کی بے ثباتی، آخرت کا خوف، اللہ کے سامنے حاضری جیسے عقائد اور تقریروں سے معاویہ کی اصلاح کرنا چاہی، مگر وہاں تو آخرت پر شام کی حکمرانی اور خلافت کے خواب غالب تھے۔ سب کی کوششوں سے جھنجلا کر آخر معاویہ بولے:

> ''کیا ہم ابن عفان کا قصاص چھوڑ دیں؟ خدا کی قسم یہ کبھی نہ ہوگا''۔۔
> ۔۔۔۔۔تم میرے پاس سے چلے جاؤ۔ اب ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔'' (تاریخ کامل ابن اثیر، جلد ۳)

معاویہ کی طرف سے تو دوٹوک بات ہو چکی تھی۔ جنگ کا دروازہ انھوں نے ہی کھولا تھا اور وہ پورے پانوں کے ساتھ اسے کھولے ہوئے تھے۔ اسی درمیان کچھ

حافظانِ قرآن اور قاریانِ قرآن نے معاویہ کے پاس آمد و رفت کی۔ معاویہ کی باتیں انھوں نے علیؑ تک اور علیؑ کی باتیں انھوں نے معاویہ تک پہنچائیں۔ مگر سب بے سود رہا۔ آخر کار دو مشہور لوگ ابو درداء اور ابو امامہ باہلی بھی معاویہ کے پاس آئے اور کہا کہ تم آخر کیوں اس فتنے کو بوئے ہوئے ہو۔ معاویہ نے کہا مجھے قصاص خونِ عثمان چاہیے۔ انھوں نے کہا کہ علیؑ نے کب عثمان کو قتل کیا ہے؟ کہا علیؑ نے ان سب کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہے۔ وہ قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دیں، ہم بیعت کو تیار ہیں۔ یہ دونوں بزرگوار معاویہ کے حیلوں سے بے خبر تھے۔ انھوں نے امیر المومنین کو یہ پیغام کہہ سنایا۔ حضرت علیؑ نے ان کو ساتھ لیا اور اپنے لشکر میں آئے اور آواز دی تم میں کون کون قاتلِ عثمان ہے؟ بیس ہزار آدمیوں نے اپنی تلواریں بلند کر کے کہا کہ ہم قاتلانِ عثمان ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر ان کی سمجھ میں آ گیا کہ معاویہ جان بوجھ کر ایک ایسی چیز کا مطالبہ کر رہے ہیں جو عملاً علیؑ یا کسی اور کے لئے بھی ممکن نہیں ہے۔ اس کے بعد انھوں نے فریقین سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور صفین میں کسی طرف بھی شریک نہیں ہوئے۔

(روضۃ الصفاء، جلد ۲)

غرض یہ کہ صلح کی ساری کوششیں ناکام ہوئیں اور جنگ پوری عریانیت کے ساتھ رقص کرتی ہوئی آن پہنچی۔ مڈبھیڑ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ شامی لشکر سے عبدالرحمٰن ابن خالد بن ولید، ابوالاعور سلمی، عبیداللہ ابن عمر، ذوالکلاع حمیری، حبیب ابن مسلمہ، شرجیل ابن سمط کندی، حمزہ ابن مالک وغیرہ اپنا اپنا دستہ لے کر میدان میں اترتے، اور ادھر سے مالک اشتر، حجر بن عدی، شیث بن ربعی، خالد ابن۔۔۔، زیاد ابن نضر حارثی، زیاد ابن خصفہ تیمی، سعید ابن قیس ہمدانی، معقل ابن قیس اور قیس ابن سعد انصاری وغیرہ اپنے دستے لے کر نکلتے رہے۔ لیکن ابھی کوئی ایسا بڑا معرکہ نہیں ہوا اور ذی الحجہ اسی طرح جھڑپوں میں گزر گیا۔ محرم آ گیا تو حضرت نے جنگ ملتوی کرنے کا حکم دیا تاکہ اس محترم مہینہ کا احترام باقی رہے اور اس مدتِ التواء میں آپ نے کوشش

فرمائی کہ پھر کوئی صورت ایسی نکل آئے کہ جنگ کے سیاہ اور خون سے لبریز بادل امت کے افق سے اتر جائیں۔ چنانچہ آپ نے ایک مرتبہ پھر جلیل القدر لوگوں کا وفد جس میں عدی بن حاتم، یزید ابن قیس اور شیث ابن ربعی و زیاد ابن خصفیہ شامل تھے، معاویہ کو سمجھانے کے لئے بھیجا۔ یہ لوگ اُدھر پہنچے اور عدی بن حاتم نے گفتگو شروع کی۔ بولے:

''تم علیؑ کی فضیلت سے خوب اچھی طرح واقف ہو۔ انھوں نے سب سے پہلے رسولؐ کی تصدیق کی۔ ان کا ہر طرح ساتھ دیا۔ اسلامی خدمات میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔ تمھارے علاوہ تمام لوگوں نے، جن میں مہاجرین و انصار سب ہی شامل ہیں، ان کو خلیفہ تسلیم کیا ہے۔ تمھارے انحراف سے امت کا شیرازہ بکھر رہا ہے۔ تمھیں چاہیے کہ تم اپنی اس ضد کو چھوڑ دو۔ مسلمانوں کے درمیان خونریزی اور فسادات کی تاریخ رقم نہ ہونے دو۔ علیؑ کی تلوار کی مار سے تم ناواقف نہیں، جمل والوں کا حال تمھارے سامنے ہے۔''

معاویہ کے سامنے سب کچھ تھا، لیکن ان کی پریشانی یہ تھی کہ جنگ رکتی ہے تو ان کا تاج جاتا ہے، پھر اُن کے پاس رہ کیا گیا۔ بیعت کے بعد قصاصِ خونِ عثمان پیش کرنے کا فائدہ ہی کیا؟ لہٰذا امیر معاویہ کے سامنے بس اکلوتا ہی راستہ بچتا تھا؛ خون عثمان کے قصاص کی رٹ اور علیؑ سے جنگ، بس!۔۔۔۔ اس کے علاوہ اپنی حکومت بچائے رکھنے کا کوئی دوسرا راستہ نہ تھا۔ چنانچہ انھوں نے عدی ابن حاتم کو جواب دیا:

''تم لوگ عثمان کے خلاف لوگوں کو بھڑکانے والوں میں ہو۔ تمھارے ہی اشاروں پر عثمان قتل ہوئے۔ تم ان کے قاتلوں کے زمرے میں ہو۔ میں حرب کا بیٹا ہوں، مرعوب نہیں ہوتا دھمکانے سے۔''

شیث بن ربعی نے کہا

''یہ باتیں فائدہ پہنچانے والی نہیں، کوئی ایسا کام کرو کہ ہماری دوری قربت میں بدلے۔''

یزید ابن قیس نے کہا کہ

''ہم نے امیر المومنین کا پیغام تم تک پہنچا دیا اور تم جو کہو گے، وہ ان تک پہنچا دیں گے۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ فضل وشرف میں تمھارا اور علی کا کوئی مقابلہ نہیں۔ تم خدا سے ڈرو اور قوم پر جنگ نہ تھوپو، جماعت میں تفرقہ نہ ڈالو۔''

معاویہ نے کہا

''تم مجھے جماعت کی طرف بلاتے ہو، حالانکہ جانتے ہو کہ جماعت میرے ساتھ ہے۔ علیؑ کے ساتھ تو عثمان کے قاتل ہیں اور علی نے ان کو پناہ دی ہے۔ وہ ہمیں قاتلان عثمان کو دے دیں تا کہ ہم انھیں قصاصاً قتل کر دیں۔''

ابنِ ربعی نے کہا کہ معاویہ اگر عمارِ یاسر تمھارے ہاتھ میں دے دئے جائیں تو کیا تم ان کو قتل کر سکو گے؟ یہ بڑا سخت سوال تھا جو ابن ربعی نے بڑے اعتماد سے کیا تھا، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ معاویہ ان کی جلیل القدری سے ناواقف نہیں ہیں۔ اس سوال کے جواب میں معاویہ نے بڑے اعتماد سے کہا کہ:

''مجھے ان کے قتل سے کون سی چیز باز رکھ سکتی ہے۔ عثمان تو خیر خلیفۂ مظلوم تھے، میں تو ان کے آزاد کردہ غلام نائل کے بدلے میں قتل کر سکتا ہوں۔''

ظاہر ہے کہ اس جواب نے معاویہ کا مافی الضمیر بالکل صاف کر دیا کہ انھیں صرف ایک ہی چیز منظور ہے۔ جنگ اور صرف جنگ!

شیث اور دیگر لوگ مایوس ہو کر یہ کہتے ہوئے کھڑے ہو گئے کہ:

''تمھاری اڑان کچھ زیادہ ہی بلند ہونے لگی ہے۔ جس چیز کو تم چھو بھی نہیں سکتے اس کو پکڑنے کی کوشش کر رہے ہو۔ یاد رکھو! میدان لاشوں سے پٹ جائے اور کٹے ہوئے سروں کے ڈھیر لگ جائیں، تب سے پہلے عمار پر قابو پانا تمھارے لئے ممکن نہیں۔''

یہ چاروں مایوس ہو کر واپس چلے آئے۔ کچھ ہی دور گئے تھے کہ معاویہ نے ایک آدمی بھیج کر زیاد ابنِ خصفہ کو طلب کیا۔ یہ واپس آئے تو معاویہ نے انھیں بڑی عزت و احترام سے بٹھایا اور پھر اپنے دل کی بات کہی۔ کہا:

''تم اچھی طرح جانتے ہو کہ علی نے عثمان کو قتل کرایا ہے۔ قاتلانِ عثمان سب ان کی پناہ میں ہیں۔ خلیفہ مظلوم قتل ہوئے۔ میں ان کا قصاص لینے اٹھا ہوں۔ تمھیں چاہیے کہ میرا ہاتھ بٹاؤ۔ اگر تم یہ منظور کرتے ہو تو با خدا میں تم کو اس مہم کے بعد کوفہ یا بصرہ میں سے جہاں کی حکمرانی پسند کروگے، دوں گا۔''

معاویہ زیاد کی حیثیت سے واقف تھے۔ وہ بڑے قبیلے کے سردار تھے۔ ان کی شرکت سے علی کمزور ہوتے اور معاویہ کو ایک طاقتور سردار اور مضبوط قبیلہ کا سہارا ملتا۔ انھیں اپنی پیش کش پر پوری امید تھی کہ زیاد ان کے سودے کو نامنظور نہیں کریں گے۔ اسی لئے اپنی بات ختم کر کے تجسس بھری نظروں سے زیاد کی طرف دیکھا۔ زیاد نے پوری بات سنی، پھر یوں بولے:

''مجھے پوری طرح اپنے رب کی طرف سے اپنے قدم پر بھروسہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ میں کبھی مجرموں کا ساتھی بننا گوارہ نہیں کر سکتا۔''

(تاریخ کامل، جلد ۳)

زیادتو پیش کش ٹھکرا کے چلے آئے۔معاویہ نے عمرو عاص سے کہا

''یہ سب ایک جیسے ہیں۔ان سب کے دل کی دھڑکنیں، ان کے خیالات
اوران کی زبان اورلبوں کی جنبش ایک طرح کی ہے۔''

معاویہ کا یہ خیال درست نہ تھا۔آئندہ کوششوں میں ان کو خاطر خواہ کامیابی ملی اور بعد کو ان پر خوب ظاہر ہوگیا کہ علی کے لشکر میں سب زیاد بن حصفہ جیسے ۲۴ر کیرٹ کے کھرے لوگ نہیں ہیں۔ایسے ہی لوگوں کے سبب حضرت نے پھر وہ پیش گوئی فرمائی جس پر ہم بات کررہے ہیں۔

حضرت علیؓ کی طرف سے بار بار سفارت بھیجے جانے سے معاویہ کے لشکر میں بھی کچھ ایسا تاثر پایا جانے لگا کہ جیسے معاویہ جنگ پر بضد ہوں اور صلح کی کوشش صرف علی ہی کی طرف سے ہورہی ہے۔حالانکہ شامی جانتے تھے کہ میدان کے معاملے میں علیؓ کا لشکر بہر حال کمزور نہیں ہے۔اس تاثر کو ختم کرنے کیلئے معاویہ نے بھی حبیب ابن مسلمہ فہری، شرجیل ابن سمط کندی اور معن ابن یزید کی ایک سفارت حضرت علیؓ کے پاس بھیجی۔ابن مسلمہ نے کہا

''خلیفہ عثمان کو باوجود ان کے زہد وتقویٰ کے لوگوں نے گھیر کر قتل کرڈالا۔ان کی کوئی خطا نہ تھی۔آپ نے ان کو اپنی پناہ میں رکھا ہے۔ انھیں ہمارے حوالے کردیں تا کہ وہ قتل کر دیئے جائیں اور قصاص کا قصہ پورا ہو۔اس کے بعد خلافت کا معاملہ شوریٰ پر چھوڑ دیا جائے تا کہ امت جس کو چاہے خلیفہ بنالے۔''

اس سے پہلے جو معاویہ کی طرف سے گفتگو ہوتی تھی، اس میں فقط یہ بات کہی جاتی تھی کہ قاتلانِ عثمان کو ہمارے حوالے کر دیا جائے۔خلافت سے دست برداری کا معاملہ تو خود معاویہ نے کبھی نہیں اٹھایا تھا۔کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس بات کو چھیڑنے سے ان کی اصلیت بھی اجاگر ہوسکتی ہے، بلکہ انھوں نے تو یہی اظہار کیا تھا

کہ ہمیں قاتلانِ عثمان دے دیئے جائیں، پھر ہم بیعت کو تیار ہیں۔ مگر اب پہلی مرتبہ حبیب نے جب یہ معاملہ اٹھایا تو آپؑ نے فرمایا:

''تجھے خلافت سے دست برداری کا مطالبہ کرنے کا کیا حق ہے؟ تو اس معاملے میں دخل دینے کا ہی حقدار نہیں۔'' (طبری، جلد ۴)

حبیب گستاخی کرتا ہوا کھڑا ہوگیا اور اٹھ کر چلا گیا۔ اس کے ساتھی شرجیل نے جو یہ صورت حال دیکھی تو اس نے کہا ''میں بھی وہی سب کہتا ہوں جو میرے ساتھی نے کہا، کیا میرے لئے بھی وہی جواب ہے؟'' حضرتؑ نے فرمایا وہ جس گفتگو کا اہل تھا اس سے وہی گفتگو کی گئی، تمھارے لئے جواب جداگانہ ہوسکتا ہے۔ (اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گفتگو میں یہ ادب ملحوظ رکھنا چاہیے کہ جو جس حیثیت کا آدمی ہے اس سے اسی وزن سے بات کی جائے۔)

حضرت علیؑ شرجیل کے حالات اور حیثیت سے واقف تھے۔ آپ کے علم میں تھا کہ اُسے معاویہ نے اپنی سازش کے جال میں پھنسایا ہے۔ اس لئے آپ نے اس سے تفصیلی گفتگو کی۔ آغازِ اسلام سے پیغمبر اسلام کی وفات، دونوں ادوار اور حالات کا ذکر کرکے آپ نے فرمایا کہ جب عثمان خلیفہ ہوئے تو انھوں نے اقربا پروری کی، بیت المال میں امتیازی سلوک کیا، بنی امیہ کو حد سے زیادہ تقویت دی، رسولؐ کے راندۂ درگاہ لوگوں کو مدینہ واپس بلایا، مردان شری کو اپنا داماد بنا کر اسلامی حکومت کا قلمدان اس کے سپرد کردیا، وغیرہ وغیرہ۔ تمام عثمان کی کارستانیوں کا تذکرہ کیا۔ پھر فرمایا کہ لوگوں نے ان کے تمام افعال کو برا جانا، ان سے ناراضگی کا اظہار کیا، مگر ان پر جب کوئی اثر نہ ہوا تو آخر کار لوگوں نے ہجوم کیا اور وہ خلافت سے دست برداری کو جب تیار نہ ہوئے تو انھیں قتل کردیا۔ پھر لوگوں نے مجھ سے بیعت کے لئے اصرار کیا۔ میں نے انکار کیا، مگر اصرار اس حد تک بڑھا کہ مجھے مجبور ہوکر بیعت لینا پڑی، تاکہ امت کا شیرازہ نہ بکھرے اور کوئی نیا فتنہ نہ کھڑا ہو۔ پھر ان بیعت کرنے والوں میں سے دو، طلحہ

اور زبیر نے نکثِ بیعت کی، کیونکہ ان کو میں نے حکومت کے انتظام میں کوئی حصہ نہ دیا اور یہ ان کی امیدوں کے خلاف تھا۔ انھوں نے بغاوت کی اور مجھ سے جنگ لڑی۔ پھر معاویہ، جس نے اور جس کے باپ نے پوری زندگی اسلام اور رسولِ اسلامؐ کی دشمنی میں گزاری اور فتحِ مکہ میں بس صرف سر بچائے رکھنے کے لئے زبان پر کلمہ جاری کیا، وہ میرے مقابلے پر آیا۔ تم پر تعجب کہ تم مناقب و مقاماتِ اہلبیتؑ رسول کے جاننے کے باوجود بھی اس سے ہم آہنگ ہو۔ حالانکہ تمھارے لئے یہی مناسب تھا کہ تم حق کی پیروی کرتے اور رسولؐ کی آل کا ساتھ دیتے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمھیں دعوت دوں، تم باطل کے خلاف صف آرا ہو جاؤ اور ہمارا ساتھ دو۔

شرجیل حضرت علیؑ کے مقام و منزلت سے ناواقف نہ تھا، مگر بدقسمتی اور بربادی اس کا مقدر بنی ہوئی تھی۔ امیر معاویہ نے جن تدبیروں سے عثمان کی (نام نہاد) مظلومانہ موت کے تذکرے اور کہانیاں اس کی رگ و پے میں تیرادی تھیں، وہ اس کے وجود کا ایک حصہ بن چکی تھیں۔ اس نے غور سے حضرت علیؑ کی بات سنی، پھر بولا ''آپ بس اتنا بتائیے کہ عثمان کی موت مظلومانہ موت تھی یا نہیں۔'' حضرت علیؑ ابھی تو اس کو عثمان کی تمام غلطیاں اور اس کے نتیجے میں ان کے قتل کا ذکر کر چکے تھے، اس کے بعد شرجیل کا یہ سوال اٹھانا سوائے ہٹ دھرمی کے کچھ نہ تھا۔ حضرت علیؑ نے پھر بھی تحمل سے کام لیتے ہوئے فرمایا ''میں نہ تو ان کو مظلوم کہتا ہوں اور نہ ان کو ظالم۔'' شرجیل اور اس کا دوسرا ساتھی معن ابن یزید اسلمی اتنا سنتے ہی کھڑے ہوئے اور بولے ''جو عثمان کو مظلوم نہیں مانتے، ان سے ہمارا کوئی تعلق اور معاملہ نہیں۔'' اس طرح یہ سفارت جو محض دکھاوے کے لئے معاویہ کی طرف سے آئی تھی، ناکام ہو گئی۔

محرّم کا مہینہ ناکام سفارتوں میں گزر گیا اور صفر کا آغاز ہو گیا۔ ابھی صفر کا چاند نمودار ہی ہوا تھا کہ حضرت علیؑ نے مرشد ابن حارث جبشی کو شامی سپاہ کی طرف بھیجا تاکہ وہ دشمن کو آگاہ کر دیں۔ حارث اُدھر پہنچے اور حضرت علیؑ کا پیغام ان الفاظ میں

پہنچایا:

''امیر المومنین فرماتے ہیں کہ تمھیں خوب مہلت دے لی، حق کو پرکھنے کے لئے۔ اللہ کی کتاب کے ذریعہ تم پر حجت تمام کردی، مگر تم نے ہر آواز پر غفلت برتی اور سرکشی کا رخ اختیار کیا۔ بس اب بات چیت کی گنجائش تمام ہوئی۔ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کا دوست نہیں۔''

(طبری، جلد ۴)

اس اعلان کے بعد جنگی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ حضرت علیؑ نے اور معاویہ نے اپنے لشکر اس طرح ترتیب دیئے:

حضرت علیؑ کا لشکر

(۱) علمدار لشکر۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہاشم بن عتبہ مرقال

(۲) میمنہ اشعث ابن قیس

(میمنہ کے پیادوں پر سلیمان ابن صرد خزاعی)

(۳) میسرہ عبداللہ ابن عباس

(میسرہ کے پیادوں پر حارث ابن مرہ۔۔۔۔)

(۴) سواروں کے افسر عمار ابن یاسر

مالک بن اشتر (کوفہ کے سواروں پر)

سہل ابن حنیف (بصرہ کے سواروں پر)

(۵) پیادوں کے افسر عبداللہ ابن بدیل خزاعی

(۶) پیادوں کے سالار قیس ابن سعد

ان کے علاوہ ہر قبیلہ پر اسی قبیلہ کا ایک ایک خصوصی سردار نامزد کیا۔

معاویہ کا لشکر

(۱) علمدار لشکر	عبدالرحمٰن ابن خالد بن ولید
(۲) میمنہ	عبیداللہ ابن عمر
(۳) میسرہ	حبیب ابن مسلمہ فہری
(۴) سواروں کا افسر	عمرو بن عاص
(۵) پیادوں کا افسر	مسلم بن عقبہ مری

ان کے علاوہ معاویہ نے بھی حضرت امیرؑ ہی کی طرز پر ہر قبیلہ اور شہر کی مناسبت سے بھی انھیں میں سے ایک ایک امیر مقرر کیا۔

تعداد لشکر

مسعودی کی تحقیق کے مطابق شامی سپاہیوں کی تعداد ایک لاکھ پچاس ہزار تھی۔ مسعودی نے یہ تعداد صرف سپاہیوں کی لکھی ہے۔ محقق ڈاکٹر صادق حسین صاحب اپنے رسالہ ''جنگ صفین'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہر لڑنے والے سپاہی کے ساتھ اگر فقط ایک ایک خادم ہی سمجھ لیا جائے تو یہ تعداد تین لاکھ سے کم نہیں ہوسکتی۔ جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ لوگ میدان جنگ میں ۵،۵۔۔۔۱۰،۱۰، یا اس سے زیادہ خادم لے کر چلا کرتے تھے۔

اسی طرح عراقی لشکر میں ایک لاکھ بیس ہزار سپاہی تھے۔ خدام کی تعداد ان کے علاوہ تھی۔ لہٰذا اگر اس طرح دونوں لشکروں کی تعداد دیکھی جائے تو ۶-۵ لاکھ کی ایک کثیر تعداد میدانِ صفین میں تھی، جواب سے پہلے کبھی نہیں تھی۔

رات بھر دونوں طرف جنگی تیاریوں میں گزری اور صبح ہوتے ہی دونوں لشکر آمنے سامنے آگئے۔ یہ چہار شنبہ کا دن اور ۳۷ ھجری صفر کی پہلی تاریخ تھی۔ (طبری جلد۶)

حضرت علیؑ کا طریقہ تھا کہ اپنے لشکر کے سامنے معرکہ سے پہلے تقریر فرماتے

تھے۔ ثابت قدمی سے لڑنے کی تلقین فرماتے اور اسلامی جنگی اصولوں کو حملہ سے پہلے بہت ہی واضح انداز میں بیان فرمایا کرتے تھے، تاکہ حملہ کے وقت آپ کا لشکر ان ہدایات کا پابند رہے۔ چنانچہ آپ نے آج بھی اسی طرح رہنمائی فرمائی۔ آپ نے جو ہدایات دیں، کچھ اس طرح تھیں:

(۱) آغازِ جنگ اپنی طرف سے نہ ہو

(۲) جو میدانِ جنگ میں تمہارے سامنے سے ہٹ جائے، ہرگز اس پیٹھ پھرانے والے پر حملہ نہ کرنا۔

(۳) میدانِ جنگ میں جو دشمن کا سپاہی زخمی ہو اور محتاج ہو اس کو مارنا نہیں۔

(۴) عورتوں پر ہاتھ نہ اٹھانا۔

(۵) عورتیں اگر سخت باتیں کہیں تو نظر انداز کرنا اور اس کے انتقام میں انھیں اذیت نہ پہنچانا۔

یہ وہ رہنما اصول ہیں، جو میدانِ جنگ میں بھی حقوق بشری کا تحفظ کرتے ہیں۔

الغرض دونوں لشکر آمنے سامنے آگئے۔ ابتدائی خطبوں اور رجز کے بعد دونوں فریق ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے۔ گھمسان کا رن پڑا۔ عراقی لشکر کی کمان مالک اشتر کر رہے تھے اور شامی لشکر کی حبیب ابن مسلمہ فہری۔ زبردست جنگ کے شعلے بھڑک چکے تھے۔ ہر طرف تلواروں کی چمچماہٹ اور جھنجھناہٹ، گھوڑوں کی ہنہناہٹ، چیخ پکار، کٹے ہوئے سروں کی بارش، لہو کے فوارے۔۔۔۔۔۔۔۔صبح سے جو جنگ شروع ہوئی تو جب تک سورج کی روشنی ختم نہیں ہوگئی، جنگ جاری رہی۔ اندھیرا پھیلنے پر ہی دونوں طرف کے لشکر اپنے اپنے مقام پر واپس آئے۔

دوسرا دن پہلے دن سے زیادہ سخت رہا۔ صبح ہوتے ہی لشکر میدان میں اتر آئے اور بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ آج عراقی لشکر کی کمان ہاشم مرقال کے ہاتھوں میں تھی اور شامی لشکر ابوالاعور اسلمی کے زیر کمان تھا۔ کل ہی کی طرح آج بھی سخت ترین

جنگ ہوئی۔بغیر رکے دونوں لشکر ایک دوسرے پر پر جوش حملے کرتے رہے اور اس وقت تک تلواریں اور نیزے علم رہے جب تک مکمل طور پر میدان تاریک نہیں ہوگیا۔ اس دوسرے دن کی جنگ کا قابلِ ذکر کارنامہ یہ بھی تھا کہ حضرت ابوایوب انصاری آج میدان میں تھے۔ انھوں نے بہت دیر تک مبارز طلبی کی، مگر کوئی مقابلے پر نہیں آیا۔آخر کار انھوں نے حملہ کر دیا۔شامی فوج نے پوری طرح ان کے حملے کو روکا نہیں اور یہ معاویہ کے خیمہ تک حملہ کرتے ہوئے پہنچ گئے۔ اس اچانک اور قطعی طور پر غیر متوقع صورت حال سے امیر معاویہ پر ایسا خوف طاری ہوا کہ وہ خیمے سے فرار ہو کر قلبِ لشکر میں پناہ لینے پہنچے۔ (اعثم کوفی)

حضرت ابوایوب کے علاوہ ایک اور عراقی خالد بن معمر نے بھی ایسا ہی بھر پور حملہ کیا کہ وہ بھی امیر معاویہ کے خیمے تک پہنچ گیا اور خیمہ کا سامان بھی تہ و بالا کر دیا۔ یہ بہادری اور بے مثال کارنامہ جنگی میدانوں میں عموماً دیکھنے کو شاید بہت ہی کم ملتا ہو کیونکہ مخالف لشکر بھی ہاتھ باندھے تو نہیں کھڑا ہوتا ہے۔ باقاعدہ ایک خونریز جنگ لڑ کر اور لشکر کو پیچھے دھکیل کر ہی کوئی اس قدر محفوظ مقام تک پہنچ سکتا ہے۔ خالد بن معمر کے اس غیر معمولی کارنامے سے امیر معاویہ مبہوت ہوئے۔انھوں نے خالد کو یہ پیغام بھیجا کہ تم ہمارے کام آؤ تو تم کو امیر خراسان بنا دیں۔ خالد.... ابوایوب انصاری نہ تھا۔اس پر معاویہ کا جادو چل گیا اور وہ حضرت علیؑ کا فوجی ہو کر معاویہ کا ایجنٹ بن گیا۔ (اعثم کوفی) بعد کے واقعات میں ایسے ہی لوگوں نے جنگ صفین کا نقشہ تبدیل کرا ڈالا.........حضرتؑ نے اس پیشین گوئی میں ایسے ہی بہت سے لوگوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

تیسرے دن شامی لشکر سے عمرو بن عاص بھاری تعداد کے ساتھ نکلا۔ادھر سے سواروں کو زیاد بن نفر لے کر نکلے اور عمار یاسر پیدل دستہ لے کر نکلے۔عمار یاسر انتہائی جوشیلی اور ولولہ انگیز تقاریر کر کے اپنے ساتھیوں کو حملے پر ابھار رہے تھے۔وہ

حضرت علی کے مقام وفضائل کو بیان فرماتے اور معاویہ اور اس کے باپ نے جس طرح اسلام قبول کیا اور پھر مسلمان بننے سے پہلے جو کچھ اسلام کے ساتھ کیا، اس کو بیان فرما فرما کر بتا رہے تھے کہ جو وہ کل کا فرہ کر نہیں کر سکا، آج وہی سب مسلمان بن کر کرنا چاہ رہا ہے۔

زیاد بن نضر کے زبردست حملے اور عمار یاسر کی شدید مار نے شامی لشکر کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا۔ کسی طرح دن کو رات نے اپنی آغوش میں سمایا تو جوانوں کی کمروں پر بندھے ہوئے پٹکے کھلے اور ہاتھوں سے تلواریں آزاد ہوئیں۔

جنگ کا چوتھا دن تھا۔ جتنی جتنی مقتولین کی طرفین میں تعداد بڑھ رہی تھی، اتنا اتنا ہی دونوں طرف جوش بڑھتا جا رہا تھا۔

چوتھے دن عراقی لشکر کو محمد حنفیہ لے کر نکلے اور اُس طرف سے عبیداللہ بن عمر بھاری تعداد کے ساتھ نکلا۔ سارا دن میدان کارزار گرم رہا، مگر کوئی لشکر پیچھے نہیں ہٹ رہا تھا۔ سروں کے انبار میدان میں لگ رہے تھے۔ اور لشکر ایک دوسرے سے بری طرح گتھے ہوئے تھے۔ صبح جو جنگ شروع ہوئی تھی، آج بھی رات تک چلی اور اندھیرا چھانے پر ہی دونوں لشکروں نے ہاتھ روکے۔

پانچویں دن حضرت علی کی طرف سے عبداللہ ابن عباس بھاری بھر کم تعداد کے ساتھ پیادوں اور سواروں کو لے کر نکلے۔ شامیوں کے لشکر کی قیادت آج ولید ابن عقبہ کے ذمہ تھی۔ روز کی طرح آج بھی شدید جنگ ہوئی اور غروب آفتاب سے پہلے ہی آج جنگ موقوف ہوگئی۔ پانچویں دن دورانِ جنگ ایک خاص واقعہ یہ رونما ہوا کہ سمرہ ابن ابرہہ حمیری بہت سارے حافظان وقاریانِ قرآن کے ساتھ معاویہ کا ساتھ چھوڑ کر حضرت علی کے لشکر میں شامل ہوگیا۔ اس واقعے سے پورے شامی لشکر میں مایوسی چھا گئی اور امیر معاویہ کو جب یہ خبر پہنچی تو اپنی بوٹیاں کاٹ کر رہ گئے۔ شامی لشکر کے موقف کے خلاف یہ ایک زبردست چوٹ تھی۔ امیر معاویہ کو یہ ڈر بھی ستانے لگا کہ اس

واقعہ سے کہیں ہمارے لشکر میں مزید ٹوٹ نہ ہو۔ مگر ظاہر ہے اب ہو بھی کیا سکتا تھا۔ اس طرح کے واقعات کی پیش بندی کے لئے معاویہ نے اپنے لشکر میں کچھ مخصوص لوگ مقرر کردیئے جو اس بات پر نگاہ رکھنے لگے کہ اب کسی اور کا ارادہ تو سمرہ بن ابرہہ کی تاریخ دہرانے کا نہیں۔

جنگ اپنی پوری شدت کے ساتھ چھٹے دن میں داخل ہوگئی تو عراقیوں کی طرف سے قیس ابن سعد انصاری اور ان کے مقابلے کے لئے ابن ذی الکلاح شامی لشکر سے آیا۔ ظہر تک خوب شدید جنگ ہوئی اور ظہر کے بعد جنگ کا سلسلہ رک گیا۔ دونوں طرف سے خوب خونریزی ہوئی مگر ظہر کے بعد جنگ آگے نہیں بڑھ سکی۔

ساتویں دن خود مالک اشتر عراقی لشکر سے سامنے آئے اور شامی لشکر سے حبیب ابن مسلمہ نکلا۔ اس دن شامی لشکر کے حجر الشر کندی اور عراقی لشکر کے حجر الخیر حضرت حجر بن عدی، جو ہم نام ہونے کے علاوہ ہم قبیلہ بھی تھے، آمنے سامنے ہوئے۔ آج ہی شامی لشکر کا مشہور سپاہی خزیمہ ابن ثابت اسدی عراقیوں کے ہاتھوں مارا گیا تو عراقی بہادر حکم ابن ازہر نے حجر الشر کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش فرمایا۔ اس کے جواب میں حکم کے عم زاد نے حجر الشر کو اپنی تلوار کی دھار پر لے لیا اور اسے کاٹ ڈالا۔ حضرت علی حکم بن ازہر کی شہادت سے بڑے رنجیدہ تھے۔ جب آپ کو خبر ملی کہ حجر الشر کو حکم کے عم زاد رفاعہ نے ٹھکانے لگا دیا، تو آپ نے فرمایا ''خدا کا شکر ہے کہ حکم کا قاتل مارا گیا۔'' اس کے بعد تلوار زنی نے زور پکڑ لیا اور تلوار کے بڑے بڑے دھنی میدان میں زور آزمانے لگے۔ اس شدید خونریزی میں حضرتؑ نے اس خیال سے کہ اس وقت بھی شاید کوئی اس گرمیٔ کارزار کو دیکھ کر ہدایت پا جائے، آپ نے فرمایا ''کوئی ہے جو اُن کی طرف قرآن لے کر جائے؟'' ایک نوجوان آگے بڑھا اور اس نے کہا کہ میں یہ حق ادا کروں گا۔۔۔۔۔۔۔ چلتی ہوئی تلواروں اور برستے ہوئے تیروں میں یہ کام بڑی ہی مصیبت کا تھا۔ مگر اس پُرجوش نوجوان نے کہا کہ میں

یہ کام کروں گا۔ حضرت علی نے اس کو پیار سے دیکھا اور فرمایا کہ ''اس میں تمھیں اپنی جان کا نذرانہ بھی دینا پڑ سکتا ہے۔'' اس نے کہا ''مجھے پرواہ نہیں۔ جب میں حق پر مارا جاؤں اور آپ کی حمایت میرے شاملِ حال ہو۔ حضرتؑ نے اسے قرآن ہاتھوں میں دے کر روانہ کیا۔۔۔۔۔۔ وہ چلا تو تیزی اور جوش کے ساتھ آگے بڑھا۔ حضرت نے اسے واپس بلا کر کہا کہ ''سنو! تم سپاہی کی حیثیت سے نہیں، مبلّغ کی حیثیت سے بھیجے جا رہے ہو۔۔۔۔ تمھارا انداز سپاہیوں والا ہے۔۔۔۔ آہستہ آہستہ متانت کے ساتھ بڑھو اور نرم لہجے سے قرآن کی تبلیغ کرو۔'' چنانچہ وہ ہدایات پر عمل کرتا ہوا آگے بڑھا۔ یہاں یہ قابلِ ذکر ہے کہ حضرت علیؑ نے مبلغ کے لئے حلیم ہونے کی شرط عائد کی ہے۔۔۔۔۔۔ آج کے مبلغین کے بے اثر ہونے کی بہت بڑی وجہ یہی ہے کہ ان کی زبان سے نرم گفتاری اور مزاج سے حلم اٹھ چکا ہے۔ الغرض وہ میدان کی طرف چلا۔ لشکرِ شام کے قریب پہنچ کر اس نے قرآن اپنے داہنے ہاتھ میں بلند کیا اور زور سے آواز دی ''ایہا الناس! امیر المومنین تم کو قرآن کی طرف بلاتے ہیں۔'' اس کی اس اپیل کے جواب میں ایک شامی نے تلوار اس کے دائیں ہاتھ پر ماری جس سے شانہ قطع ہو گیا۔ مگر اس حوصلے کے دھنی نوجوان نے قرآن زمین پر جانے سے پہلے اپنے بائیں ہاتھ میں قرآن پکڑ کر آواز دی ''ایہا الناس۔۔۔ قرآن کی بات سنو! امیر المومنین تم کو قرآن کی طرف بلاتے ہیں۔'' دوسرے شامی نے اس کے دوسرے ہاتھ پر تلوار چلا دی اور یہ ہاتھ بھی قطع ہو گیا تو اس باہمت نوجوان نے قرآن اپنے کٹے ہاتھوں سے تھام کر اپنے منہ میں دبالیا کہ بے حرمتی نہ ہو۔ اسی اثنا میں شامی اس پر ٹوٹ پڑے اور اس کے سر پر ضرب ماری جس سے وہ شہید ہو گیا، مگر اپنی زندگی میں اس نے قرآن ٹھنڈا نہیں ہونے دیا۔ بالکل ایسا ہی واقعہ جنگ جمل میں بھی ہوا تھا کہ جس میں مسلم مجاشعی اسی طرز پر شہید کئے گئے تھے۔ مؤرخین نے اس نوجوان کا نام بھی مسلم ہی بتایا ہے۔

قرآن ٹھنڈا ہونے اور اس نوجوان کے شہید ہونے کے بعد بڑی خونریز

جنگ ہوئی۔ حضرت نے یہ خیال کر کے کہ بہت خونریزی ہو رہی ہے، شامی لشکر کے قریب جا کر معاویہ کو آواز دی۔ معاویہ آیا تو آپ نے کہا کہ کیوں مسلمانوں کا خونِ ناحق بہا رہے ہو۔۔۔۔۔ میدان میں آؤ، ایک دوسرے کا سامنا کریں اور جو غالب ہو جائے اسی کے حق میں فیصلہ ہو جائے۔ معاویہ بھلا اس بوطے کے کب تھے۔ جب انھوں نے کوئی جواب نہ دیا تو عمرو عاص نے کہا ''بات تو فرزندِ ابوطالب نے کھری کہی ہے۔'' معاویہ نے جل کر عمرو عاص کی طرف دیکھا اور کہا کہ ''تم تو چاہتے ہی ہو کہ میں علیؑ کے ہاتھوں مارا جاؤں اور تم پھر مزا کرو۔ تمھیں معلوم ہے جو ان کے سامنے آیا وہ مارا گیا۔''

عمرو عاص نے کہا کہ میں تو چاہتا تھا کہ لوگوں کی نگاہوں میں تم نہ گرو۔ اس مقابلے سے ہٹ کر تو یہی ہوگا۔ معاویہ یہ کہتے ہوئے پیچھے نکل گئے کہ

''تمہارا منشا میں سمجھ رہا ہوں۔ میں تمھارے طیش دلانے سے بھڑکاوے
میں آ کر اپنی جان دے دوں تو تمہاری حکومت کا راستہ نکلے۔''

عمرو نے جو یہ بات سنی تو اس نے اس خیال سے کہ معاویہ کے دل سے یہ بات نکل جائے، کہا ''تب میں خود ان کے مقابلے پر جاتا ہوں۔'' وہ گھوڑے کو مہمیز کر کے میدان میں آیا، حضرت کو جنگ کے لئے پکارا، جب حضرت اس کے قریب پہنچے اور جیسے ہی تلوار بلند کی تو اُس نے خود کو زمین پر گرا دیا اور اپنی شرمگاہ کھول دی۔۔۔۔۔۔ حضرت علیؑ نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ اور اس طرح یہ حضرت اپنی جان بچانے میں کامیاب ہوئے۔ بعد کے دنوں میں معاویہ اکثر اُس سے مزاحاً کہا کرتے تھے ''تم نے تو اپنی شرمگاہ کے صدقے میں اپنی جان بچائی۔''

اسی دن بالکل اسی طرح بسر ابن ارطاۃ نے بھی اپنی جان بچائی۔ وہ بھی معاویہ کے جوش دلانے سے حضرت کے مقابلے کو نکل کھڑا ہوا، مگر جب جان پر بن آئی تو اس نے بھی عمرو عاص کی پیروی کرتے ہوئے خود کو برہنہ کر لیا۔ حضرت نے جو اس

کا ستر عریاں دیکھا تو منہ موڑ لیا اور یہ بھاگ کر اپنے لشکر میں پہنچا۔

امیر معاویہ اپنی ہی قد کاٹھی کے اپنے ایک غلام حریث کو اکثر اپنا لباس پہنا کر میدان میں بھیجا کرتے تھے تاکہ لوگوں پر یہ تاثر رہے کہ وہ خود بھی جنگ میں حصہ لیتے ہیں۔ لیکن اس کو تاکید کر دی تھی کہ کبھی علی کا مقابلہ نہ کرنا۔ ایک دن عمرو عاص نے اس کو بھڑکا دیا اور جوش میں آکر حریث حضرت سے مبارز طلب ہوا۔ آپ کے ایک ہی وار میں اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ معاویہ کو جب علم ہوا تو عمرو عاص پر بہت بگڑے اور حریث کے مرنے کا بہت صدمہ اس لئے کیا کہ وہ ان کا بھرم باقی رکھے ہوئے تھا۔

اسی دن عرب کے کئی نامی گرامی شامی اور عراقی سپاہی میدان میں کام آئے۔ رات کی تاریکی پھیلنے تک جنگ کا سلسلہ جاری رہا اور اندھیرا ہونے پر جنگ ملتوی ہوئی۔

حضرت علی اس طرح قوم کی خونریزی سے بڑے ہی بے چین تھے۔ امیر معاویہ کی طرف سے قطعی گنجائش نہیں تھی کہ وہ اس بغاوت سے باز آئیں۔ صلح اور اصلاح کے سارے دروازے معاویہ نے بند کر دیئے تھے۔ حضرت علیؑ یہ چاہتے تھے کہ میدان میں آکر معاویہ خود مقابلہ کر لے اور ملت سے یہ بلا ٹل جائے۔ مگر معاویہ اس کا انجام جانتے تھے، لہٰذا اس کا کوئی سوال ہی نہ تھا کہ وہ حضرت کے اس چیلنج کو قبول کریں۔ وہ تو ملت کے خون میں اقتدار کی کشتی چلتے رہنے دینا چاہتے تھے۔ ان کو نہ نوجوان سپاہیوں کی کٹتی ہوئی گردنیں نظر آتی تھیں، نہ زخموں سے تڑپتے ہوئے سپاہی، نہ کراہتے ہوئے دم توڑتے شامی اور کوفی مسلمان ------ میدان سے دور بیواؤں کا شور گریہ اور یتیموں کی آنکھوں کے آنسو نظر آنے کا تو سوال ہی کیا تھا ------ یہ سب فکرمندیاں انھوں نے علیؑ کے لئے چھوڑ رکھی تھیں۔ آخر جنگ ملتوی ہونے کے بعد حضرت نے ایک سخت فیصلہ لیا۔ آپ نے لشکر کو جمع کیا۔ اپنے خطبے میں آپ نے اپنی کوششوں اور کاوشوں کا ذکر کیا ----- سپاہیوں کی بہادری اور قربانیوں کو ذکر کرتے

ہوئے آپ نے فرمایا کہ جب تک اب ایک فیصلہ کن حملہ نہ ہوگا، مسلمان یوں ہی قتل ہوتے رہیں گے۔آپ نے آمادہ کرتے ہوئے فرمایا۔

''کل دشمن سے جنگ کرنا ہے (فیصلہ کن)، دعا مانگو اور دشمن سے بر سرِ پیکار ہو جاؤ۔'' (تاریخ کامل، جلد ۳)

آپ کے اس خطبے نے لشکر میں عجیب وغریب جوش بھر دیا، اور سب سپاہی ہتھیار درست کرنے میں مصروف ہو گئے ۔۔۔۔ پوری رات عجب نظارہ رہا۔

امیر معاویہ کو جب یہ خبریں پہنچیں تو انھوں نے بھی اپنے سپہ سالاروں ابوالاعور سلمی، ابن عمرو سلمی، رفرا ابن حارث، ضحاک بن قیس اور دیگر تمام سرداروں کو طلب کیا اور صورت حال سے آگاہ کیا۔ سب نے اسی وقت صبح کی جنگ کے لئے تیاریاں شروع کر دیں اور صفین کا میدان پوری رات اسی طرح جنگی تیاریوں سے مزین ہوتا رہا۔

صبح ہوتے ہی گھمسان کا رن پڑا۔ حضرت علیؓ نے میمنہ کی کمان عبداللہ بن بدیل کو دی، میسرہ میں عبداللہ ابن عباس کو قائم کیا تو خود قلب لشکر میں تشریف فرما ہوئے۔ آج آغاز جنگ ہی بڑی شدت کے ساتھ ہوا۔

کبھی شامی لشکر بھاری پڑا، کبھی عراقی لشکر بھاری پڑا۔ ایک وقت تو ایسا آیا کہ عراقی لشکر کے پیر اکھڑ گئے، میمنہ بھی بکھر گیا، خود قلب لشکر بکھر گیا۔ حضرت میسرہ میں پہنچے۔ وہاں کے حالات بھی بہتر نہ تھے، مگر قبیلۂ ربیعہ پوری آب وتاب سے جما ہوا تھا۔ ربیعہ نے جو حضرت کو اپنے درمیان پایا تو ان کا جوش حدوں کو پار کر گیا۔ انھوں نے آپس میں کہا کہ جب تک آخری جوان باقی رہے، حضرت پر کوئی زخم نہ آئے۔ حضرت علیؓ کو ان کے ان حالات سے بہت خوشی ہوئی۔ آپ نے ان کی تعریف فرمائی۔ پھر حضین بن منذر، جو سرخ علم بردار تھا، اس کو بلا کر کہا ''تم تھوڑا پیش قدمی کرو۔'' اس نے سرتوڑ کوشش کر کے پیش قدمی کی۔ جوش میں جب وہ زیادہ آگے نکلنے

لگا تو آپ نے اس کو رکنے کے لئے کہا۔ ادھر مالک اشتر بھی میمنہ اور قلبِ لشکر ٹوٹنے کے بعد میسرہ کی طرف آنکلے۔ حضرت نے ان سے کہا کہ جو لوگ میدان چھوڑ گئے ہیں، انھیں آخرت کی یاد دلاؤ اور واپس بلاؤ۔ مالک نے تعمیل حکم میں آواز دی ''اے لوگو! تمھیں کیا ہو گیا ہے۔۔۔۔ تم جانتے ہو کہ تم صرف دین کے لئے لڑ رہے ہو۔ دشمن تم کو واپس اسی راستہ پر ڈالنا چاہتا ہے جسے تم نے چھوڑ دیا تھا۔ وہ تمھیں ایام جاہلیت میں واپس لانا چاہتے ہیں۔ آؤ دین کی خاطر بے دینوں سے جنگ کرو۔ اس راہ میں موت شہادت ہے اور فرار دنیا میں رسوائی اور آخرت میں خسارہ کا سودا ہے۔''

مالک کی آواز پر سب سے پہلے قبیلۂ بنی مذحج پلٹا۔ کہا ہم ہر حکم کی تعمیل کریں گے۔ مالک نے کہا میدان سے ہٹنے کا کفارہ یہ ہے کہ حضرت امیرؑ کو خوش کرو۔ اس کے بعد مالک اشتر اُن کو لے کر آگے بڑھے۔

میمنہ میں یوں تو سبھی کے قدم اکھڑے تھے، مگر قدم اکھڑنے کے باوجود قبیلۂ ہمدان کی خدمات سب سے زیادہ گرانقدر تھیں۔ یہ میدان سے تب ہٹے تھے جب ان میں سے ۸۰/آدمی شہید ہو گئے۔ صفین کی تاریخ میں اس قبیلے کے ۱۱/علمدار شہید ہوئے، جن میں سے چھ حقیقی بھائی کریب ابن شریح، شرجیل ابن شریح، مرثد ابن شریح، بیرہ ابن شریح، ہریم بن شریح اور سمیر بن شریح شامل تھے۔ اس کے علاوہ ۳/حقیقی علمدار بھائی سفیان ابن زید، عبداللہ ابن زید اور کریب ابن زید ان کے بعد شہید ہوئے۔ ان کی شہادت کے بعد دو حقیقی بھائی یکے بعد دیگرے عمرہ ابن بشر اور حارث بن بشر بھی علمداری کے منصب پر شہید ہوئے۔ جس وقت مالک بنی مذحج کو لے کر جارہے تھے، اُسی وقت بنی ہمدان بھی ادھر سے گزرے اور جب انھوں نے مالک اشتر کو ادھر سے نکلتے دیکھا تو نئے جوش و خروش سے انھیں کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اس طرح مالک اشتر نے ٹوٹے ہوئے میمنے کو پھر سے درست کیا اور انتہائی پُر جوش حملے کئے۔ رفتہ رفتہ نکلا ہوا میدان پھر سے ہاتھ آ گیا۔

''حضرت عمار اور باغی گروہ''

جنگ صفین میں حضرت عمار یاسر کی عمر ۹۳ رسال کی تھی۔ کمر خمیدہ ہو چکی تھی اور بھنویں بھی جھک آئی تھیں۔ لیکن حضرت عمار اس ضعیفی میں بھی جنگ صفین میں پورے جوش وخروش سے شامل ہوئے۔ انھیں حضورؐ کی وہ پیشین گوئی بار بار یاد آتی تھی جس میں اللہ کے رسول نے انھیں یہ کہہ کر شہادت کی خبر دی تھی کہ ''عمار تجھ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ تو انھیں جنت کی طرف بلاتا ہوگا جبکہ وہ تجھے دوزخ کی طرف۔''
جب سے یہ حدیث حضرت عمار نے سماعت فرمائی تھی، اسی دن سے حضرت عمار شوقِ شہادت میں تھے۔ صفین میں عمار عمر کی ۹۳ ویں منزل میں تھے، اس لئے بہت پُر جوش تھے اور انھیں یقین تھا کہ بس یہی معرکہ پیغمبرؐ کی پیشین گوئی کے پورا ہونے کا وقت ہے۔

مذکورہ حدیث وہ ہے کہ جس نے شہادتِ عمار کے بعد جنگ صفین کا فیصلہ اس طرح کر دیا کہ دنیا کو بالکل صاف نظر آ گیا کہ اسلام اور شریعت کا باغی کون ہے۔ اور آج بھی جنگ صفین پر قلم اٹھانے والے جب باغی گروہ کی حمایت کرنے کے لئے کوئی جواز پیش کرتے ہیں تو ان کی پیشانی پر پسینہ آ جاتا ہے اور قلم کی سیاہی سوکھنے لگتی ہے۔ کیونکہ خود جانتے ہیں کہ لاکھ ''خطاے اجتہادی'' کی چار دیواری میں ہم کسی کو پناہ دے دیں مگر اگر رسولؐ نے اس پورے گروہ کو باغی کہہ دیا ہے تو اس پر صفائی رسولؐ کی بات سے بغاوت کے علاوہ کچھ نہیں۔

مذکورہ بالا حدیث متواترات میں ہے۔ یہ حدیث صحیحین میں بھی موجود ہے۔
کتاب ''ارشاد'' میں امام ابوالمعالی تحریر فرماتے ہیں کہ ''یہ انتہائی ثابت شدہ حدیث ہے۔''

علماے اہل سنت کی دوسری بڑی ہی گرانقدر شخصیت امام عبدالبر اپنی مشہورِ دوعالم کتاب ''استیعاب'' میں قبول فرماتے ہیں۔

''تواتر کے ساتھ حدیثیں ہیں کہ جناب رسولِ خدا نے فرمایا کہ عمار کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ یہ حضرت کی پیشین گوئیوں میں ایک پیشین گوئی ہے جس کا اعلام نبوت میں شمار ہے۔''

یہ مقام حضرت عمار کے فضائل و مناقب بیان کرنے کا نہیں۔ ہم صرف جنگِ صفین میں ان کے توسط سے حضرت علیؑ اور امیر شام کے معاملات کو سمجھ کر اس پیشین گوئی پر گفتگو کر رہے ہیں جو حضرت نے جنگ شروع ہونے سے عین قبل بیان کی۔۔۔ ورنہ حضرت عمار کا مقام و منزلت تو اس قدر بلند ہے کہ طائرِ فکر ان کے مقام کی بلندی تک پرواز کر ہی نہیں سکتا۔ حضرت رسول خدا نے ان کے لئے فرمایا کہ ''ایمان عمار کی رگ و گوشت میں پیوستہ ہے۔'' اور ایک موقع پر جبکہ مسجد نبوی کا تعمیری کام چل رہا تھا اور چند اصحاب سے عمار کی نوک جھونک ہوئی تو پیغمبرؐ نے برہم ہو کر حضرت عمار کے حق میں فرمایا کہ ''عمار میری آنکھوں اور میری ناک کے درمیان کی جلد ہے۔'' (روضۃ الاحباب)

حضرت عمار کی اسی منزلت و مقام کے پیش نظر معاویہ کیمپ کو یہ فکر تھی کہ وہ کسی صورت یا تو ہماری طرف آجائیں، ورنہ کم از کم حضرت علیؑ سے علیحدگی اختیار کرلیں تا کہ لوگوں کو ان کی طرف توجہ کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ چنانچہ چوتھی جنگ کے بعد عمرو عاص نے اس سلسلے میں کوشش کی۔ اس نے جنگ کے بعد ابو نواخ کو بلا کر حضرت عمار کے پاس بھیجا کہ ''اگر تم کو فرصت ہو اور کوئی رکاوٹ نہ ہو تو مجھ سے آن ملو کہ ہم کوئی تدبیر خونریزی ختم کرنے کی نکالیں۔'' حضرت عمار کو پیغام ملا تو اپنے چند رفقاء کو لے کر عمرو عاص کے پاس پہنچے۔ گفتگو شروع ہوئی تو حضرت عمار نے بغیر تکلف کے بولنا شروع کیا۔ قصاص کی بات آئی تو حضرت عمار نے قرآنی رُو سے قصاص کے تمام پہلو سامنے رکھ دیئے۔ یہ بھی ثابت کیا کہ معاویہ کو کسی طور قصاص کا حق نہیں اور یہ بھی کہ حضرت علی کا اس قتل سے کوئی واسطہ نہیں۔ عمار کی گفتگو کا عمرو عاص کے پاس تائید

کے علاوہ تو کوئی چارہ نہ تھا، مگر یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ ساری باتیں قبول کر لیتے۔ قبول کر لیتے تو مصر کی حکومت کیسے ملتی۔ معاویہ کا ساتھ چھوڑنا بہت مشکل کام تھا۔ اس کے مقابلے قرآن، دین، ایمان اور آخرت چھوڑنا آسان تھا۔ عمرو عاص نے عمار سے کہا ''آپ بات سچ کہتے ہیں، مگر معاویہ کو قصاص کا حق حاصل ہے اور وہ وہی کر رہے ہیں۔'' اس کے بعد اس نے عمار کی مدح وثناء کر کے خونریزی سے بچنے کی تلقین کی۔ عمار پر بھلا اس کی گفتگو کا کیا اثر ہوتا۔ آپ نے درشت لہجے میں فرمایا کہ

> ''تیری گفتگو منافقانہ ہے۔ بے شک ہم اور تو ایک خدا کو مانتے اور ایک ہی قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں، مگر تیرے ہمراہیوں اور میرے رفیقوں کا بھلا کب موازنہ ہے۔ ہم خدا پرستی، راست بازی، قرآن خوانی، دینداری، اور ایمانداری کو اپنا شعار بنائے ہیں۔ خدا کے حبیب نے مجھ سے فرمایا تھا کہ تم ایک ایسی جماعت سے جنگ کرو گے جو خدا کے اوپر اپنے عہد ومیثاق کو توڑ ڈالے گی، چنانچہ ہم تم سے جنگ کر رہے ہیں۔'' (اعثم کوفی)

عمرو عاص کو اس قدر کھری سننے کی توقع نہ تھی۔ اس نے شکایتاً کہا کہ ہم تم سے نرمی سے گفتگو کرتے ہیں اور تم ہم کو اس قدر ذلیل کرتے ہو۔ (اعثم کوفی)

اس طولانی بحث ومباحثہ کا اثر یہ ہوا کہ معاویہ کے دو اہم آدمی حصین بن مالک اور حارث ابن عوف معاویہ کے لشکر سے الگ ہو کر حمص چلے گئے۔ دیگر لوگوں میں بھی بے چینی پھیلی۔ چنانچہ پانچویں لڑائی سے قبل عمرو عاص کے پاس شامیوں کا ایک گروہ پہنچا اور کہا کہ ہم نے تو رسول کی یہ حدیث سنی ہے کہ ''حق عمار کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔'' عمرو عاص اس سے انکار نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ یہ بات براہ راست سننے والوں کے علاوہ معتبر ذرائع سے عام بھی تھی۔ عمرو عاص نے کہا یہ بات تو سچ ہے مگر عمار سے ہم کب جدا ہیں؟ ہم میں بہت خلوص ہے۔ اس گروہ میں کچھ لوگ وہ

تھے جو عمار سے گفتگو میں شامل تھے۔ انھوں نے کہا کہ عمار سے گفتگو کب مخلصانہ تھی۔ عمرو عاص ناراض ہوا۔ ذوالکاع حمیری اور عمرو عاص میں اچھی خاصی تلخ گفتگو ہوئی۔ اس رنگ کو دیکھ کر عبداللہ ابن عمر التمیمی تو کسی صورت شامی لشکر سے نکل کر حضرت علیؑ کے لشکر میں آن ملا، مگر ذوالکلاع حمیری کو عمرو عاص نے پھر اپنی عیارانہ گرفت میں لے لیا۔ اس نے کہا عمار فی الحال ہمارے پاس نہیں ہیں، لیکن وہ بہت جلد ہمارے درمیان ہوں گے۔ ذوالکلاع اس تسلی سے معاویہ ہی کے کیمپ میں رکا رہا۔ (اور پھر آئندہ کے واقعات دیکھنے کے لئے باقی نہ رہا، کہ کس طرح شہادتِ عمار نے صفین کے صفحات پر حق کی عبارت بہت ہی واضح اور خوب ترین طریقے سے تحریر کر دی۔)

اس طرح عمار کو لے کر شامی لشکر میں بڑے پیمانے پر چہ می گوئیاں شروع ہوگئیں اور بعض لوگ جو محض شامی پروپیگنڈہ سے متاثر ہو گئے تھے، راہ راست پر آنے لگے۔ اس نئی صورت حال نے معاویہ کو بڑی ہی سخت صورت حال میں مبتلا کر دیا۔ اس نے عمرو عاص سے ناراض ہو کر کہا کہ تجھے عمار کا قصہ چھیڑنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ عمرو عاص نے کہا کہ حدیثِ رسولؐ جو میں نے سنی ہوئی تھی، بس اس کی تصدیق کی۔ بہت سے لوگوں نے وہ حدیث سن رکھی تھی۔ میں کیا جانتا تھا کہ اس طرح لوگ لشکر چھوڑنے لگیں گے۔ دن بھر عمرو عاص اور معاویہ میں اس واقعہ کو لے کر کشیدگی رہی۔ بالآخر اپنی تدبیر سے عمرو عاص نے پھر معاویہ اور لشکر کو ہموار کیا اور پانچویں جنگ شروع ہوئی۔

شہادت حضرت عمار اور اس کا اثر

حضرت عمار کو معاویہ کی بغاوت سے بہت طیش تھا۔ وہ یقین کامل کی حد میں تھے کہ معاویہ کھلے باطل اور مکاری پر ہے۔ ان کے پیش نظر سرکار رسالت مآبؐ کی وہ حدیث تھی کہ ”عمار تجھے ایک گروہِ باغی قتل کرے گا۔“ انھیں یہ یقین تھا کہ معاویہ اس

باغی گروہ کا بانی اور سردار ہے ۔ انھیں یقین ہو چلا تھا کہ اسی گروہ کے ہاتھوں ان کی شہادت ہوگی ۔ وہ تلوار کے دھنی اور بدر، احد اور خندق کے میدانوں میں اپنی تلوار کے جوہر دکھا چکے تھے، مگر اب عمر کی اس ڈھلتی ہوئی منزل میں بھی صفین میں وہ بہت ہی پُر جوش تھے ۔ چنانچہ وہ حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اذنِ جہاد چاہا۔ حضرتؑ کو تکلف ہوا تو بہت زور دے کر حضرت عمار نے اجازت چاہی ۔ بادلِ ناخواستہ حضرت نے اجازت عطا فرمائی تو آپ نے ہتھیار سجائے اور آسمان کی طرف دیکھ کر یہ دعا کی

''بارالٰہا! تو خوب جانتا ہے کہ اگر مجھے یہ علم ہو کہ تیری رضا اس میں ہے کہ میں دریا میں کود جاؤں تو میں ایسا ہی کروں گا ۔ پروردگار! تو جانتا ہے کہ اگر مجھے یہ علم ہو جائے کہ تیری رضا اس میں ہے کہ میں تلوار کی نوک پر اپنا سینہ رکھ دوں اور اس قدر زور دوں کہ تلوار میری پشت کے دوسری طرف نکل جائے تو مجھے اس عمل میں کوئی رکاوٹ نہیں ۔ آج کے دن میں تیری رضا کے لئے اس عمل سے بہتر کوئی عمل نہیں سمجھتا کہ ان فاسقوں سے جہاد کروں ۔ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ اس عمل سے بڑھ کر کوئی اور عمل تجھے راضی کرنے والا ہے تو کر گزروں ۔''

(تاریخ طبری، جلد ۴)

مشہور جرمن مؤرخ DR. WEILS اپنی مشہور کتاب Dr. Weils Geschichte Der Islamitschen Volker میں ، جس کا ترجمہ خدا بخش بار ایٹ لا نے "History of the Islamic Peoples" کے نام سے کیا ہے اور کلکتہ یونیورسٹی سے شائع ہوئی ہے، حضرت عمار کے جذبۂ جہاد کو یوں رقم کرتے ہیں:

" On the third day, when the aged Ammar ibneYasir, one of the best and most influential companions of the Prophet, stirred the Iraqians